

# سید انسانیت

تعمیر صیقلی



سیرت پاک کے موضوع پر نشری تقریروں کا مجموعہ

# سید انسانیت

(صلی اللہ علیہ وسلم)

227919  
DATA ENTERED

نعیم صدیقی

ناشران و تاجران کتب  
غزنی شریٹ ازو بازار لاہور

الفیصل

297.63 Naeem Siddiqi  
Sayed-e-Insaniyat/ Naeem Siddiqi.- Lahore:  
Al-Faisal Nashran, 2010.  
223p.

I. Seerat-ul-Nabi(PBH) I. Title.

ISBN 969-503-059-9

2017-992-1  
70  
122090  
ک

زیر اہتمام  
ادارہ مطالعہ و تحقیق  
ایجوکیشن ٹاؤن، وحدت روڈ، لاہور  
19/BIII(Ext)  
E.mail:isrpk@hotmail.com \* 042-5419508 فون:

جملہ حقوق محفوظ ہیں۔

پہلا ایڈیشن..... 1985ء  
گیارہواں ایڈیشن..... ستمبر 2010ء  
محمد فیصل نے  
آر۔ آر پرنٹرز سے چھپوا کر شائع کی۔

قیمت:-/150 روپے

**AI-FAISAL NASHRAN**

Ghazni Street, Urdu Bazar, Lahore. Pakistan  
Phone : 042-7230777 Fax : 09242-7231387  
http : www.alfaisalpublishers.com  
e.mail : alfaisal\_pk@hotmail.com

## فہرست

۵	کلمات مؤلف	
۷	سیرت پاک اور محمدی انقلاب	تقریر ۱
۱۴	حضور کی ولادت اور قبل نبوت کا دور	تقریر ۲
۲۱	صبح نبوت کا طلوع	تقریر ۳
۲۸	علانیہ دعوت اسلام کا آغاز اور رد عمل	تقریر ۴
۳۵	مخالفت و مزاحمت	تقریر ۵
۴۳	حق کے دیوانوں پہ کیا گزری	تقریر ۶
۵۲	حالات کا شدید مدد جزر	تقریر ۷
۶۰	سفر طائف	تقریر ۸
۶۶	واقعہ معراج	تقریر ۹
۷۲	بیعت عقبہ اولیٰ و ثانیہ	تقریر ۱۰
۷۸	رمول پاک کی ہجرت	تقریر ۱۱
۸۲	مدینہ میں تعمیر کام	تقریر ۱۲
۸۹	دفاعی تیاریاں اور عسکری تربیت	تقریر ۱۳
۹۵	جہاد کیا اور کیوں؟	تقریر ۱۴
۱۰۰	پہلا معرکہ حق و باطل	تقریر ۱۵
۱۰۵	غزوہ بدر سے غزوہ احد تک	تقریر ۱۶
۱۱۱	غزوہ احد	تقریر ۱۷
۱۱۹	غزوہ احد کے اہم اسباق	تقریر ۱۸
۱۲۱	غزوہ احد کے بعد کے احوال	تقریر ۱۹
۱۳۷	غزوہ بنو مصطلق	تقریر ۲۰

۱۴۲	غزوہ خندق یا جنگِ احزاب	تقریر ۲۱
۱۴۵	چند متفرق فوجی کارروائیاں	تقریر ۲۲
۱۴۸	صلح حدیبیہ	تقریر ۲۳
۱۵۳	بین الاقوامی دعوت کا آغاز	تقریر ۲۴
۱۵۶	غزوہ خیبر	تقریر ۲۵
۱۶۲	عمرة القضا	تقریر ۲۶
۱۶۵	فتح مکہ	تقریر ۲۷
۱۶۲	غزوہ حنین و اوطاس	تقریر ۲۸
۱۶۸	فتح مکہ و حنین کے بعد	تقریر ۲۹
۱۸۰	غزوہ موٹہ اور تبوک	تقریر ۳۰
۱۸۵	غزوہ تبوک کے بعد کے دو اہم واقعات	تقریر ۳۱
۱۹۰	حج میں سورہ براءت کا اعلان	تقریر ۳۲
۱۹۳	مدینہ میں دُفود کی آمد	تقریر ۳۳
۲۰۳	کاذب مدعیانِ نبوت کا فتنہ	تقریر ۳۴
۲۰۵	حجۃ الوداع	تقریر ۳۵
۲۱۳	اللہم الرفیق الاعلیٰ	تقریر ۳۶
۲۲۰	کتاب پڑھنے کے بعد؟	

## سیرتِ پاک اور محمدی انقلاب

حضور نبی پاک محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کوئی قصہ کہانی نہیں ہے، وہ محض ایک فرد کی داستان بھی نہیں ہے، بلکہ وہ فی الحقیقت ایک ایسے عظیم اور پاکیزہ انقلاب کی کہانی ہے جس کی کوئی مثال تاریخ انسانی میں نہیں ملتی۔ اس انقلاب کی روداد کا مرکزی کردار نبی اکرم کی شخصیت ہے۔ باقی کے تمام کردار، خواہ وہ ابو بکرؓ و عمرؓ ہوں یا عثمانؓ و علیؓ، جعفرؓ طیار ہوں یا سید الشہداء جناب حمزہؓ، وہ حضرت بلالؓ ہوں یا یاسرؓ و عمارؓ اور اسی طرح دوسرے محاذ پر ابو جہل ہو یا ابولہب، عبداللہ بن ابی ہویا کعب بن اشرف، خواتین میں سے حضرت خدیجہؓ ہوں یا جناب فاطمہؓ، حضرت عائشہؓ ہوں یا جناب ام المومنین اور ان کے مقابل ہیں زوجہ ابولہب ہو یا ہندہ جگر خوار — یہ سب کے سب مرکزی کردار کے یا تو معاون کردار ہیں، یا مخالف۔ ان مختلف کرداروں کے تعاون اور کشمکش کے نتیجے میں تاریخ کا وہ سنہری باب لکھا گیا جس کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک آنحضرت کی سیرتِ پاک رچی بسی ہوئی ہے اور مہاجرین و انصار میں اسی کا انعکاس

دکھائی دیتا ہے۔ حضورؐ کی سیرت کو اس کشمکش سے الگ کر کے سمجھا ہی نہیں جاسکتا۔  
 نعوذ باللہ حضورؐ نہ تو تارک الدنیا راہب تھے اور نہ ایک محدود ادارے بے ضرر سادھم  
 یا مت سکھانے آئے تھے۔ آپؐ کے ذمے محض پوجا پاٹ کے طریقے بتانے اور  
 چند اخلاقی نصیحتیں اور سفارشیں کرنے کا کام نہ تھا، بلکہ قرآن کی توضیحات کے مطابق  
 آپؐ کی بعثت کا مقصد یہ تھا کہ خدا پرستانہ حکمت اور پاکیزہ اخلاق سے آراستہ کر کے آپؐ  
 ایک ایسی جماعت کھڑی کریں جو آپؐ کی قیادت میں بھرپور جدوجہد کر کے دین برحق  
 کو ہر دوسرے نظریے اور فلسفے اور مذہب کے مقابلے میں پوری انسانی زندگی پر غالب  
 کر دے: **و یكون الدين كله لله!**

بات کو سمجھنے کے لیے دو تین مواقع پر رسولؐ برحق کے فرمائے ہوئے کلمات پر ہم  
 نگاہ ڈالتے ہیں۔ ان کلمات کی شہادت یہ ہے کہ حضورؐ کو اپنے کام کے حوصلہ شکن ابتدائی  
 دور میں پورا شعور تھا کہ کیا کرنے چلے ہیں۔ دعوت کا کام شروع کرنے کے جلد ہی بعد  
 خاندانِ بنو ہاشم کو کھانے پر جمع کیا اور اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ ”جو پیغام  
 میں تم تک لایا ہوں اسے اگر تم قبول کر لو تو اس میں تمہاری دنیا کی بہتری بھی ہے اور آخرت  
 کی بھلائی بھی“ پھر ابتدائی دور کشمکش میں مخالفین سے آپؐ نے فرمایا کہ ”بس یہ ایک کلمہ ہے،  
 اسے اگر مجھ سے قبول کر لو تو اس کے ذریعے تم سارے عرب کو زیرِ نگیں کر لو گے اور سارا  
 عجم تمہارے پیچھے چلے گا“ پھر ایک موقع پر رسولؐ بشیر و نذیر کعبہ کی دیوار سے ٹیک لگائے  
 بیٹھے تھے، خیاب، ابن الارت نے جو قریش کے تشدد کا نشانہ بن رہے تھے، عرض کیا حضورؐ،  
 ہمارے لیے خدا کی مدد کی دعا نہیں فرمائیں گے؟ حضورؐ نے جواب دیا کہ تم سے پہلے ایسے  
 لوگ ہو گئے ہیں کہ گڑھے کھود کر ان کے دھڑکی میں داب دیے جاتے اور پھر  
 ان کے سروں پر آرسے چلا کر ان کو دوڑ کر سے کر دیا جاتا۔ تیز لوہے کی بڑی بڑی کنگھیوں  
 سے بحالتِ زندگی ان کے گوشت اور کھالوں کی کتریں ہڈیوں سے نوچ لی جاتیں لیکن  
 یہ چیزیں ان کو دین و ایمان سے نہ پھیر سکیں۔ پھر فرمایا کہ ”خدا کی قسم! اس کام کو اللہ تعالیٰ  
 ایسی تکمیل منزل تک پہنچائے گا کہ ایک سوار صنعاء سے حضر موت تک تہا سفر کرے گا اور



اسے سوائے خدا کے کسی کا خوف لاحق نہیں ہوگا، مدنی ددر میں عدی بن حاتم سے فرمایا کہ ”بخدا وہ دقت قریب آ رہا ہے جب تو سن لے گا کہ ایک بی عورت قادسیہ سے چلے گی اور تکہ کھا حج کرے گی اور اسے کسی کا خوف ڈرنہ ہوگا“ ان کلمات سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کے سامنے انوث و مساوات، عدل و انصاف اور امن و سلامتی کے ایک ایسے نظام کا نقشہ تھا جس میں کمزور اور تنہا فرد بھی ہر ضرر اور ظلم سے محفوظ ہوگا۔

یہ تھی منزل جہاں تک پوری انسانیت کے قائد صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے اس معاشرے کو پہنچانے کے لیے عمر بھر جان ماری کی جو جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا، نظم سے محروم تھا، جرائم کی جولاں گاہ تھا، اور جس کے اجڑا اور اکھڑ لوگ آپس میں لڑ بھڑ کر تو تئیں برباد کر رہے تھے۔

محمدی انقلاب کی اساس کلمہ طیبہ پر تھی، یعنی اس کائنات کا اور تمام نوع انسانی کا ایک ہی اللہ ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ پوجا صرف اُس کی ہوگی، حکم اور قانون صرف اُسے اس کا چلے گا، حاجات اس سے مانگی جائیں گی، دعائیں اس سے کی جائیں گی، نذرین اس کے سامنے پیش کی جائیں گی، اعمال کا حساب کتاب لینے والا اور جزا سزا دینے والا وہ ہے، زندگی موت اور صحت اور رزق اور امن اور عزت سب کچھ اس کی طرف سے ہے۔ زندگی میں اور کوئی اللہ نہ ہوگا، کسی بادشاہ کی، کسی حکمران کی، کسی خاندان کی، کسی دولت مند کی، کسی پرہت اور پادری کی، کسی نمبردار اور چوڑھری کی اور خود کسی شخص کے اپنے نفس کی خدائی بھی نہ چلے گی۔ اللہ کے سوا دوسرا جو کوئی بھی خدا بنتا ہے یا اپنی مرضی ٹھونکتا اور اپنا قانون چلاتا ہے، یا دوسروں کے سراپتے سامنے یا کسی اور کے سامنے جھکواتا ہے، یا جو لوگوں کی حاجات پوری کرنے کا مدعی بنتا ہے، وہ طائفوت کا پارٹ، ادا کرتا ہے۔

اس انقلابی کلمے کا دوسرا جز یہ بتاتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نے اپنا رسول مقرب کیا ہے۔ ان کو وحی کے ذریعے ہدایت اور منزلت، نیکی اور بدی، حلال اور حرام کا

علم عطا کیا ہے۔ آپ خدا کی طرف سے قیامت تک تمام مسلمانوں کے پیشوا اور قائد،  
معلم اور مزیٰ اور اسوہ<sup>ؑ</sup> اور نمونہ قرار دیے گئے ہیں۔

اس انقلابی کلمے کے بیج سے نظام عدل و رحمت کا وہ شجرہ طیبہ ظہور میں آیا جس  
کی شاخیں فضاؤں میں پھیل گئیں اور جڑیں زمین میں اتر گئیں جس کی چھاؤں دُور دُور  
تک پھیل گئی اور جس کے فکری، تہذیبی اور اخلاقی برگ و بار کا کچھ حصہ ہر قوم اور معاشرے  
تک پہنچا۔

محمدی انقلاب کے حیرت انگیز پہلوؤں میں سے ایک یہ ہے کہ جس نے آپ کے  
پیغام کو قبول کیا اس کی ساری ہستی بدل گئی، اس کے ذہن کی ساخت، اس کے افکار و  
جذبات، اس کے ذوق اور دلچسپیاں، اس کی دوستیاں اور دشمنیاں، اس کے اخلاقی  
معیارات سب کے سب بدل گئے۔ چور اور ڈاکو آئے اور دوسرے لوگوں کے اموال  
کے نگہبان بن گئے۔ زانی آئے اور دوسروں کی عصمتوں کے رکھوالے بن گئے۔ سود کھانے  
والے آئے اور وہ اپنی کمائیاں خدا کے دین اور بندوں کی خدمت کے لیے لٹانے لگ  
گئے۔ کبر کے مجسمے آئے اور عاجزی کا نمونہ بن گئے۔ خواہشوں کے غلام آئے اور پل بھر  
میں دینا نے دیکھا کہ وہ اپنی خواہشوں کو روندتے ہوئے ایک اعلیٰ نصب العین کی  
طرف لپکے جا رہے ہیں۔ جاہل آئے اور آسمانِ علم پر اٹھوں نے اس طرح کمندیں ڈالیں  
کہ دنیا حیرت زدہ رہ گئی۔ اڈنٹوں کے چرواہے انسانوں کے شفیق گلہ بان بن گئے۔  
لوٹریوں، غلاموں کے پسے ہوئے طبقے سے وہ شجاع اور غیور ہستیاں نمودار ہوئیں  
جن پر دشمنوں نے ظلم و ستم کے سارے حربے آزما ڈالے، مگر ان کے ضمیروں کو بدلنے  
اور ان کے ایمانوں کو شکست دینے میں کامیاب نہ ہوئے۔

محمدی انقلاب کے ان رضا کار سپاہیوں میں ڈپلن اور ضبط و نظم ایسا بے مثال  
تھا کہ حالت نماز میں ان کو تخیلی قبیلہ کا حکم ملا تو انھوں نے فوراً اپنے رخ بیت المقدس  
سے کعبہ کی طرف پھیر لیے، ان کے لیے شراب حرام کی گئی تو انھوں نے منہ کے ساتھ لگے

ہوئے پہلے تک الگ کر کے پھینک دیے، ان کی خواتین نے جب رسول پاک کی زبان سے حکم حجاب سنا تو اس میں میں میخ نکالنے کے بجائے فوراً اپنے سروں اور سینوں اور زینتوں کو ڈھانپ لیا۔ ان میں سے اگر کسی مرد یا عورت سے خدا اور رسول کے احکام کے خلاف کوئی جرم سرزد ہو گیا تو اپنے جرم کے افراری بن کر خود پیش ہوئے اور اصرار کیا کہ ان پر سزا نافذ کر کے انہیں حضور پاک کر دیں۔ ان سے چندہ طلب کیا گیا تو کسی نے گھر کا سارا سامان لاکے مسجد میں ڈھیر کر دیا، کسی نے سامان سے لے ہوئے اونٹوں کی قطاریں کھڑی کر دیں اور کسی مزدور نے دن بھر کی محنت کی کمائی ہوئی چند کھجوریں پیش کر دیں۔ پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک بڑا احسان تہذیب انسانی پر یہ ہے کہ آپ نے انسانوں کے تمام رشتوں اور رابطوں کو محکم بنیادوں پر استوار کیا، ایک دوسرے کی باہمی ذمہ داریاں واضح کیں، سب کے حقوق و فرائض متعین کیے، اور اپنے نمونے کے معاشرے میں والدین اور اولاد، بھائی، بہنوں، میاں بیوی، استاد اور شاگرد، امیر اور غریب، پڑوسی اور ہمسفر، حاکم اور رعیت کے ربط و تعلق کو احسن شکل دی۔

افراد کے اندر واقع ہونے والے اس انقلاب کے نتیجے میں عرب کے معاشرے میں جو انقلاب واقع ہوا وہ حیرت انگیز ہے۔ حضور نے اسلامی ریاست کی بنیاد جب مدینہ میں رکھی تو زیادہ سے زیادہ وہ علاقہ سو مربع میل ہو گا۔ آٹھ نو سال کے قلیل عرصے میں یہ ریاست پھیل کر دس بارہ لاکھ مربع میل تک وسیع ہو گئی جس میں کوئی طبقاتی کشمکش نہ تھی، جس میں نسب کے فخر اور نسل کی عصبیت کا خاتمہ ہو گیا جس میں امیر و غریب اور عالم اور آن پڑھ بھائی بھائی بن گئے، جس میں جرائم نہ ہونے کے برابر تھے جس میں لوگ ایک دوسرے پر ظلم کرنے والے، سرکاری مال اور فرائض میں خیانت کرنے والے اور شہوتیں سمیٹنے والے نہ تھے، جس میں ہر کوئی دوسرے کے کام آتا تھا اور اپنے بھائی کو سہارا دیتا تھا۔ یہ بالکل ایک نئی دنیا کی تعمیر کی مہم تھی۔

یہ پاک اور پیارا محمدی انقلاب اس طرح نہیں آیا کہ لوگوں پر جب و تشدد کیا بارہا ہو۔ اس انقلاب کا پیغام قبول کرانے کے لیے کسی کو قتل نہیں کیا گیا۔ کسی کو جیل میں

نہیں ڈالا گیا۔ کسی کی پیٹھ پر تازیانے نہیں برسائے گئے۔ اس کے لیے دہشت نہیں پھیلائی گئی بلکہ اس انقلاب کی روح محبت انسانیت تھی اور حضور نے بڑی شفقت سے معلمانہ انداز پر پہلے مکہ میں ۱۳ سال تک اور پھر مدینہ میں دس برس تک کام کیا۔ مکہ کے دور میں آپ نے گالیاں سن کر، طعن و طنز کا ہدف بن کر، مار کھا کر اور تین سال تک شعب ابی طالب میں خاندان سمیت نظر بند رہنے کے باوجود نرمی اور پیار سے دعوت دی اور آپ کے رفیق تپتی ریت پر لٹائے گئے۔ ان کے سینوں پر پتھر رکھے گئے، ان کی پیٹھوں کے نیچے دھتے انکارے ٹھنڈے ہو گئے۔ کسی کے گلے میں رسی ڈال کر گلیوں میں گھسیٹا گیا، کسی کو تازیانے مار مار کر ادھوا کر دیا گیا اور کسی کو عذاب دے دے کر جان ہی لے لی گئی۔

پھر مدینہ میں آ کر یہودیوں کی شرارتوں اور منافقین کی غداریوں کا سامنا کیا۔ یہاں تک کہ بار بار آپ کے قتل کی سازشیں کی گئیں جن سے حضور بال بال بچ نکلے، مگر یہودیوں اور منافقوں کی ایک بڑی تعداد پوری آزادی کے ساتھ موجود رہی اور شرانگیزی کرتی رہی۔

میدان جنگ میں حضور اگر مسلم قوت کو اتارنے پر مجبور ہوئے تو اس وجہ سے کہ مخالف جاہلی قوت کے علمبردار خود بار بار چڑھ کر آئے بدزاد اور احزاب کی تین بڑی بڑی جنگیں مدینے کے دروازے پر لڑی گئیں۔ صرف ایک آخری جنگ جس کے پہلے مرحلے پر مکہ اور دوسرے میں حنین و طائف مفتوح ہوئے اس وجہ سے ناگزیر تھی کہ دشمن کی جنگی قوت اور کارروائیوں کے یہ مراکز تھے۔ اگر انہیں قائم رہتے دیا جاتا، تو جنگوں کا یہ سلسلہ نہ جاتے کب تک چلتا۔ اسی طرح غزوہ بنو مصطلق اور غزوہ خیبر کا مقصد خونناک قسم کی غدارانہ اور سازشی کارروائیوں کا سدباب کرنا تھا۔ باقی چھوٹے موٹے معرکے یا تو ڈاکوؤں کی سرکوبی کے لیے تھے یا سرحدی جھڑپوں کی نوعیت رکھتے تھے۔ کمال یہ ہے کہ جنگوں میں نبی امن و رحمت نے ایک طرف ایسی تدبیریں اختیار کیں کہ دشمنوں کے کم سے کم افراد کو ہلاک کرنا پڑے، دوسرے عرصہ پیکار کے لیے بھی اعلیٰ درجے

کے ضابطے نافذ کر کے دکھایا کہ خدا پرستوں کے انداز کیا ہوتے ہیں۔ ۹ سال کی تمام جنگی کارروائیوں میں دشمن کے ۵۹، افراد ہلاک ہوئے یعنی تقریباً ۸۴ افراد فی سال۔ اور جنگوں میں مسلمانوں کا کل جانی نقصان ۲۵۹ ہے۔ ۸، ۹ سال کی مدت میں دو طرفہ جنگی اموات کی میزان ایک ہزار اٹھارہ ہے۔

کیا دنیا کا، اور خصوصاً آج کی مہذب دنیا کا کوئی انقلاب اتنے کم جانی نقصان کے ساتھ اتنے بڑے تغیر کی مثال پیش کر سکتا ہے؟ اس نام نہاد مہذب دنیا میں تو انقلاب ایک عفریت کی طرح آتا ہے اور ہزار ہا انسانوں کو لقمہ بنا تا ہے، پھر انقلابی حکمرانوں جبریت کے تخت پر بیٹھ کر لوگوں کو مسلسل قتل کرتی رہتی ہیں، جیلوں میں ڈالتی ہیں، ان کو عذاب دیتی ہیں اور برسوں خوف اور دہشت کی فضا طاری رہتی ہے۔ ان جبری اور نوزیر انقلابوں نے تو انسان کی فطرت کو بالکل مستح کر دیا ہے۔

محمدی انقلاب کی رحمت و برکت کو سامنے رکھ کر جب ہم دوسرے انقلابی نظریوں اور فلسفوں کو دیکھتے ہیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ باطل کے مختلف روپ ہیں۔

پس مطالعہ سیرت نبوی سے ہمارا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ ہم حضور کے پیغام، حضور کے ذکر و عبادت، حضور کے اخلاق، حضور کی تنظیم، حضور کے کارنامے حضور کے طریق کار اور حضور کی حکمت عملی کو سمجھ کر اپنے آپ کو اس امر کے لیے تیار کریں کہ پہلے ہمارے اپنے اندر محمدی انقلاب کا آغاز ہو اور پھر ہم نہ صرف اپنے ملک اور ماشرے کو، بلکہ پوری نوع انسانی کو محمدی انقلاب کی برکتوں اور سعادتوں سے بہرہ مند کریں۔ ہمارے لیے حق کی راہ صرف یہ ہے کہ حضور کو اپنی ساری انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لیے پیشوا قائد اور اسوہ اور نمونہ تسلیم کریں اور کسی دوسرے فلسفی یا انقلابی یا مصلح یا سیاست کار یا قانون ساز کو اپنا مستقل رہنما بنا کر اس کی پیروی نہ کرنے لگیں ورنہ تمام زندگی خدا کے ہاں رائیگاں شمار ہوگی۔

## حضرت کی ولادت اور قبل نبوت کا دور

قبل اس کے کہ محسن انسانیت جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے درود و ولادت کا ذکر چھڑے، یہ شعور بھی ضروری ہے کہ آپ کی تشریف آوری کن حالات میں ہوئی۔ دنیا میں کتنے حکمران اور فاتحین، فلسفہ طراز اور دانائے راز، واعظان شیریں مقال اور خطیبان آتش نوا، کتنے ہی بانیانِ مہربان اور معلمینِ اخلاق، مصلحین اور مقنن پیدا ہوئے۔ لیڈر اٹھے جنہوں نے جماعتیں اور پارٹیاں بنائیں۔ طوفانی شخصیتیں ابھریں جنہوں نے طرح طرح کے انقلاب برپا کیے۔ ہر ایک اس دعوے کے ساتھ آیا کہ وہ زندگی کی ساری گتھیاں سلجھا دے گا۔ ہر کسی کو زعم رہا کہ وہ انسانیت کو امن و خوشحالی اور خیر و فلاح کی دولت سے مالا مال کر دے گا، مگر ان ساری کوششوں کو ہم سرسری اور سطحی، وقتی اور جزئی حد تک اثر انداز ہوتا دیکھتے ہیں۔ پھر ان کوششوں سے کوئی خیر نمودار ہوئی تو اس کے ساتھ ٹھنڈے ہی سر اُبھارا، کچھ نیکیاں آئیں تو کچھ برائیوں نے بھی پیش قدمی کی، ہم جدھر بھی دیکھتے ہیں تاریخ میں حق و باطل، صدق و کذب، عدل اور ظلم اور حلال و حرام کے مرکبات پائے جاتے ہیں۔ ہاں ایک انبیائے مرسلین کی صف ایسی ہے جن کا

جب بھی اٹھا، صرف سچائی اور نیکی، اور پوری سچائی اور نیکی کو لے کر اٹھا۔ اور یہ خصوصیت بھی صرف انبیا ہی کی ہے کہ جس نے ان کی دعوت قبول کی اس کے اندرون سے تبدیلی رونما ہوئی، پھر اس کی ذات کے ساتھ ساتھ، اس کے گھر کی فضا، اس کے کاروبار کا راستہ، اس کے آمد و خرچ کا نقشہ، مختلف لوگوں کے ساتھ اس کے رویے، سب کچھ بدل گیا۔

حضور پاکؐ نے جس دور میں زمین پر پہلی سانس لی، اُس وقت پوری انسانیت تاریکیوں میں ڈوبی ہوئی تھی، کہیں دور وحشت طاری تھا، کہیں شرک و بت پرستی کی لعنت مسلط تھی، کہیں جنگ و جدل کا سلسلہ چل رہا تھا۔ مصر، ہندوستان، بابل اور نینوا اور چین اور یونان میں جیسی کچھ تہذیب تھی وہ اپنی تمام شمعیں گل کر چکی تھی۔ کثیف و شش اور بانی کی تعلیم دم بخود تھی۔ ویدائیت اور بدھ مت کے تصورات سر بگریاں تھے۔ جٹین کا قابض اور سولن کا قانون بے بس تھا۔ رومی اور ایرانی تمدنوں کی ظاہری چمک دمک کے باوجود بادشاہ خدائے ہوئے تھے۔ جاگیر دار طباقوں اور مذہبی عناصر کی ملی بھگت قائم تھی۔ عوام سے بھاری ٹیکس اور رشوتیں اور خراج اور نذرانے وصول کیے جاتے تھے۔ ان سے جا تو روں کی طرح بیگاریں لی جاتی تھیں۔ دونوں سلطنتوں کی آپس کی جنگوں میں کبھی ادھر کے لوگ پستے تھے، کبھی اُدھر کے لوگ کھلے جاتے تھے۔ ان کی کوئی آواز نہ تھی۔ وہ ظلم کے خلاف احتجاج نہیں کر سکتے تھے۔ ان کے مسائل کا کوئی حل نہ تھا۔ ان کی رو میں چینی تھیں، مگر پکار کا کوئی جواب کسی طرف سے نہ ملتا تھا۔

خود عرب ہیں، اور ثمود کے اودار ہیں اور سبا اور عدن اور یمن کی سلطنتوں کے سائے میں کبھی تہذیب نے انگریزی لی تھی، مگر اب ان تباہ شدہ قوموں کے آثار پر سناتا طاری تھا۔ بقیہ عرب میں تمدن کی صبح ابھی تک ظہور پذیر نہیں ہوئی تھی۔ ہر طرف انتشار تھا۔ جنگ و جدل اور لوٹ مار کا دور دورہ تھا۔ شراب اور زنا اور بونے سے ترتیب پانے والی جاہلی ثقافت زور پر تھی۔ قریش نے بت پرستانہ مذہبیت کے ساتھ کعبے

کا کاروبار چلا کر کھانا بنانا یہ دور نے کتاب اللہ میں مسخ و تحریف کر کے کلامی اور  
فقہی مویشی کتبوں کی دکانیں چلا رکھی تھیں مگر اور مخالف کے مہاجروں نے سود کے  
جہاں پھیلار کئے تھے۔

یہ تھے بحرانی حالات جن کی طبق بر طبق تاریکیوں کے مقابلے میں قائد انسانیت محمد  
صلی اللہ علیہ وسلم کیہ و تنہا بہت بڑی تبدیلی کا پیغام لے کر آئے تھے۔ آپ کی پیدائش مکہ کے  
مقام پر ہوئی جو حضرت ابراہیمؑ کا قائم کردہ مرکز توحید تھا اور جہاں سے ایک بار پھر حضرت  
ابراہیمؑ کی دنیا کے مطابق دین ابراہیمؑ کا ابھار، خدا کے آخری نبی کی محنتوں سے ہونے  
والا تھا۔

واقعہ ذیل کے پچاس پچپن دن بعد ماہ ربیع الاول ۲۱ھ قبل ہجرت میں نوع  
انسانی کے نجات دہندہ جناب محمد مصطفیٰؐ کی ولادت ہوئی۔ تاریخ میں مختلف کیلنڈروں  
اور ان کے ادل بدل کی وجہ سے اختلاف ہوا ہے۔ کتابوں میں دو تاریخوں پر زیادہ زور  
ہے۔ ایک ۹ ربیع الاول بروز سوم وار، دوسرا ۱۲ ربیع الاول۔ عیسوی کیلنڈر کے لحاظ  
سے ۲۰ تا ۲۲ اپریل ۱۷ھ کا زمانہ قرار پاتا ہے۔ حضورؐ کا ظہور ان کے والد مکرم حضرت  
عبداللہ کے گھر اور والدہ محترمہ سیدہ آمنہ کی آغوش میں ہوا۔ آپ کی ولادت ہونے پر  
سارا گھر نور سے بھر گیا۔ حضورؐ کے دادا جناب عبدالمطلب آپ کو اٹھا کر خانہ کعبہ میں لے  
گئے۔ اور آپ کے لیے وہاں دعائیں کرتے رہے۔ دادا نے اپنے ایک خواب بشارت  
کی روشنی میں محمدؐ نام رکھا۔ فرمایا "میں چاہتا ہوں کہ میرا پوتا تعریف و توصیف حاصل کرے یا  
حضورؐ کی والدہ محترمہ نے آپ کا نام ایک رویائے صادقہ کی بنا پر احمد رکھا۔ پس یہ دونوں  
نام حضورؐ کے ذاتی نام ہیں۔ دادا نے ساتویں دن قربانی دی اور تمام قریش کی ضیافت کی۔  
آپ کے والد مکرم حضرت عبداللہ آپ کی ولادت سے پہلے ہی وفات پا چکے  
تھے حضورؐ بچا لیتے ہی پیدا ہوئے۔ حضرت عبداللہ کا قصہ یوں ہوا کہ آپ سیدہ آمنہ  
کے ہاتھ نکاح ہونے کے بعد رواج کے مطابق سسرال تشریف لے گئے۔ وہاں  
سے تھوڑے عرصے کے لیے شام چلے گئے۔ واپسی پر مدینہ میں قیام کیا تاکہ کھجوروں کا سودا کریں۔



یہیں آپ بیمار ہو گئے۔ حضرت عبدالمطلب کو جو نبی اطلاق ملی، فوراً اپنے بڑے بیٹے کو ساتھ لے کر روانہ ہو گئے۔ مدینہ پہنچ کر معلوم ہوا کہ جناب عبداللہ ایک ماہ بیمار رہ کر انتقال کر گئے ہیں اور نابغہ کے مکان میں دفن ہیں۔

ولادت کے بعد تین چار ماہ تک حضورؐ کی والدہ محترمہ نے آپ کو دودھ پلایا۔ پھر آپ کے چچا ابولہب کی آزاد کردہ کنیز ثویبہ کے دودھ پر پرورش ہوئی۔ رواج یہ تھا کہ مکہ کے اشراف اپنے بچوں کو رضاعت کے لیے دیہاتی علاقوں میں بھیج دیتے تھے تاکہ کھلی آب و ہوا میں پرورش پائیں۔ ثویبہ بنو سعد کی عورتیں سال میں دو دفعہ شیر خوار بچے لینے کے لیے مکہ آیا کرتی تھیں۔ اب کی جو گروہ آیا اس میں جناب حلیمہ سعودیہ بھی تھیں۔ تمام عورتوں نے اچھے کھانے پیتے گھرانوں کے بچے حاصل کر لیے تاکہ زیادہ انعام حاصل کر سکیں۔ حضورؐ پاک چونکہ یتیم تھے، اس لیے کسی عورت نے اس گھر کی طرف توجہ نہ کی۔ اتفاق کی بات ہے کہ حلیمہ سعودیہ کو کوئی بچہ نہ مل سکا اور خالی ہاتھ جانا بھی اس کے لیے رنجیدہ تھا؛ چنانچہ وہ مکہ کے اسی یتیم بچے کی طرف مائل ہوئیں۔

نوائین بنو سعد کا قافلہ جب مکہ سے روانہ ہوا تو تمام لوگ حیران رہ گئے کہ حلیمہ کی مرہل سی سواری جو مکہ آتی ہوئے چل کے نہ دیتی تھی اب اپنی برق رفتاری کی وجہ سے سب سے آگے آگے تھی۔ گھر پہنچنے کے بعد خلد ہی یہ حیرت ناک تجربہ پیش آیا کہ دہلی سی اونٹنی اور بکریوں کے دودھ میں اضافہ ہو گیا اور خود حلیمہ سعودیہ کا دودھ بھی اتنا بڑھا کہ اس کے اپنے بچے اور نبی پاک دونوں کی کفایت کرنا۔ گھر میں خوشحالی، برکت اور طمانیت کی نشا نمودار ہو گئی۔

حسب دستور دو سال بعد حلیمہ حضورؐ کو واپس سیدہ آمنہ کے پاس لائیں، مگر بچے کو جہاں کرنا انہیں دل سے پسند نہ تھا۔ اتفاق سے مکہ میں وبا پھیلی ہوئی تھی۔ اس مصلحت سے سیدہ آمنہ نے بچے کو واپس بجا دیا۔ چودہ سال کی عمر میں حضورؐ اپنی والدہ کے پاس لائے گئے۔ آپ کی صحت بہت اچھی تھی، اخلاقی اگلاں خوب تھی، آپ

کی زبان میں فصاحت و بلاغت کا رنگ جھلک رہا تھا۔

کچھ ہی عرصہ بعد حضورؐ کو والدہ مکرمہ مدینہ میں خاندان بنو ہاشم کے پاس لے گئیں جو حضورؐ کے داد عبدالمطلب کے ننھیال تھے۔ سیدہ آمنہ کا مقصد شریعت خاندان کی قبر کی زیارت کرنا تھا۔ ایک ماہ تک مدینہ میں قیام رہا۔ واپس مکہ آتے ہوئے جب آپؐ منام ابواہتک پہنچیں تو آپؐ کی بہت حیات ختم ہو گئی۔ وہیں تدفین ہوئی۔ ام ایمن حضورؐ کو لے کر مکہ آئیں۔ اب حضورؐ کی کفالت کی پوری ذمہ داری حضرت عبدالمطلب نے اپنے سر لی، مگر مشیت الہی یوں تھی کہ دو ہی سال بعد جناب عبدالمطلب نے بھی انتقال فرمایا۔ حکمت باری تعالیٰ آپؐ کو پے درپے صدموں سے گزار کر اور نبوی سہاروں سے محروم کر کے اپنے کٹھن کام کے لیے تیار کر رہی تھی۔ جناب عبدالمطلب نے مرتے وقت اپنے بہت ہی چہیتے پوتے کو جناب ابوطالب کے سپرد کر دیا اور جناب ابوطالب نے کفالت کا حق ادا کر دکھایا۔

جوانی کے دائرے میں قدم رکھنے تک یہ انوکھا بچہ عام بچوں کی طرح کھلڈڑا اور شریک بن کر سامنے نہیں آتا، بلکہ بوڑھے داناؤں کی سی سنجیدگی سے آراستہ نظر آتا ہے، جو ان ہوتا ہے تو انتہائی فاسد ماحول میں پلنے کے باوجود اس کی جوانی بے داغ اور اس کی نگاہ بے آلائش رہتی ہے۔ معاشرے اور نظر بازی اور بدکاری جہاں نوجوانوں کے لیے سراپا اختیار بنے ہوئے تھے وہاں وہ اپنے دامن خیال تک کو میلا نہیں ہونے دیتا۔ جہاں گلی گلی شراب کشید کرنے کی بھٹیاں لگی تھیں اور گھر گھر شراب خانے کھلے تھے اور جہاں اپنی بلا نوشیوں کے چرچے فخریہ تھیدوں میں کیے جاتے تھے، وہاں یہ نوجوان قسم کھانے کو بھی شراب کا ایک قطرہ تک کبھی اپنی زبان پر نہیں لیتا۔ جہاں تمنا تو سی مستعد بنا چلا آ رہا تھا وہاں اس مجسمہ پاکیزگی نے کبھی مہروں کو ہاتھ سے چھوئے تاک نہیں۔ جہاں داستان گوئی اور موبہبتی کلچر کا لازمہ بنے ہوئے تھے وہاں یہ ہستی ہر قسم کے لہو و لعب سے کنارہ کش رہی۔ درمزیہ ایسے مواقع پیدا ہوئے بھی کہ یہ نوجوان زندانہ تشریحات کی مجالس میں جا پہنچا، لیکن جانتے ہی ایسی نیند طاری ہوئی کہ سمع و بصر

کا دامن پاک رہا۔ جہاں بتوں کی خدائی چل رہی تھی وہاں اس پاکیزہ مزاج ہستی نے غیر اللہ کے سامنے کبھی سر نہ جھکایا۔ ایک مرتبہ بتوں کے چڑھاو سے کا جانور لپکا کر لایا گیا تو اس نے کھانے سے انکار کر دیا۔ جہاں اولادِ ابراہیم تے کعبہ کا طوافِ حالتِ عربانی میں کرنے کی بدعت پیدا کر لی تھی وہاں اس جیادار نوجوان نے کبھی اپنے آپ کو لباس سے آزاد نہیں کیا۔ جہاں جنگ اور قتل روزمرہ کا کھیل تھے وہاں احترامِ انسانیت کے اس علمبردار کے دامن پر خون کی ایک چھینٹ بھی نہ پڑی۔ حریبِ فجار میں شرکت کی، مگر کسی انسانی جان پر خود ہاتھ نہیں اٹھایا۔ اس پاک باز و عقیف نوجوان کی حقیقی دلچسپی کا آئینہ دار یہ واقعہ ہے کہ عنقوانِ شباب میں وہ اپنی خدمات ہم نیاں نوجوانوں کی ایک اصلاح پسند انجمن کے حوالے کرتا ہے جو حلفِ الفضول کے نام سے عربوں اور مظالموں کی مدد اور ظالموں کی چہرہ دستیوں کے استیصال کے لیے قائم ہوئی تھی۔ اس مقصد کے لیے شرفانے حلیفہ عہد باندھا۔

دو درجہ موت میں کئی سال بعد اس کی یاد تازہ کرتے ہوئے حضور نے فرمایا کہ ”اس معاہدے کے معاملے میں اگر مجھ کو سُرخ رنگ کے اُونٹ بھی دیے جاتے تو میں اس سے رد گردانی نہ کرتا“ — نیز — ”آج بھی ایسے معاہدے کے لیے اگر کوئی بلائے تو میں حاضر ہوں“

اس نوجوان کی قائدانہ صلاحیتوں کا اندازہ اس واقعہ سے کیجیے کہ کعبہ کی تجدید تعمیر کے موقع پر حجرِ اسود نصب کرنے کے معاملے میں جھگڑا ہو گیا، کیونکہ ہر قبیلہ یہ چاہتا تھا کہ اس پتھر کو اٹھا کر وہی نصب کرے۔ بات اتنی بڑھ گئی کہ تلواریں میانوں سے نکل آئیں۔ تقدیر کے اشارے سے اس قضیے کو چکانے کا شرف اسی نوجوان کے حصے میں آتا ہے۔ انتہائی جذباتی فضا میں سب کے اعتماد سے وہ حج بن کر فیصلہ کرتا ہے اور ایک چادر بچھا کر پتھر کو اس کے درمیان میں رکھ کر تمام قبیلوں کے افراد کو دعوت دیتا ہے کہ سب مل کر اس چادر کو اٹھائیں۔ چادر جب موقع تک پہنچ جاتی ہے تو وہ پیارے نوجوان حجرِ اسود کو اٹھا کر اس کی جگہ پر نصب کر دیتا ہے۔ جھگڑا ختم، اور تمام چہروں

پر خوشی اور اطمینان!

کعبہ کے متولیوں اور مجاوروں کے درمیان پرورش پانے والا یہ نوجوان چڑھاؤں اور نذرانوں سے پیٹ پالنے کی راہ نہیں نکالتا بلکہ تجارت جیسا پاکیزہ اور معزز مشغلہ اختیار کرتا ہے۔ سرمایہ اپنے پاس نہیں ہے تو دوسروں کے سرمائے سے تجارت کرتا ہے اور دو مرتبہ سفر کر کے شام تک جاتا ہے۔ سائب، قیس بن سائب مخزومی اور حضرت خدیجہؓ اور دوسرے لوگوں کو ایک نوجوان کی کاروباری دیانت کا جب تجربہ ہوا تو سب تاجراہلین کا لقب دیا۔ خصوصاً حضرت خدیجہؓ کو تو آپؐ کی طرف سے دیانت کے ساتھ ساتھ برکت کو دیکھنے کا موقع ملا تو مکہ کی اس دولت مند نیک خاتون کے دل میں کشش بڑھ گئی۔ پھر یہ نوجوان رفیقہ حیات کا جب انتخاب کرتا ہے تو مکہ کی نو عمر، شوخ و شنگ لڑکیوں کو ایک ذرا سا خراجِ نگاہ دیے بغیر زیادہ عمر کی ایک بیوہ خاتون حضرت خدیجہؓ کو پسند کرتا ہے۔ پسند کا معیار یہ ہے کہ وہ خاندانی شرف اور ذاتی سیرت و کردار کے لحاظ سے نہایت اشرف خاتون ہیں۔ ان کا لقب طاہرہ تھا۔ یہ انتخاب گواہی دیتا ہے کہ اس نوجوان میں ہوساکی کا شائبہ تک نہ تھا۔

پھر یہ یکتائے زمانہ نوجوان گھر بار کی دیکھ بچال، تجارت و دنیوی معاملات کی گوناگوں مصروفیات سے فارغ ہو کر جب کبھی کوئی فرصت کا وقت نکالتا ہے تو اسے تفریحات و تعیشات میں صرف نہیں کرتا، کوچہ گردی اور گپ شپ میں کوئی لمحہ نہیں گناتا، بلکہ سارے جھمیلوں سے الگ ہو کر غارِ حرا کی خلوتوں میں خدائے واحد کی عبادت کرتا ہے، کائنات کی حقیقتوں اور انسانی زندگی کے صلاح و فساد پر غور کرتا ہے اور اپنی قوم اور انسانیت کو قصرِ مذلت سے نکلنے کی تدبیریں سوچتا ہے۔ روایات بتاتی ہیں کہ حضورؐ کئی کئی روز کے لیے ستوا اور پانی لے کر غار میں جا بیٹھتے اور ذکر اور فکر میں محو رہتے۔ ہم گزرتوں اور پونے دو گز عرض کا یہ غار مکہ سے تقریباً ۳ میل کے فاصلے پر آج بھی موجود ہے۔

## صبح نبوت کا طلوع

ایک دن ایسا ہوا کہ آپ غار حرا میں مصروفِ عبادت تھے، ربیع الاول کا مہینہ تھا اور اس کی ۹ تاریخ۔ یکایک ایک فرشتہ نمودار ہوا۔ یہ حضرت جبریلؑ تھے۔ جبریلؑ نے حضورؐ کو مخاطب کر کے کہا ”محمد! بشارت قبول فرمائیے، آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبریلؑ ہوں۔ یہ پہلا تعارف تھا۔

وحی کی باقاعدہ آمد اور نزولِ قرآن کا آغاز ۴ ماہ بعد ہوا۔ اُس دن جبریلؑ نے پاس آکر کہا ”پڑھو“ (اقراء) آپ نے فرمایا، میں پڑھنا نہیں جانتا۔ اس پر حضرت جبریلؑ نے آپ کو ساتھ لگا کر زور سے بھیچا، پھر کہا کہ ”پڑھو“ آپ نے پھر وہی جواب دیا۔ جبریلؑ نے پھر بھیچا۔ حضورؐ فرماتے ہیں کہ میری قوت برداشت جواب دینے لگی، عرض تیسری مرتبہ جبریلؑ نے سورہٴ علق کا ابتدائی حصہ پڑھا، حضورؐ ساتھ ساتھ پڑھتے گئے۔

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اقْرَأْ وَرَبُّكَ  
الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۚ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ (علق - اتاہ)

توجہ: اپنے رب کے نام سے پڑھ جس نے (سب کچھ) پیدا کیا۔ اذمان کی جسم ہوئے تو بن

سے تخلیق کی۔ پڑھ، اور تیرا رب بڑا ذی شان ہے، جس نے قلم کے ذریعے (علم)

سکھایا، اور انسان کو وہ کچھ سکھایا جسے وہ نہیں جانتا تھا۔

یوں صبح نبوت نمودار ہوئی۔ سورہ علق کی یہ آیات نورِ وحی کی پہلی کہیں تھیں

اُس دن حضورؐ کی عمر ۴۰ سال ۶ ماہ ۱۰ دن تھی اور رمضان سلسلہ میلاد می کی ۱۸ ویں

تاریخ!

قائدِ انسانیت، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں روایات بتاتی ہیں کہ

فریضہ نبوت تفویض ہونے سے سات برس پہلے ہی سے آپ کو پتہ خواب آنے لگے۔

جو کچھ خواب میں دیکھتے بعینہ درہی کچھ عالمِ واقعہ میں پیش آجاتا، کبھی ایک روشنی نکالوں

کے، اسٹ نمودار ہوتی، کبھی راستہ چلتے چلتے کسی درخت سے ام پکار کر السلام علیکم

کننے کی آواز آتی۔ یہ سب کچھ اس لیے تھا کہ آپ کو اُنے والے آسمان سے باتوں کا چلنے۔

اس کے باوجود جبریل کے سامنے آنے اور نبوت کی ذمہ داری خدا کی طرف

سے سوچنے اور ساتھ لگا کر حضورؐ کو بھیجنے کے واقعات سے آپ پر ایک عجیب

کیفیت طاری ہوئی۔ فوراً غارترا سے گھر تشریف لائے، آپ پر گویا جلالِ الہی کا پرتو

پڑ رہا تھا۔ آتے ہی حضرت خدیجہ طاہرہؓ سے فرمایا کہ مجھے کچھ اور صاف و طبیعت کا

انتظار اب جب کچھ کم ہوا تو اپنی نیکیا نہاد رفیقہؓ سے کہتا کہ بتایا کہ میں ایسے واقعات

سے دوچار ہو رہا ہوں کہ مجھے اپنی جان کا اندیشہ ہے، آخر یہ مجھے کیا ہو گیا ہے۔ حضرت

خدیجہؓ نے تسلی دئی کہ آپ کو ٹی ڈر محسوس نہ کریں، مجھے معلوم ہے کہ آپ مسیبت زدوں

کے ہر درد اے کیوں کے دستگیر ہیں، اترتا سے شفقت کا سلوک کرتے ہیں، ہمیشہ سچ

بولتے ہیں، مہمان نوازی فرماتے ہیں، بیواؤں اور یتیموں پر رحم کرتے ہیں، خدا آپ کو

کبھی مبتلائے اندہ نہیں کرے گا۔

لیکن خود حضرت خدیجہؓ بھی صورتِ واقعہ کی تفصیل معلوم ہونے سے دل ہی دل

میں متفکر ہو گئیں اور اپنے اطمینان کے لیے آپ کو ساتھ لے کر اپنے چہرے بھائی درقہ

بن نونل کے پاس پہنچیں۔ حضرت خدیجہؓ نے بات چھپڑی اور حضورؐ نے اپنی پوری سرگشت

۱۲۷۵۹۵

بیان کر دی۔ ورتہ بن نوفل نے عیسائیت قبول کر لی تھی۔ وہ عالم تھا اور پچھلے مذہبی نوشتوں کا مطالعہ کرتا تھا۔ بات سنتے ہی اُس نے کہا: یہ وہی ناموسِ اکبر ہے جو موسیٰؑ پر اترا تھا۔ کاش میں جوان ہوتا اور اس وقت تک زندہ رہتا جو یہ آپ کی قوم آپ کو یہاں سے نکال دے گی“

یہ سن کر حضور نے ورتہ بن نوفل سے پوچھا: ”کیا قوم مجھے نکال دے گی؟“ ورتہ نے جواب دیا: ”ہاں اس دنیا میں جس کسی نے ایسی تعلیم پیش کی اور بھٹکنے والوں کو راہِ راست پر لانا چاہا، اس کی مخالفت ہوتی رہی ہے۔ کاش آپ کی ہجرت تک میں زندہ رہوں اور آپ کی کوئی خدمت کر سکوں“

آغازِ نزولِ قرآن کے ساتھ ہی جبریلؑ امین نے حضورؐ کو وضو کر کے نماز پڑھنا سکھایا۔ پہلے جبریلؑ نے وضو کر کے دکھایا، پھر نبی اکرمؐ نے اسی طریق سے وضو کیا۔ حضرت جبریلؑ نے دو رکعت نماز پڑھائی اور حضورؐ نے اقتدا کی۔ اس موقع پر صرف دو رکعت فجر کی اور دو رکعت عصر کی نمازوں کو فرض کیا گیا۔ گویا نمازِ اولیں علامتِ اسلام اور اولیں فریضہ اسلام قرار پائی۔

پیغمبرِ برحقؐ گھر تشریف لائے تو سب پہلے اسلام کی دعوت حضرت خدیجہ طاہرہؓ کو دی۔ انھوں نے اسلام قبول کیا، اور اس سعادت میں اُن کا پہلا نمبر ہے۔ جمعہ کے روز حضورؐ کے ساتھ حضرت خدیجہؓ نے پہلی نماز ادا کی۔ بعثت کے دوسرے دن حضرت علیؓ دس سال کی عمر میں اسلام لائے۔ پھر حضورؐ نے اپنے بچپن کے دوست حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دعوت دی۔ بالغ مردوں میں سے حضرت صدیقؓ کو پہلا تیار حاصل ہے کہ دوسروں نے تو کچھ نہ کچھ تامل کیا، مگر حضرت صدیقؓ نے کسی تامل کے بغیر فوراً سر تسلیم خم کر لیا۔ اُن کے ساتھ ہی حضورؐ کے غلام زید بن حارثہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ گویا عورتوں میں سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ، آزاد بالغ مردوں میں سے حضرت ابوبکر صدیقؓ، لڑکوں میں سے حضرت علیؓ اور غلاموں میں سے زید بن حارثہ نے اولیت کا مقام حاصل کیا۔

یہ بھی حضورؐ کی صداقت اور اسلام کی حقانیت کی ایک دلیل ہے کہ آپؐ کی دعوت کو سب سے پہلے قریب سے جاننے والے چار نفوس نے قبول کیا۔ اگر کسی شخص میں یا اس کے پیغام میں کھوٹ میل ہوتا ہے، یا جہاں محض سوانگ رچایا جا رہا ہوتا ہے۔ وہاں گھر کے لوگ اور قریب سے دیکھنے والے افراد سب کچھ سمجھنے کی وجہ سے اول تو ساتھ دیتے ہی نہیں، اور اگر ظاہر آدیں بھی تو وہ سنجیدہ نہیں ہوتے، اگے پیچھے مذاق اڑاتے رہتے ہیں۔

جماعت محمدی یا قرآنی اصطلاح میں حزب اللہ باجدید اصطلاح میں تحریک غلبہ دین حق کو جن مبارک ہستیوں نے اپنی پوری خدمات پیش کر دیں، ان میں ایک شخصیت ایسی بھی تھی جس کی مالی حیثیت مضبوط تھی، مکے میں کپڑے کا کاروبار تھا، زمانہ جاہلیت ہی سے اپنی اصابت رائے، اپنی پاکیزگی کردار اور صدق و دیانت کی وجہ سے عرب کی اس مرکزی بستی میں وقار حاصل تھا۔ یہ تھے جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مال اور جن کی دانائی اور جن کے اثر و رسوخ سے تحریک غلبہ اسلام کو بہت فائدہ پہنچا۔ نیز حضورؐ کے ان دیرینہ دوست کی ذاتی تبلیغ سے حضرت عثمان بن عفان، حضرت زبیرؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت طلحہؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاص مسلمان ہوئے۔

پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی خاموش دعوت نیک دل اور سلیم الطبع افراد کو چھانٹ چھانٹ کر اس طرح کھینچ رہی تھی جس طرح مقناطیس آہنی ذرات کو اپنے ساتھ چمٹا لیتا ہے۔ عمار آئے، جناب ابن اللات آئے، ابو عبیدہ آئے، سعد بن زید آئے، عبیدہ اور جعفر بن ابی طالب آئے، عبداللہ بن مسعود اور ابوسلمہ آئے، عثمان بن مظعون اور صہیب رومی آئے (رضوان اللہ علیہم اجمعین)، یہاں تک کہ حضرت ارقمؓ نے بھی دعوت حق کی روشنی کے لیے سینہ کھول دیا۔ یہ وہ مبارک ہستی ہے جس کا گھر خفیہ دعوت کے دور میں قائد انسانیت اور آپؐ کے رفیقوں کا مرکز تھا۔

ادھر خواتین میں حضرت خدیجہؓ کے بعد حضورؐ کے چچا حضرت عباسؓ کی اہلیہ محترمہ لبابہ بنت الحارث، حضرت اسماء بنت ابی بکر اور حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہ بنت خطاب نے اسلام کی بانگاہ میں سر جھکا دیا۔



پہلے مرحلے میں دعوتِ محمدی کو قبول کرنے والے مرد و عورتوں کو السابقون الاولون کہتے ہیں۔ یہ وہ ہستیاں تھیں جن کے سامنے دعوت کی کامیابی کے شواہد موجود نہ تھے، جنہیں کسی مفاد کے حصول کی توقع نہ تھی بلکہ الٹا وہ مشکلات و مضائب کے دور کو سامنے دیکھ رہے تھے۔ ان سابقون الاولون نے دعوتِ حق کو محض حق ہونے کی بنا پر قبول کیا اور نبی صادق و مصدوق کو محض ان کے پُرِ خلوص کر دار اور کلامِ وحی کے انداز سے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا۔ وہ مبارک ہستیاں تھیں جنہوں نے بے جا رد و کد کی، نہ لمبی چوڑی بحثیں اٹھائیں، نہ کسی ذہنی کشمکش میں مبتلا ہوئے، بلکہ یہ دورِ جاہلیت کی تاریکیوں میں اپنے اپنے درجے میں روشن کر دار رکھتے تھے، یہ جاہلیت کے گندے جامد ماحول کے قفس کو توڑ کر نکلنے کے لیے اپنے اندر نامعلوم جذبات کی بجلیاں چھپائے ہوئے تھے۔ ان حضراتِ دُخواتین کھجوں ہی ایک ایسی آواز سنائی دی جسے سن کر اُنہوں نے محسوس کیا کہ گویا یہ بھی ہمارے دلوں میں ہے، اور ساتھ ہی پکارنے والے پر نگاہ ڈالی اور اسے صادق و امین پایا تو فوراً لبیک کہا!

کسی معاشرے میں سچائی اور نیکی اور اصلاح و تعمیر کی آواز پر جو لوگ اولاً لبیک کہتے ہیں وہی معاشرے کا جوہر ہوتے ہیں۔ خود یہ بات نبوتِ محمدیہ کی حقانیت کی ایک شہادت ہے کہ سب سے پہلے اثر لینے والی ہستیاں ذہنی اور اخلاقی لحاظ سے عام سطح سے بلند تر تھیں۔

ہر دور میں ہر درجہ و سطح پر اور ہر کام کے لیے سابقون الاولون ہوتے ہیں اور دینِ برحق کی علمبرداری کے لیے جو لوگ پہلی صف میں جگہ پالیتے ہیں، ان کو آخرت میں بھی سب سے اگے جگہ ملتی ہے، جیسے کہ قرآن میں کہا گیا ہے کہ السابقون الاولون اُردو میں یوں کہیں گے کہ اگے والوں کی کیا بات ہے، وہ تو ہیں ہی اگے والے!

سورۃ علق کے ایک عرصہ بعد المذشر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں جن میں چھوٹے چھوٹے جملوں میں مختصراً جامع احکام دے گئے مَثَلًا قَدْ فَانَدِرَا مَثْوً، اور ڈراؤ یعنی لوگوں کو گمراہی کے بُرے انجام سے ڈراؤ۔ وَثِيَابِكْ فَطَهِّرْ۔ اپنا لباس پاک صاف رکھو۔

یعنی خدا پر ایمان لا کر اس کی بندگی اور اس کے دین کی اشاعت کرنے والا، کو نریب نہیں دیتا کہ وہ راہبوں کی طرح گندگی میں پڑے رہیں وَالسُّجُزَٰفَاھَجْرَۃً مِّنْ سَعۡیِہِمْ کُنۡتَ اِخۡتِیَارَ کَرۡہِہٖمْ وَلَا تَمۡنُنۡ تَسۡتَکۡثِرُہٗ زَیَادَہٗ نَاۡمِرَہٗ اَمۡحَاۡتَہٗ کِی نِیۡتَ سَعۡیِہِمْ سَہۡمَہٗ لَہِمْ وَ لَیۡرِیۡتَکَ فَاۡصِیۡرُہٗ۔ اپنے رب کی خاطر یعنی اس کے دین کو غالب کرنے کی جدوجہد میں صبر اختیار کرو۔ صبر اس معنی میں کہ جو بھی تکلیف اور نقصان اس راہ میں پیش آئے اسے جو علیے سے برداشت کرو اور صبر اس معنی میں بھی کہ دین برحق کے اصولوں پر اس کے مقاصد پر اور اس کے خلاف ترغیب و ترہیب کے باوجود ڈٹے رہو۔ دین حق کے نقشے میں مصلحت کے تحت تبدیلیاں نہ پیدا کرو۔

مکہ کے ابتدائی دور میں قرآن کا جو محور اساحسنہ نازل ہوا، اس میں جہاں ایک خوبی یہ تھی کہ مزید ادب، شاعری اور خطاب کے تمام معیارات کو اس نے چھپے چھپوٹے دیا۔ وہاں دوسری کششیں داربات یہ تھی کہ قرآن کی پختہ جاہلیت کی بے تکی اور بھونڈی زندگی کے طویل، جامد و در سے اکتائی ہوئی طبیعتوں کے سامنے سوچنے اور عمل کرنے کی نئی راہیں کھول رہی تھی؛ پھر خدا کی وحدانیت اور اس کے حقوق اور صفات پر قرآنی آیات میں جو پر زور استدلال موجود تھا اور اس کے ساتھ ایک غیر محسوس سی وجدانی اپیل شامل تھی، وہ کسی بھی سامع کو ایک بار پوری طرح متوجہ کر لیتی تھی۔ مزید یہ کہ قرآن نے آخرت فراموش مخاطبوں کے سامنے زندگی بعد موت کا نقشہ نہایت مؤثر انداز میں اس طرح کھینچا اور جزا و سزا کے ایسے مناظر ذہنوں کے سامنے آجا کر کہ دیے کہ سلیم الطبع انسانوں کے دل ہل جاتے تھے۔

دعوت دینے والی بے داغ شخصیت حضور کی، اور پیرایہ بیان قرآن کا۔ فضا میں سناٹا آخر کس طرح رہ سکتا تھا! جو لوگ اس آسمانی پیغام کو سن لیتے۔ ان کے دلوں میں مدد جبر پیدا ہو جاتا، انکے خیالات کی دنیا اٹھل پھل ہو جاتی، وہ ذہنی کشمکش سے دوچار ہو جاتے، اور پھر اس وقت تک نہ آتا جب تک حضور کے ہاتھ پر بیعت اسلام نہ کر لیتے۔ اس دور میں سارا زور انسانوں کے بنیادی طرز فکر کو بدلنے اور زندگیوں کی بنیاد

نئے عقائد کو بنانے پر تھا۔ نیا تصورِ کائنات۔ نیا تصورِ حیات۔ نیا تصورِ انسان۔ نیا تصورِ اخلاق۔ اور۔ نیا تصورِ تمدن!!

خفیہ دعوت کے اس دور میں صرف قابلِ اعتماد سلیم الفطرت افراد سے رابطہ پیدا کیا جاتا۔ جو لوگ حضور کے پیغام کو قبول کر کے جماعتِ محمدیہ میں داخل ہو جاتے وہ آنحضرت کے ساتھ کسی پہاڑ کی گھاٹی میں جا کر اخفا سے نماز ادا کرتے۔ اتفاق سے ایک بار جناب ابوطالب کا ادھر سے گزر ہوا اور انھوں نے نماز کا منظر دیکھ لیا۔ نماز کے بعد بھتیجے سے پوچھا "یہ کون سا دین ہے؟" حضور نے فرمایا! یہ ہمارے دادا ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے۔ ابوطالب بولے! خیر میں اسے اختیار تو نہیں کر سکتا، لیکن تم کو اجازت ہے۔ کوئی شخص تمہاری مزاحمت نہ کر سکے گا۔

پھر ایک دن ایسا ہوا کہ حضور اور آپ کے رفقا کو کچھ مشرکین نے گھاٹی میں نماز ادا کرتے دیکھ لیا۔ پہلے حیران ہوئے، پھر برا بھی کہا، پھبتیاں کسنے لگے، کوئی جواب نہ ملا تو لڑنے پر اتر آئے۔ اس دنگے میں ایک مشرک کی تلوار سے سعد بن ابی وقاص زخمی ہو گئے اور خون بہنے لگا۔ یہ خون کی پہلی دھار تھی جس نے محمدی انقلاب کی راہ میں زمین کو رنگین کیا۔ غنیمت ہو کہ حضور اور جملہ رفقا کی جانیں مشرکین کے جنونی ردِ عمل کی زد سے بچ گئیں۔

## علائیہ دعوتِ اسلام کا آغاز اور ردِ عمل

خفیہ دورِ دعوت میں بھی اگرچہ محمدی تحریکِ انقلاب کی سُن گُنِ مشرکین کو تھی کیونکہ  
 وایک واقعات نے اس کا کچھ چرچا پھیلا دیا تھا، مگر وہ یہ سمجھ کر دل میں مطمئن تھے  
 کہ اسلام کے علمبرداروں میں کوئی بھی اُن کی صفوں کا بڑا لیڈر نہ تھا جو مذہبی اور قومی  
 مناصب پر مامور ہو۔ وہ سمجھتے تھے کہ یہ چند نوجوانوں کا سر بھرا پن ہے، چار دن میں  
 دماغوں سے ہوا نکل جائے گی۔ ہمارے سامنے کون دُم مار سکتا ہے۔ پھر قریش کا اعتقاد  
 یہ بھی تھا کہ لات، منات، عزیٰ اور مہیل اور دوسرے بت جن کے آگے ہم پیشانیاں  
 رگڑتے ہیں اور چڑھاوے پیش کرتے ہیں، ہمارے ان دیوی دیوتاؤں کی ماراں پر  
 ایسی پڑے گی (نعوذ باللہ) کہ سارا ہنگامہ ختم ہو جائے گا۔

حضرت ابو ذرؓ بھی اسلامی تحریک کے خفیہ دور ہی میں ایمان لائے۔ آپ کا  
 تہ تیہی نمبر چھٹا یا ساتواں ہے۔ یہ بھی اُن مضطرب لوگوں میں تھے جو بت پرستی سے  
 کنارہ کر کے محض اپنی فطرت کی رہنمائی میں خدا کا ذکر اور اس کی عبادت کرتے۔ ان تک  
 نبی اکرمؐ کی دعوت کی خبر پہنچی، اُنھوں نے بھائی کے ذریعے حالات معلوم کرائے۔ بھائی

نے حضورؐ سے آکر ملاقات کی، قرآن سنا اور جو حالات معلوم ہوئے۔ ان کا خلاصہ حضرت ابو ذرؓ سے یوں بیان کیا کہ لوگ اُس شخص کو مرتد کہتے ہیں لیکن وہ مکارمِ اخلاق کی تعلیم دیتا ہے۔ وہ عجیب کلام سنانا ہے جو شاعری سے مختلف ہے۔ اس کے طور طریقے اس طرح کے ہیں جیسے تمھاری پسند ہیں۔ یہ اطلاع پا کر حضرت ابو ذرؓ آئے اور حضورؐ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ آدمی جو شیلے تھے، حرم میں جا کر اپنے اسلام کا اعلان کیا اور مارکھائی۔ یہ دورِ دعوتِ تین برس تک جاری رہا۔

لیکن مشیتِ الہی حالات کے سمندر کو بھلا اس طرح یخ بستہ اور پُر سکون کہاں رہنے دیتی ہے، خدا کی سنت یہ ہے کہ **بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ**، اے یعنی وہ باطل کے خلاف معرکہ آرائی کے لیے حق کو اٹھا کھڑا کرتی ہے۔

یہ ایک دوسرے دورِ دعوت کے افتتاح کا حکم نازل ہوا کہ **فَاَصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ** جو کچھ حکم دیا جا رہا ہے، اسے واضح کاف سنا دیجیے۔

خدا کی طرف سے مامور شدہ محسنِ انسانیت (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی ساری قوتیں سمیٹ کر صبح صبح کوہِ صفا پر جا کھڑے ہوئے اور معاشرے کے معروف طریقے کے مطابق خطرے کا الارم کیا۔ بلند آواز سے پکارے: "واصبا حاہجس کا مطلب ہے: ہائے صبح کی مصیبت! قائدہ یہ تھا کہ اس طرح کی پکار لوگ سن کر سب کام چھوڑ چھاڑ کر پکارنے والے کے پاس جا جمع ہوتے تاکہ خطرے کا مقابلہ کریں۔ لگے کے لوگ بھی کوہِ صفا کے پاس جا جمع ہوئے اور پھر ہمہ تن گوش ہو گئے کہ نجانے کیا اطلاع ملنے والی ہے۔

حضورؐ نے باواز بلند پوچھا: "کیا تم مجھ پر اعتماد کرتے ہو؟" جواب ملا: "ہاں کیوں نہیں؟" پھر پوچھا: "اگر میں یہ کہوں کہ اس پہاڑی کے پیچھے سے ایک حملہ آور فوج آرہی ہے تو کیا مان لو گے؟" سب نے کہا: "کیوں نہیں؟ ہم نے تمہیں ہمیشہ سچ بولتے ہوئے پایا ہے۔" تب حضورؐ نے فرمایا: "تو پھر میں یہ کہتا ہوں کہ خدا پر ایمان لاؤ، اے بنو عبدالمطلب! اے بنو عبدمناف! اے بنو زہرہ! اے بنو تمیم! اے بنو مخزوم! اے بنو اسد! ورنہ تم پر سخت عذاب وارد ہوگا" یعنی کوئی ظاہر فوج حملہ کرنے والی نہیں مشیت کی باطنی قوتیں

اعلانِ جنگ کرنے والی ہیں۔ آپ کا چچا ابولہب یہ سن کر غصے سے کہنے لگا: "غارت ہو جاؤ تم آج ہی کے دن۔ کیا یہی بات تھی جس کے لیے تم نے ہمیں یہاں بلایا۔" تمام لوگ بہت برہم ہو کر چلے گئے۔

دینِ اسلام کے نظامِ عدل و رحمت کے داعی نے دوسرا قدم یہ اٹھایا کہ پورے خاندانِ عبدالمطلب کو کھانے پر بلوایا۔ اس مجلس میں حضرت حمزہؓ، حضرت عباسؓ اور جناب ابوطالب جیسے اہم افراد موجود تھے۔ کھانے کے بعد آپ نے مختصر سی تقریر کی۔ فرمایا: "میں جس پیغام کو لے کر آیا ہوں، یہ دین اور دنیا دونوں کا کفیل ہے۔ کون اس مہم میں میرا ساتھ دیتا ہے۔ جواب میں صرف حضرت علیؓ کی عمر ۱۳ برس ہو چکی تھی اٹھے اور کہا کہ "میں ساتھ دوں گا۔" اس پر مجلس میں خوب قہقہہ لگا، گویا خاندانِ عبدالمطلب یہ کہہ رہا تھا کہ یہ دعوت اور داعی اور یہ لبیک کہنے والا کون سا کارنامہ انجام دے لیں گے۔ یہ تو ایک کھیل اور مذاق معلوم ہوتا ہے۔

اب تک جماعتِ محمدی میں کلمہ اسلام کی سر بلندی کے لیے تقریباً ۱۰۴ افراد شامل ہو چکے تھے۔ یہ ایک محسوس قوت بن چکی تھی۔ برسرِ عام دعوت دینے کے فرمانِ خداوندی کی تعمیل میں ایک دن آنحضرتؐ نے حرمِ کعبہ میں کھڑے ہو کر توحید کا اعلان کیا۔ مشرکین نے شور مچا دیا کہ کعبہ کی توہین ہو گئی، اور مشتعل ہو کر چاروں طرف سے دوڑ پڑے۔ ہنگامہ برپا ہو گیا۔ توحید کا داعی گھیرے میں آگیا۔ شور و شغب سن کر حارث بن ابی ہالہ، ام ہالہ کے گھر سے حضورؐ کو بچانے کے لیے لپکے۔ ہر طرف سے تلواریں ان پر ایسی پڑیں کہ شہید ہو گئے۔ خدا کی راہ میں یہ تھا پہلا شہید، جس کے خون سے آنے والے دورِ تشدد کے باب کی سُرخ تازخ میں لگ گئی۔

بہر حال اب خدا کے رسولؐ نے گلی گلی جا کر فرد فرد تک اپنی بات پہنچانے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ خدا کی ہستی کی طرف بلا تے، توحید کا سبق دیتے، شرک کے خلاف آواز اٹھاتے، بتوں، پتھروں، درختوں اور جنتوں کی پوجا سے روکتے، بیٹیوں کو زندہ دفن کر دینے سے ہٹاتے، زنا اور جوڑے اور شراب کی بُرائی بتاتے۔ پھر کبھی میلوں یا مجمعوں میں وعظ کرتے

ہوئے لوگوں کو تلقین فرماتے کہ دل کو بُرے خیالات سے مازبان کو گندی باتوں سے اور جسم اور لباس کو میل کچیل سے پاک رکھیں۔ نصیحت فرماتے کہ صرف ایک اللہ ہی تمام دنیا کا پیدا کرنے والا ہے۔ سورج، چاند، ستارے، انسان سب اسی کے پیدا کردہ اور محتاج ہیں۔ دعائیں قبول کرنے والا، رزق، صحت اور اولاد دینے والا اور مرادیں پوری کرنے والا تنہا وہی ہے۔ فرشتے اور نبی بھی اس کے احکام کے تابع ہیں۔ مرنے کے بعد ہر شخص کو اپنی زندگی کا حساب اس کے سامنے پیش کرنا ہے اور وہ اعمال کے مطابق جزا و سزا دے گا، کسی کو جنت اور کسی کو جہنم!

ماحول اس دعوت کو آسانی سے کیسے برداشت کر سکتا تھا، جس کے نتیجے میں مشرکانہ نظام کا سارا گٹھ جوڑ ٹوٹا دکھائی دے رہا تھا۔ مذہبی ٹھیکیداری کی فیس اور مجاوری کے نذرانے اور سارے قبیلوں میں پھیلے ہوئے عہدے، سرداروں کی سرداریاں اور جزیرہ عرب کی آباہیوں پر قریش کی خاص دھونس یہ سب کچھ ختم ہونے کا خطرہ سامنے تھا۔

مخالفین کی طرف سے پہلا ردِ عمل پھبتیوں اور فقرے بازیوں اور گالیوں سے ہوا۔ کھری سچائی کا مقابلہ کرنے کے لیے باطل کا پورا اسلحہ خانہ استدلال کے اسلحے سے خالی تھا۔ کہا جانے لگا کہ اس شخص کی بات نہ سناؤ، یہ نعوذ باللہ صابی ہے، دین آباہی کو چھوڑ کر مزید ہو گیا ہے۔ جہاں قرآن پڑھا جائے، خوب شور مچاؤ، سیٹیاں بجاؤ، تالیاں پیٹو، ورنہ ایمان خراب ہو جانے کا خطرہ ہے۔ ہائے رے ایمان والو! کیا مضبوط ایمان تھا تمہارا کہ دوسرے کی بات سنتے ہی وہ چور چور ہو جاتا۔

پھر آپ کے لیے ابن ابی کبشہ کا لقب تجویز ہوا۔ ابو کبشہ ایک بدنام شخصیت تھی۔ آپ کو اس کا فرزند یا پیرو کہا جانے لگا۔ پھر کہا گیا کہ یہ شخص تو دیوانہ ہو گیا ہے، اس پر بتوں اور ٹھا کردوں کی مار پڑی ہے، دورے پڑتے ہیں تو جھوٹ موٹ کے فرشتے نظر آنے لگتے ہیں۔ قرآن کی شہادت تو یہ ہے کہ بعضوں نے رُو در رُو بھی آپ سے کہا کہ اے شخص تو مجنون ہے! پھر ساحری کا الزام لگایا جاتا کہ اس کی زبان سے دو لفظ سنتے ہی

لوگ سحرزدہ ہو جاتے ہیں۔ کبھی کہا جاتا ہے کہ اجی کیا ہے، ایس شاعری ہے، ادبی الفاظ کا زور ہے، محمدؐ اول درجے کے آرٹسٹ ہیں، لسانِ خطیب ہیں، اس آرٹ سے کچھ ذہن کے لوگ بہک جاتے ہیں۔ کمانت کا الزام بھی لگایا گیا کہ یہ تو وہی مشغلہ ہے جیسے کابین لوگ چٹوں اور وظیفوں اور مراقبوں میں مصروف رہتے ہیں، فال گیری کرتے ہیں اور ایک ٹیکنیکل مجذوبانہ زبان میں غیب کے اسرار بیان کرتے ہیں۔ محمدؐ نے بھی ایسا ہی ڈھکوسلہ بنا رکھا ہے۔ ایسی باتوں کا ذکر اور جواب قرآن میں ساتھ کے ساتھ دیا جاتا رہا۔

دشمنانِ نبوت نے یہ اشتغلہ بھی کھڑا کیا کہ کوئی جن اکبر نبی صاحب کو پڑھا سکھا جاتا ہے۔ دوسری طرف یہ شگوفہ چھوڑا کہ یمامہ میں کوئی شخص الرحمن نام کا ہے، وہ آ کے خفیہ طور پر ساری باتیں نوٹ کر جاتا ہے۔ تیسری بات یہ کہتے کہ کوئی عجمی استاد ہے جو باقاعدہ تعلیم دیتا ہے، خلاصہ یہ کہ کوئی بیرونی طاقت مداخلت کر رہی ہے اور محمدؐ تو محض آلہ کار ہے۔ باطل جب حق کے مقابلہ پر آتا ہے تو حق کی طرف سے ایک معاملے میں ایک ہی بات کہی جاتی ہے لیکن باطل نت نئی باتیں گھڑتا ہے، یہاں تک کہ ان میں سے بعض بالکل متضاد ہوتی ہیں۔ مثلاً یہ چہرہ چاہونے لگا کہ محمدؐ ہی تعلیم کیا ہے، بس اساطیر الادیس ہیں پرانے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں، زمانہ کہیں آپہنچا اور آج کے مسائل کچھ کے کچھ ہو گئے ہیں۔ دوسرے نقطوں میں یہ سب قدامت پرستی اور رجعت پسندی تھی۔ مشرکین مکہ فی الواقع بڑے ترقی پسند تھے لیکن اس کے الٹ دوسری طرف وہ یہ اعتراض بھی کرتے کہ دیکھو جی، باپ دادا اور سارے بزرگوں کے طریقے چھوڑ چھاڑ کے نئی باتیں گھڑی جا رہی ہیں۔ بھلا یہ بھی کوئی عقل میں آنے والی باتیں ہیں کہ ایک خدا سارا انتظام چلا رہا ہے اور مرنے کے بعد جب ہم مٹی ہو جائیں گے تو دوبارہ زندہ کیے جائیں گے۔

سردارانِ قریش نے ایک اور تدبیر کی۔ مکہ کے شعرا کا ایک محاذ بنایا اور ابوسفیان بن حارث، عمرو بن عاص اور عبداللہ بن زبیر کو مامور کیا کہ وہ نبی اکرمؐ کے خلاف گندی، ہجو، یہ نفلین لکھ کر اٹھیں پھیلانیں۔ واضح رہے کہ اس دور میں شعراء عرب کو پروپیگنڈا



کے لجانہ سے آج کل کے صحافیوں کا سا مقام حاصل تھا، مقتدر یہ تھا کہ مجمع اور مقفی کا پالنا  
دور دراز کا پھیل جائیں، یوں سمجھئے کہ جیسے کسی شریف آدمی کے پیچھے کتے چھوڑ دیے جائیں۔  
عاص بن وائل السہمی نے حضور کے ہاں اولادِ نرینہ نہ ہونے کا طعنہ دیتے ہوئے  
یہ کہنا شروع کیا کہ چھوڑو بیٹائی، کس آدمی کے پیچھے پڑے ہو، وہ جس کے نہ باپ دادا ہیں  
نہ آگے اولادِ نرینہ۔ ادھر آنکھ بند ہوئی اور سراسر اٹھیل ختم۔ اس کے جواب میں قرآن  
میں کہا گیا ہے کہ حضور کو تو کوثر عطا ہوا ہے، خیر کثیر آپ کے لیے مقدر ہے۔ دنیا میں  
آپ کی جانشین ایک عظیم المرتبہ اُمت ہوگی جو قرآن کے خزانہ خیر کثیر کی محافظ ہوگی،  
اور آخرت میں حوضِ کوثر کے آپ ساتی ہونگے عظمت یہ نہیں کہ کسی کے بہت سے بیٹے  
ہوں، عظمت یہ ہے کہ اس کے پیغام سے ہزار ہا لوگ اپنی مشعلیں روشن کریں، اس  
کے کردار سے تاقیامت اخلاق تعمیر ہوتے رہیں، اور اس کے قائم کردہ نظام کی برکات  
سے ساری انسانیت بہرہ یاب ہو۔

چلتے ہوئے فقرے کسے جانتے کہ لوگو، ذرا دیکھیو، یہ ہیں وہ معاسب جن کو نبی بنایا  
گیا ہے۔ خدا کو اگر کوئی نبی بنانا ہی تھا تو کیا بس یہی ہستی رہ گئی تھی، مکہ اور طائف کے  
کسی ذی شان سردار کو کیوں نہ نامور کر دیا۔ حضور کے رفتار کو دیکھتے تو طعنہ دیتے کہ لڑا  
ہو یہ ہیں وہ عظیم ہستیاں جنہیں اللہ تعالیٰ نے عرب و عجم کی سرداری کے لیے چھانٹا ہے۔  
کبھی حضور سے طنزاً کہتے کہ جس عذاب کی دھمکیاں دیتے ہو، اسے ہم پر لے کیوں  
نہیں آتے۔ ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا اگر اڑیجیے۔ پھر کہتے کہ یا اللہ! اگر محمد کا دین برحق ہے  
تو پھر ہم پر آسمان سے پتھر برسائے، ہمیں کوئی دردناک عذاب دے، کیوں کہ ہم اسے مان  
کر تو دیں گے نہیں، کبھی مزاحاً حضور سے کہتے کہ تمہارا اگر قاہرہ و قادیسیہ تو کیوں نہیں ہمیں  
ہدایت کے راستے پر چلا دیتا۔ کیوں نہیں وہ ہمیں بد عقیدہ ہونے سے بچاتا۔

ایسی تمام نسریات کے جواب میں قائم انسانیت کو سمجھایا گیا کہ خذِ الْعَفْوَ  
وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ یعنی ان چیزوں کو نظر انداز کیجئے، یہی

کی بات کیسے اور بے ٹیکے لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کیجیے۔ اگلا قدم وہ تھا جو اہلِ باطل اس وقت اختیار کرتے ہیں۔ جب ان پر اندھے مخالفانہ جذبات کی وجہ سے ہسٹریائی دورہ پڑنے لگتا ہے۔

آپ کے پڑوسیوں میں سے بعض اشراف اور سردار تک ہر شب کو آپ کے راستے میں کانٹے بچھاتے اور جھاڑیاں پھینکواتے، ابو لہب کی بیوی صاحبہ تو باقاعدہ کوڑا اور غلاظت لے جا کر ڈالتی۔ نماز پڑھتے ہوئے ہمیشہ شور تو مچایا ہی جاتا تھا، ایک دن عقبہ بن ابی معیط نے حرم میں بحالت نماز چادر آپ کے گلے میں ڈال کر اسے مروڑا، جنوٹے کلا گھٹنے سے گھٹنوں کے بل گہ پڑے۔ ایک مرتبہ گلی میں گزرتے ہوئے کسی شخص نے مٹی سر پر ڈال دی۔ معصوم بچی فاطمہ نے روتے ہوئے آپ کا سر دھویا۔ آپ نے فرمایا۔

”جانِ پدر! روؤ نہیں، خدا تیرے باپ کو بچائے گا۔“ ذرا اس مقام یقین کا اندازہ کیجیے؟

ایک مرتبہ حرم میں ابو جہل اور چند رؤسائے قریش نے ایذا رسانی کی نئی تجویز نکالی۔ عقبہ بن ابی معیط ہی کو جس کا ذکر آچکا ہے، ہم پیر کی گئی۔ وہ جا کر اونٹ کی اوجھ اٹھا لایا۔ عین حالتِ سجدہ میں غلاظت کا یہ انبار آپ کے اوپر ڈال دیا گیا۔ سردار ابن قریش خوب ٹھٹھے مار کر ہنسے۔ حضرت فاطمہ دوڑی دوڑی پہنچیں۔ اس بار پھر اس معصوم بچی نے اس غلاظت کو حضور کے اوپر سے ہٹایا اور کپڑے صاف کیے۔

ذرا اس ہستی کو دیکھیے جو ہر طنز و شرارت اور ہر ایذا رسانی میں نمایاں تھی۔ یہ غلامت ہوتی ہے اس بات کی کہ مخالفین کا مقصد کھوٹا ہے جس کا عقیدہ و مقصد اعلیٰ تھا۔ اس کی عزت اور اس کا اثر مسلسل بڑھ رہا تھا، نہ کانٹے اس کا راستہ روک سکتے تھے۔ نہ غلاظت۔ اور نہ طنز و تضحیک!

ان چیزوں سے اگر فاسد نظاموں کو توڑنے والے پیغاموں کے راستے رک سکتے تو شاید تاریخ میں کبھی کوئی انقلاب نہ آیا ہوتا۔

## مخالفت و مزاحمت

دنیا کے سب سے بڑے مبارک انسان کی دعوت ایک ایک کر کے جو سہر قابل کو سمیٹتی چلی جا رہی تھی اور مخالفت کرنے والے اہل مکہ کا ہسٹریاقتی دورہ روز بروز تیز ہوتا جا رہا تھا۔

اس دور میں قریش کی مخالفانہ پروپیگنڈا مہم نے ظہورِ محمدی کا پیغام چاروں طرف پھیلا دیا، اور لوگ خاص طور پر آپ کو دیکھنے اور آپ سے ملاقات کرنے کے لیے آنے لگے۔ آگے چلنے سے پہلے ایک دلچسپ واقعہ سنئے :

طفیل بن عمرو دوسی ایک مردِ شریف اور شاعرِ لبیب تھا۔ وہ مکہ آیا تو قریش کے آدمی اس سے جا کر ملے۔ کہا کہ ”طفیل دیکھو تم ہمارے شہر میں آئے ہو، یہاں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سرگرمیاں ہمارے لیے ناقابلِ برداشت بنی ہوئی ہیں۔ اس کی باتیں جادو گروں جیسی ہیں، یہ بھائی بھائی اور میاں بیوی میں جدائی ڈلوادیتا ہے، یعنی جو شخص اس کے ساتھ مل جاتا ہے، اس کے خاندان والوں کی اس سے دشمنی ہو جاتی ہے۔ دیکھو کہیں تم نہ اس کے شکار ہو جانا۔ اس سے نہ بات کرنا، نہ اس کی سُننا!“

طفیل کا اپنا بیان ہے کہ اُنھوں نے مجھے اس وقت تک نہ چھوڑا جب تک میں پوری طرح قائل نہ ہو گیا، چنانچہ حرم کی طرف جاتا تو کانوں میں روئی ٹھونس لیتا۔ ایک مرتبہ رسول خداؐ کے پاس عبادت کے لیے کھڑے تھے تو میں بھی قریب جا کھڑا ہوا، اور آپ کی زبان سے بڑا دل پذیر کلامِ حقِ حی بھر کے سنا۔ پھر دل میں سوچا کہ میں ایک صاحبِ عقل آدمی ہوں، شاعر ہوں، بُرے بھلے کی پہچان کر سکتا ہوں۔ کیوں نہ براہِ راست مل کر پوری بات سُنوں۔ اگر اچھی ہوگی تو قبول کروں گا، بُری ہوگی تو رد کر دوں گا۔

جب آنحضرتؐ کو چلے تو طفیل ساتھ ہو لیا۔ راستے میں بتایا کہ کس طرح مجھے ان لوگوں نے پروپیگنڈا کے چکر میں ڈال دیا تھا۔ مکان پر پہنچ کر درخواست کی کہ اپنا پیغام ارشاد فرمائیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی حقیقت بیان کی اور قرآن سنایا۔ طفیل کہتا ہے کہ ”خدا کی قسم! اس سے بڑھ کر اچھا اور اس سے زیادہ سچا کلام میں نے کبھی نہیں سنا“ چنانچہ وہ فوراً اسلام لاکر حضورؐ کی جماعت میں شامل ہوا اور واپس قبیلے میں پہنچ کر دعوت کو پھیلایا جس سے سارا قبیلہ متاثر ہو گیا۔

اسی طرح مشہور شاعرِ اعشیٰ بن قیس مکہ آیا تو اسے بھی مخالفینِ اسلام نے ورغلا یا۔ اس کی کمزوریاں سامنے رکھ کر کہا کہ محمدؐ تو زنا کو حرام ٹھہراتا ہے، وہ تو شراب سے بھی روکتا ہے، ایسی باتوں سے جب وہ ذرا ڈھبلا پڑا تو اسے کہا کہ بس اس سال تم لوٹ جاؤ، اگلے برس چاہو تو محمدؐ کے پیغام کو مان لینا۔ اعشیٰ واپس چلا گیا، اور سال پورا ہونے سے پہلے اس کی موت واقع ہو گئی۔

ان سے دل چسپ واقعہ مردِ اراشی کا ہے۔ یہ مکہ آیا ساتھ ادنٹ تھا۔ ابو جہل نے سودا کیا، مگر قیمت کی ادائیگی میں لیت و عمل کیا۔ اب یہ مختلف قریشی سرداروں سے حرم میں ملا کہ میرے پیسے دلوا دیں۔ ان میں ابو جہل سے ایسی بات کرنے کی کہاں ہمت۔ اُنھوں نے شرارۃً حضورؐ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ وہ دیکھتے ہو، ایک شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے، اس کے پاس جاؤ وہ رقم دلوا دے گا۔ اراشی نے حضورؐ سے مل کر ماجرا بیان کیا۔ حضورؐ اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا کہ میرے ساتھ آؤ۔ یہ دھے ابو جہل کے گھر پہنچے، دستک دی، اندر

سے آواز آئی کون ہے؟ ” فرمایا: ” محمد“ صلی اللہ علیہ وسلم، ” باہر آؤ“  
 ابو جہل نکلا تو چہرے کا رنگ فق تھا۔ آپ نے فرمایا: اس شخص کا حق دے دو۔  
 چنانچہ بے چون و چرا ابو جہل نے ادائیگی کر دی۔ الاشقی بھی حیران، اور سردارانِ قریش بھی!  
 یہ داعیِ حق اور اس کے روشن کردار کی ہیبت تھی۔

اندازہ کیجیے کہ خدا پرستانہ انقلاب کی تحریک کس طرح اپنا راستہ بنا رہی تھی جو چٹانیں  
 اس کے راستے میں مزاحم تھیں، عین ان کے نیچے سے تبدیلی کی بیل اپنے تار لیے کر کے نکال  
 رہی تھی۔

قائدانِ نبیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قتل کیلئے ہاتھ اٹھانے سے اہل مکہ ڈرتے تھے  
 کہ کہیں قبیلوں میں جنگ نہ چھڑ جائے۔ وہ حربِ نجار کے تلخ تجربے کے بعد اس سے  
 گھبراتے تھے۔

راستہ یہ نکالا گیا کہ جناب ابوطالب پر دباؤ ڈالا جائے کہ وہ اسلامی انقلاب  
 کے داعی کو اپنے دائرہ حفاظت سے نکال دیں۔ اس قسم کی مخالفانہ اسکیموں میں بنو امیہ  
 کے سرداروں کی ٹیڑھی ذہنیت بھی کام کر رہی تھی۔ کہ انہیں یہ گوارا نہ تھا کہ بنو ہاشم  
 کا کوئی شخص نبی ہو۔

عتبہ، ثیبہ، ابوسفیان بن حرب، ابوالختری، اسود بن عبدالمطلب، ابو جہل،  
 ولید بن المغیرہ، حجاج بن عامر کے دونوں بیٹے بنیہ اور سنیہ، نیز غاص بن دائل ایک  
 وفد بنا کر جناب ابوطالب کے پاس پہنچے۔ اپنا معاملہ یوں پیش کیا:

ابوطالب! تمہارا بھتیجا ہمارے خداؤں اور عطا کردوں کو برا بھلا کہتا ہے، ہمارے  
 مذہب میں غیب چھانٹتا ہے، ہمارے بزرگوں کے طریقے کو غلط اور خود ان کو احمق قرار  
 دیتا ہے، ہماری عقیدتوں کو مجروح کرتا ہے اور اسلاف کی توہین کرتا ہے۔ اب یا تو تم اس  
 کو ان زیادتیوں سے روکو، یا ہمارے اور اس کے درمیان سے نکل جاؤ۔

جناب ابوطالب نے ساری گفتگو تحمل سے سنی، نرمی سے سرداروں کو سمجھا بھجا کر  
 بات ٹال دی۔ وفد واپس آ گیا۔ محمد اپنی دعوت میں بدستور سرگرم رہے اور قریش حسب سابق

بیچ کتاب لکھاتے رہے۔

کچھ دنوں بعد پھر ایک وفد پہنچا اور اس نے قصہ چھیڑا کہ:  
 ”ہم نے مطالبہ کیا تھا کہ ہمیں اپنے بھتیجے سے بچاؤ، لیکن تم نے کچھ نہیں کیا۔  
 ہم اپنے مذہب اور اپنے بھتیجے اور اپنے بزرگوں کے خلاف تمہارے بھتیجے  
 کی باتیں برداشت نہیں کر سکتے۔ اسے باز رکھو، ورنہ ہم اس سے بھی اور  
 تم سے بھی لڑیں گے۔“

جناب ابوطالب نے دیکھا کہ بات برہمستی جا رہی ہے، سو اپنے محبوب بھتیجے کو بلا  
 کر کہا ”بھتیجے مجھ پر اتنا بڑا بوجھ نہ ڈالو جس کا اٹھانا میرے بس سے باہر ہو۔“ حضورؐ نے  
 محسوس کیا کہ جس پتھر پر پاؤں جمار کھے تھے وہ اب سرکنے والا ہے، اس نازک مرحلے پر  
 اپنے منصبِ جلیل کی بندگیوں سے فرمایا:

”چچا جان! خدا کی قسم! یہ لوگ اگر میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں  
 ہاتھ پر چاند رکھ کر چاہیں کہ اس مشن کو چھوڑ دوں تو بھی میں اس سے باز  
 نہیں آسکتا۔ یہاں تک کہ یا تو اللہ تعالیٰ اس مشن کو غالب کر دے یا میں اسی  
 جدوجہد میں شتم ہو جاؤں۔“

حضورؐ کے اندر سے وہ قوت بول رہی تھی جو تاریخ کو الٹ پلٹ دیتی ہے۔ ابوطالب  
 کا دل بھی پسچ گیا۔ انہوں نے کہا کہ ”بھتیجے جاؤ، جو کچھ تمہیں پناہ ہے اس کی دعوت دو،  
 میں کسی وجہ سے تم کو نہیں چھوڑوں گا۔“

بات تو ذرا بعد کی ہے مگر متذکرہ کوشش ہی کی ایک کڑی ہے کہ حضرت حمزہؓ و  
 عمرؓ کے اسلام لانے کے بعد ایک مرتبہ اور وفد سردارانِ قریش جناب ابوطالب کے پاس  
 آیا۔ اس کی اسکیم تھی کہ معاہدہ ہو جائے۔ وفد نے کہا کہ جو کچھ صورتِ حالات ہے وہ آپ  
 کے سامنے ہے، اپنے بھتیجے کو بلوایئے، اس کے بارے میں ہم سے، اور ہمارے بارے  
 میں اس سے عہد لیجیے کہ وہ ہم سے باز رہے، ہم اس سے باز رہیں، وہ ہمارے مذہب  
 سے واسطہ نہ رکھے، ہم اس کے مذہب سے واسطہ نہیں رکھیں گے۔ رسوا پاک کو اس بار

پھر مجلس میں بلوا کر سارا قصہ بتایا گیا۔ قریش کی بات تو مذہب کی بات تھی، لیکن تاہذا انسانیت تو پوری انسانیت کو مذہب سے وسیع تر نظام حیات کا پیغام دے رہا تھا جسے دوسرے لفظوں میں دین کہا جاتا ہے۔ پس حضور نے دند کو جواب یہ دیا کہ:

”میرا ایک کلمہ ہے، اگر اسے مان کے دو تو سارا عرب تمہارے زیر نگیں ہوگا

اور سارا عجم تمہارے پیچھے چلے گا“

ذرا اس وقت کے اذیت ناک اور مایوس کن ماحول اور اہل ایمان کی قلیل تعداد اور مکہ والوں کے شدید عناد کو سامنے لائیے اور پھر سوچیں کہ یہ صرف خدا کے نبی ہی کا مقام ہے کہ ایسے میں وہ اپنی دعوت کے مستقبل کو دوز تک دیکھ کر بات کرے۔ حضور تو گویا تارکیوں کے ہجوم میں کہہ رہے تھے کہ صبح ہونے والی ہے اور سورج نکلنے والا ہے۔

حج کا موسم ایک بڑا مسئلہ تھا۔ باہر سے جب لوگ آتے تو حضور دین کا پیغام ان تک ضرور پہنچاتے۔ ایسا ہی موقع آنے والا تھا کہ ولید بن مغیرہ کے گھر پر اکابر قریش کی میٹنگ ہوئی۔ ولید نے کہا کہ حج کا موسم قریب ہے، عرب کے وفود آئیں گے، وہ تمہارے اس آدمی (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کا قصہ سن چکے ہیں، اس لیے ان کا ذوق تجسس ہوگا اور یہ شخص جا جا کر ان سے ملے گا۔ یہ بہت بڑے خطرے کا موقع ہے پہلے سے کوئی تدبیر کر لو۔

پھر بحث ہوتی رہی کہ اسے ”کاہن“ کہہ کر آنے والوں کو چونکا دیا جائے، یا اسے آسیب زدہ قرار دیا جائے، یا شاعر شمار کیا جائے، یا یہ کہ وہ جادوگر ہے۔ بحث میں ہر الزام کے سامنے آنے پر سرداروں نے خود ہی اس کے بے بنیاد ہونے کا ذکر کیا۔ جب کوئی بات طے نہ ہو سکی تو پھر سب نے ولید ہی کی طرف روئے سخن کیا کہ کچھ تم ہی کہو اے ابو عبد الشمس؟ اور ابو عبد الشمس نے خوب باتیں کہیں، یہ تک کہہ ڈالا کہ ”یہ پیغام غالب ہوگا، اسے مغلوب نہیں کیا جا سکے گا اور یہ سب کو کچل ڈالے گا“ تمہاری ساری باتیں لایعنی ہیں۔ کام چلانے کے لیے جادوگری کا الزام کام دے سکتا ہے۔ لوگوں کو بتایا جائے کہ اس کی بات پھیلنے سے باپ بیٹے، میاں بیوی اور بھائی بھائی میں جدائی پڑ رہی ہے۔“

دیکھا آپ نے، ایک شخص کا دل مان رہا ہے کہ محمد کا پیغام عظیم ہے اور غالب

ہوگا، مگر پھر بھی مخالفت کرنے کا فیصلہ ہوتا ہے، اور وہ بھی اس طرح کہ مختلف من گھڑت الزاموں کو جانچا جاتا ہے کہ کس سے کام چل سکتا ہے۔ ایسے ہوتے ہیں اہل باطل!

ربیعہ بن عبادہ جو بعد میں اسلام لائے، اُس موسم حج میں دس سالہ بچے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک قبیلے کے لوگوں میں جا کر کہتے کہ میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں اور تم سے کہتا ہوں کہ اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، بتوں سے کنارہ کشی کرو، میری تصدیق کرو اور میرا ساتھ دو۔ یہاں تک کہ میں اللہ کی طرف سے ساری بات کھول کے رکھ دوں۔ پھر ربیعہ کہتے ہیں کہ ایک شخص عدنی حُلہ اور طھے حضور کے ساتھ لگا تھا اور جب رسول پاک اپنی بات کہہ چکے تو وہ پکار کر کہتا کہ اے بنی فلان! یہ شخص تم کو لات و عزی سے ہٹا کر بدعت و کراہی کی طرف بھینچ رہا ہے۔ اس کی بات ہرگز نہ سنو۔ یہ شخص تمہارا بولسب!

اسی طرح بازارِ ذوالحجاز میں ایک بار آپ اپنی دعوت دے رہے تھے اور ابو جہل مٹی اٹھا اٹھا کر آپ پر پھینکتا اور لوگوں سے کہتا کہ اس کے قریب نہ آنا۔

پھر ان مخالفین حق نے جب دیکھا کہ وہ عزمِ نبوت کی چٹان کو مخالفت سے بلا نہیں سکتے تو انہوں نے سودا بازی کی راہ اختیار کی۔ بڑی ملائمت سے آپ سے عرض کیا کہ دیکھو محمد! ہم بھی تمہارے قریب ہو سکتے ہیں، پس تم اتنا کرو کہ ہمارے اصنام و آلہبہ کے خلاف کچھ نہ کہو، ہو سکے تو اپنے قرآن میں تھوڑی سی ترمیم کر لو، یا چاہو تو بالکل ہی ایک نیا قرآن لے آؤ جس میں کچھ ہمارا بھی خیال رکھا گیا ہو۔ آپ نے جواب دیا کہ یہ میرے اختیار میں نہیں۔ اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو کوئی بات اپنے پاس سے گھڑ کر اللہ تعالیٰ سے منسوب کر دے۔

مخالف سرداروں نے ایک مطالبہ یہ اٹھایا کہ محمد! تم اگر اپنے صلے سے گھٹیا لوگوں کیوں کیڑوں اور کملوں اور غلاموں اور لونڈوں کو نکال دو تو پھر ہم بھی تمہارے پاس آ کے بیٹھیں گے اور کلام سنیں گے۔ تمہارے ان ادنیٰ ساتھیوں میں بھلا ہم اکابر کیسے بیٹھ سکتے ہیں! اس سے آپ نے انکار کر دیا کہ یہ لوگ جو ہر قسم کے مفاد کے بندھنوں سے آزاد ہونے کی وجہ سے آگے آئے ہیں اور میرا ساتھ دے کر تکلیفیں اٹھا رہے ہیں اور قربانیاں



کر رہے ہیں، میں ان کو کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔

ایک اور زبردست وار کیا گیا۔ حرم میں قریش کی ایک مجلس اعلیٰ نے عتبہ بن ربیعہ کو اپنا نمائندہ بنا کر حضورؐ کے پاس بھیجا کہ ہماری طرف سے اس شخص کے نامنے یہ پیش کش کر دو کہ اگر مقصود دولت ہو تو ہم چندہ کمر کے مال کا ڈھیر لگا دیتے ہیں، اگر سرداری اور قیادت چاہتے ہو تو ہم تمہیں سردار بنا دیتے ہیں، اگر بادشاہت چاہتے ہو تو اس کے لیے تیار ہیں، اگر کسی جین کا سایہ ہے یا جادو کا اثر تو ہم ہر ممکن علاج کراتے ہیں۔ معلوم کر کے آؤ کہ محمدؐ اصل میں کیا چاہتا ہے۔ یعنی یہ ساری پیش کش حضورؐ کے خلوص کی نفی پر مبنی تھی۔ پھر حضورؐ نے عتبہ سے کہا کہ تم نے اپنی بات کہہ لی، اب میری بات سُنو۔ یہ کہہ کر آپ نے سورہ حٰم کی چند آیات تلاوت کیں، جن کا ترجمہ یہ ہے:

”یہ حٰم ہے۔ یہ بڑی مہربان اور رحم والی مستی کی طرف سے بھیجی گئی ہے۔ یہ ایک نوشتہ ہے جس کی ایک ایک آیت نکھری ہوئی ہے۔ یہ قرآن ہے، عربی زبان میں سمجھو جو جود سے کام لینے والوں کے لیے! قرآن (ایمان لانے والوں کو) بشارت سنانے والا، (اور انکار کرنے والوں کو) تنبیہ کرنے والا۔ پس اُن (یعنی اہل مکہ) میں سے اکثریت نے اس سے روگردانی کی اور سن کر ہنس دیتے ہیں اور وہ کہتے ہیں ہمارے دل اس حقیقت کے مخالف ہیں جس کی طرف تم بلا تے ہو اور ہمارے کانوں میں گراتی ہے اور ہمارے اور تمہارے درمیان ایک پردہ حائل ہو گیا ہے۔ تم اپنا کام کرو ہم اپنا کام کیے جائیں گے“ عتبہ اٹھا اور ساتھیوں میں جا کر اس نے کہا:

”ماجرایہ ہے کہ میں نے ایسا کلام سنا ہے جیسا کبھی نہیں سنا۔ بخدا نہ وہ

شعر ہے، نہ جادو ہے اور نہ کہانت ہے۔ خدا کی قسم اس سے کوئی بڑا نتیجہ

نکلنے والا ہے۔ اے گروہ قریش! میری بات مانو، اس شخص کو اس کے حال

پر چھوڑ دو۔ اہل عرب نے اس سے نمٹ لیا تو تمہیں نجات ہو جائے گی اور

اگر وہ عرب پر چھا گیا تو اس کی سلطنت تمہاری سلطنت ہوگی اس کے

ذریعے تم تمام لوگوں میں خوش نصیب ہو جاؤ گے“ (تلخیص کردہ)

اندازہ کیجیے، کس قدر صحیح سمجھا اُعتبہ۔ اس نے یہ بھی اندازہ کر لیا کہ نرمی مذہب داری کا معاملہ نہیں ہے کہ اس سے سلطنت نمودار ہونے والی ہے۔ اس نے بہت بڑے انقلاب کو اس کلام کے پردوں کے پیچھے دیکھ لیا۔

وہی پیش کش شام کو سرداروں نے خود حضور کے سامنے رکھی۔ ذرا جواب سنیے۔  
 در تم لوگ جو کچھ کہہ رہے ہو، میرا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ دعوت سے  
 میرا مطلوب مال و دولت یا سرداری اور بادشاہت حاصل کرنا نہیں مجھے تو  
 خدا نے تمہاری طرف اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔۔۔ سو میں نے خدا کی ہدایات  
 تم تک پہنچا دی ہیں۔ اگر میری دعوت کو تم قبول کر لو تو یہ تمہارے لیے دنیا و  
 آخرت کی بھلائی کا ذریعہ ہے، اور اگر تم اسے میری طرف واپس پھینک دو تو  
 میں صبر سے اللہ کے حکم کا انتظار کروں گا۔“

اس جواب پر غور کرنے کے بجائے مخالفین نے اور ہی قصے چھیڑ دیے۔ مثلاً کہا کہ تم  
 جانتے ہو کہ ہماری زمین تنگ ہے اور پانی کی کمی ہے۔ تم خدا سے کہو کہ یہاں سے پہاڑوں کو ہٹا  
 دے اور شام و عراق کی طرح دریا بہا دے۔ پھر یہ کہ خدا سے کہو کہ وہ ہمارے آباؤ اجداد  
 کو اٹھا کھڑا کرے جن میں قصی بن کلاب بھی ہوتا کہ ہم اس دانا آدمی سے تمہارے متعلق  
 پوچھ سکیں۔ نہیں تو پھر ہم پر عذاب ہی وارد کر دو۔ حضور کا ایک ہی جواب تھا، مَا لِهَذَا  
 بُعِثْتُ۔ مجھے اس کام کے لیے مامور نہیں کیا گیا۔

## حق کے دیوانوں پہ کیا گزری

مخالفینِ حق نیتوں کے لحاظ سے کھوٹے اور دلائل کے لحاظ سے کھوکھلے ہوتے ہیں۔ ان کے سامنے اصل مسئلہ اپنے اقتدار اور مفاد کا ہوتا ہے۔ تبدیلی کی کوئی دعوت اگر اٹھے اور وہ کھوس دعوت ہو اور اس کے علمبردار ایمانی، عقلی اور اخلاقی لحاظ سے مضبوط ہوں تو پھر مخالفین بہت جلد اوجھے ہتھیار اور آجاتے ہیں اور بات مقطع میں آپڑتی ہے۔

کہہ میں دعوتِ محمدی کے ظہور کے۔ اکتھ ہی ذہنی اذیت دینے کا بھی سلسلہ شروع ہو گیا تھا اور جسمانی طور پر تنگ کرنے کا بھی، مگر باقاعدہ تشدد و ہیبت کی لہر ذرا آگے چل کر اٹھی اور تیزی سے بلند ہوتی چلی گئی۔ آئیے ددِ تشدد کے چند مناظر دیکھیے۔

خَبَّاب بن الارت تمیمی کو اہم ہمارے دورِ جاہلیت میں بہ طور ایک غلام کے خرید لیا۔ یہ جب ایمان لائے تو دشمنانِ حق نے دہکتے انگارے بچھا کر ان کو بسترِ آتشین پر لٹایا اور چھاتی پر ایک شخص کھڑا ہو گیا تاکہ کر دٹ نہ لے سکیں۔ انگارے پیٹھ کے نیچے ہی ٹھنڈے ہو گئے اور گوشت جگہ جگہ سے جل گیا۔ بعد میں حضرت عمرؓ کو ایک مرتبہ اٹھوں

نے پشت سے قمیض اٹھا کر نشانات دکھائے۔ برص کی طرح کے سفید داغ ساری پشت پر تھے۔ یہ آہن گر تھے اور ان کی جو قمیضیں اہل قریش کے ذمے تھیں، وہ انھوں نے داب میں ادر کہا کہ جب تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار نہیں کر دگے ایک کوڑنی بھی نہیں ملے گی۔ حق کا یہ جانباز جواب میں یہ کہتا ہے کہ تم لوگ جب تک مرکز زندہ نہ ہو جاؤ، ایسا نہیں ہو سکتا۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ بن خلف کے غلام تھے یہ کبھی ایمان لائے۔ جب سورج ٹھیک نصف النہار پر آجاتا تو غرب کی تپتی ریت پر ان کو ٹٹا کر سینے پر بھاری پتھر رکھ دیا جاتا۔ اس حالت میں امیہ ان سے کہتا کہ اسلام سے باز آؤ ورنہ ختم ہو جاؤ گے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے "أحد، أحد، پکارتے۔ امیہ غصے سے پتھر جاتا اور آپ کے گلے میں رسی ڈال کر شہر کے لوٹروں کے پیر دکر دیتا کہ گلی گلی گھسیٹتے پھریں۔ کبھی آپ کو گائے کی کھال میں لپیٹا جاتا، کبھی آہنی زرہ پہنا کر تیز دھوپ میں بٹھایا جاتا۔ وہ بدستور "أحد، أحد" پکارتے رہتے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو خرید کر آزاد کر دیا۔

بڑا قصہ تو یاسر اور آل یاسر کا ہے۔

یاسر قحطانی الاصل تھے۔ کسی سلسلے میں وہ مکہ میں آئے اور ابو محمد بنہ مخزومی سے حلیفانہ تعلق قائم کر کے یہیں رہ پڑے اور شادی کر لی۔ یاسر شہیت سارا گھرانہ اسلام لے آیا، خصوصاً حضرت عمار بن یاسر پر سخت ستم ڈھائے جاتے، ان کو جلتی زمین پر لٹایا جاتا، قریش ان کو اتنا مارتے کہ بار بار بے ہوش ہو جاتے، ان کے والدین کو بھی شدید اذیتیں دی گئیں۔ کبھی پانی میں غوطے دیے جاتے، کبھی انکاروں پر تڑپایا گیا۔ سمیٹتے جو حضرت عمار کی والدہ تھیں ان کو اسلام لانے پر ابو جہل نے وحشیانہ طور پر برہمی مار کر ہلاک کر دیا۔ عمار رضی اللہ عنہ نے والد یاسر بھی ظلم ستم سہید ہو گئے۔ حضور کا گزرا ہوتا تو فرماتے "سلام علی آل یاسر" نیز ان کو خوشخبری دیتے "إِنَّ مَوْعِدَكُمْ الْجَنَّةُ" تمہارے لیے جنت کی بشارت ہے۔ عمار کے بارے میں فرماتے کہ وہ سر سے پیر تک ایمان سے بھرا ہوا ہے۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کو اس بے دردی سے مایا جاتا کہ حواس باختہ ہو جائے۔ ابو ذکیرہ کو

پاؤں میں رسی ڈال کر گرم ریت پر گھسیٹا جاتا۔ امیہ نے ایک بار زور سے گلا گھونٹا تو ایسے لگا کہ جان نکل گئی مگر بچ رہے۔ ایک مرتبہ بھاری پتھر سینہ پر رکھا گیا تو کرب کے مارے ان کی زبان باہر نکل آئی۔ کبھی ان کو لوسہ کی زرہ پہنا کر جلتی زمین پر لٹایا جاتا۔ ان کو حضرت صدیقؓ نے خرید کر آزاد کر دیا۔ پٹینہ نامی کینز کو تو حضرت عمرؓ اتنا مارتے کہ تھک ہار کر ہاتھ روکتے۔ دم لے کر پھر مارنے لگتے۔

زنیروہ حضرت عمرؓ کے گھرانے کی کینز تھیں، اس لیے حضرت عمرؓ اسے پوری بے دردی سے مارتے۔ ایک مرتبہ ابو جہل نے بے رحمانہ طریق سے مارا تو ان کی آنکھیں صنایع ہو گئیں۔ ان کو بھی حضرت ابو بکر صدیقؓ نے خرید کر آزاد کر دیا۔ نہدیہ اور ام عیسیٰ بھی کینز تھیں، ان پر بھی شدید مظالم کیے گئے۔

ذرا غور فرمائیے کہ قریش کے بڑے بڑے ذی مرتبہ سردار لونڈیوں اور غلاموں پر اپنی قوت بازو کو آزما کر دین حق کے خلاف اپنا غصہ ٹھنڈا کرتے۔ وہ ٹھنڈا تو کیا ہوتا اور بھڑک جاتا۔ کتنی پست روش تھی۔ ہر وہ نظریہ اور مذہب جس سے پست روش پیدا ہو، وہ اپنی پستی کا اعلان کرتا ہے۔

اب کچھ آزادوں کا حال بھی سنیے۔

حضرت عثمانؓ جو عمر کے محاذ سے قابل احترام تھے اور مال و جاہ بھی رکھتے تھے، انھوں نے حضورؐ کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا تو ان کے اپنے چچا نے رسی سے باندھ کر بیٹا۔ حضرت ابو ذر نے محمدی کلمہ انقلاب کو قبول کیا تو جوش میں آ کر سیدھے کعبہ پہنچے اور باواز بلند کلمہ پڑھا۔ قریش چاروں طرف سے ٹوٹ پڑے، مارتے مارتے آپ کو زمین پر گر کر دیا۔ حضرت عباسؓ کا اتفاقاً گزر ہوا۔ انھوں نے کہا کہ یہ تو قبیلہ غفار کا آدمی ہے اور تمہیں تجارت کے لیے اسی قبیلے کے علاقے کے سے گزرتا پڑتا ہے۔ یہ سن کر لوگ باز آ گئے۔ دوسرے دن پھر ایسا ہی ہوا۔

حضرت زبیر بن العوام کو بیداری ضمیر کی سزا یہ دی گئی کہ ان کے چچا چٹائی میں پیٹ کر ناک میں دھواں دیتے، مگر حضرت زبیر پکار کے کہتے کہ میں اب کفر تو ہرگز نہیں کروں گا۔

سعد بن زید (حضرت عمرؓ کے چچا زاد بھائی) کو حضرت عمرؓ نے رسیوں سے باندھ دیا۔ سعد بن وقاصؓ پر بھی تشدد کیا گیا۔ عبداللہ بن مسعود نے دین اسلام کی انقلابی تحریک کا پیغام قبول کیا تو زورِ ایمان میں جرم پہنچ کر پہلی مرتبہ یاواز بلند قرآن پڑھا۔ سورہ رحمن کی تلاوت شروع کی ہی تھی کہ مشرکانہ جمود کے محافظ ٹوٹ پڑے اور منہ پر طمانچے مارے، انھوں نے تلاوت اس حال میں بھی جاری رکھی۔ واپس ہوئے تو چہرہ لہو لہان تھا۔

عثمان بن مظعون حرم میں قریش کی مجلس میں بیٹھے تھے کہ لبید نے ایک مصرع پڑھا۔ دوسرا پڑھا تو عثمان بن مظعون نے کہا کہ یہ بات تم نے غلط کہی۔ لبید کا خون کھول گیا کہ یہ جسارت۔ اور حق گوئی کی جسارت بڑے بڑوں کے سامنے کرنے کا عزم دین اسلام کی تحریکِ فلاحِ انسانیت نے سب میں پیدا کر دیا تھا۔ کسی نے کہا کہ یہ شخص احمق ہے جس نے ہمارے آبائی دین دھرم سے بغاوت کر لی ہے۔ عثمانؓ بھی کہاں چپ رہنے والے تھے۔ ترکِ یہ ترک کی جواب دیا۔ اس پر بات کرنے والا شخص اٹھا اور اس نے عثمان بن مظعون کے چہرے پر ایسا تھپڑ مارا کہ ان کی آنکھ پھوٹ گئی۔ حضرت عثمانؓ نے جرأت سے کہا کہ میری جو آنکھ بچ رہی ہے وہ بھی قربان ہونے کو تیار ہے۔

حضرت ام شریکِ ایمان لائیں تو ان کے اعزہ و اقارب نے انھیں چلچلاتی دھوپ میں کھڑا کر دیا۔ اس حالت میں وہ ان کو شہد جیسی گرم غذا دیتے اور پانی نہ پلاتے۔ تین دن مسلسل اسی عالم میں گزر گئے۔ ان سے ترکِ اسلام کا مطالبہ کیا گیا۔ وہ حواس میں نہ تھیں، کچھ نہ سمجھیں۔ پھر آسمان کی طرف اشارہ کر کے مدعا بتایا گیا۔ جب سمجھ گئی تو کہا کہ خدا کی قسم میں تو اپنے عقیدے پر قائم ہوں۔ حدیہ کہ حضرت ابو بکرؓ اور طلحہؓ، ولید بن ولیدؓ، عتباش بن ابی رعیہ اور سلمہ بن ہشام کو ازیتیں دی گئیں۔ خالد بن عاص نے جب اسلام قبول کر کے قائدِ انسانیت کو اپنا تانا مانا تو ان کے باپ نے اس قدر مارا کہ سر زخمی ہو گیا۔ ان کو فاقہ کا عذاب بھی دیا گیا۔ پورا مکہ ایک گرم بھٹی بن گیا جس میں ہر مسلم کو تپایا جا رہا تھا۔ گلی گلی اور گھر گھر عقوبت خانے کھلے تھے۔

لیکن بے مثال ہے یہ صورتِ واقعہ کہ دردِ کرب کی کڑی منزلوں سے گزرنے

دالوں میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہ تھا جو پیچھے پٹا ہو یا جس کے ضمیر نے شکست قبول کی ہو۔ مردوں کی طرح عورتیں اور آزادوں کی طرح لونڈیاں اور غلام ایک ایسے ایمان کا مظاہرہ کر رہے تھے کہ جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ خدا کو خدا ماننے اور رسول کو رسول اور قائد اور پیشوا تسلیم کرنے کا یہ ہے نمونہ و معیار۔ مار کھانے والوں کے سینوں میں جو انقلابی رُود و رُہی تھی وہ اور بھی زور دار ہو گئی، ان کے ضمیر نے اہل استبداد کو عاجز کر دیا۔ ظالم شکست کھا گئے کیونکہ وہ کسی ایک فرد کو بھی اس کے مقام سے ہٹانے کے۔

حضورؐ جہاں فلاحِ انسانیت کی مہم کے سپاہیوں کی عزیمت و استقامت دیکھ کر اطمینان حاصل کرتے، وہاں آپ کو یہ بھی احساس تھا کہ آخر انسانی قوت برداشت کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ ظلم و استبداد کا ریلہ کہیں تھمنے میں نہیں آ رہا تھا بلکہ روز بروز زور پکڑ رہا تھا۔ حضورؐ اپنے رفقا کا حال دیکھ دیکھ کر کڑھتے مگر کوئی زور نہ چلتا تھا۔ سہارا صرف خدا کا تھا، قوتِ ایمانی کا تھا، دُعا و ذکر کا تھا، سچائی کی فتح کی قوی امیدوں کا تھا۔ حضورؐ رفقا کو تسلی دلاتے کہ خدا کوئی راستہ نکالے گا۔ آثار بتا رہے تھے کہ تحریکِ اسلامی کا شجرہ طیبہ مکہ کی سنگلاخ زمین میں برگ و بار نہ لاسکے گا۔ یہ سعادت کسی اور گوشہ زمین کے لیے مقدر ہے۔ نیز چونکہ دینِ اسلام کی تحریکِ فلاحِ انسانیت کی سابق تاریخ بتاتی تھی کہ یہاں ایک مرحلہ ہجرت کا بھی ضرور آیا کرتا ہے، لہذا حضورؐ کے دل میں یہ خیال موجود تھا کہ آپ کو اور آپ کے رفیقوں کو وطن چھوڑنا ہوگا۔ حضورؐ نے ستم ریدہ و الم چشیدہ رفقا کو مشورہ دیا کہ زمین میں کسی اور طرف نکل جاؤ، خدا جلد ہی سب کو یکجا کرے گا۔ پوچھا گیا کہ کدھر جائیں؟ حضورؐ نے فرمایا کہ جثہ چلے جاؤ۔ یہ اس لیے کہ جثہ میں عیسائیت کی بنیاد پر ایک عادلانہ حکومت قائم تھی۔ اس ملک کے چرچے تو پہلے سے سُننے جاتے ہوں گے۔ اسی لیے حضورؐ نے اس کے متعلق فرمایا کہ **هِيَ اَرْضٌ صِدْقِي**۔ وہ راستی کی سرزمین ہے۔ بعد میں حضورؐ کی رائے اور الفاظ سچ ثابت ہوئے۔

نبوت کے ۵ ویں سال حضورؐ کی انقلابی جماعت کے گیارہ مردوں اور چار خورتوں کا قافلہ حضرت عثمان بن عفان کی زیر قیادت رات کی تاریکی میں جثہ کو روانہ ہوا۔ حضرت

عثمان کے ساتھ ان کی اہلیہ محترمہ، یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی جناب رقیہؓ بھی اویس سفیرِ ہجرت پر نکلیں۔ حضورؐ نے اس مبارک جوڑے کے بارے میں فرمایا کہ حضرت لوط

اور ابراہیم علیہما السلام کے بعد یہ پہلا جوڑا ہے جس نے خدا کی راہ میں وطن چھوڑا۔

یہ بات نوٹ کرنے کی ہے کہ جس طرح اسلام لانے میں پہل کرنے والی ایک خاتون

تھیں، جس طرح اذیتیں برداشت کرنے میں مردوں کے ساتھ ساتھ عورتیں بھی اپنا حصہ

پا رہی تھیں اور انتقامت میں اُنھوں نے اپنے مساویانہ مرتبہ کا ثبوت دے دیا۔ اسی طرح

اب عین ہجرتِ حبشہ کے لیے دوسرے ملک کو جانے والے قافلے میں بھی شریک تھیں۔

اس قافلہِ مہاجرین کے نکلنے کے بعد حبشہ قریش کو خبر ہوئی تو تعاقب میں آدمی

دوڑے۔ لیکن تعاقب کرنے والے جب بندرگاہِ جدہ پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ جانے والے

جا چکے۔ اُنھیں فوراً ہی کشتیاں تیار مل گئیں۔ اگر خدا کی طرف سے ایسا نہ ہوتا تو نجانے

کیا ہوتا۔ ان مہاجرین نے حضورؐ اسی عرصہ (رجب سے شوال تک) حبشہ میں گزارا تھا کہ یہ

افواہ پہنچی کہ قریش نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ سب لوگ پلٹ آئے۔ مگر مکہ کے قریب پہنچ

کر معلوم ہوا کہ افواہ غلط تھی۔ مجبوراً ان میں کچھ چھپتے چھپاتے مکہ پہنچے اور کچھ نے کسی کی

حمایت حاصل کر لی۔ نتیجہ یہ کہ پہلے سے بڑھ کر استبداد ہونے لگا۔

مسلمانوں کی واپسی کے بعد تشدد کا زور اور بڑھ گیا پس دوبارہ زیادہ بڑا قافلہ

مہاجرین نکلا جس میں ۸۵ مرد اور ۱۷ عورتیں شامل تھیں۔ یہ تمام نفوس حبشہ پہنچے۔ وہاں

ان کو پر امن فضا ملی اور اسلام کے نقشے پر زندگی بسر کرنے لگے۔

ادھر مکہ میں دشمنانِ اسلام نے اس معاملے پر بحث و تمجیص کر کے ایک منصوبہ بنایا۔

عبداللہ بن ربیعہ اور عمرو بن العاص کو سفارت کے لیے مامور کیا کہ یہ شاہِ حبشہ سے جا کر

بات کریں اور مہاجرین کو واپس لائیں۔ نجاشی اور اس کے درباریوں اور پادریوں کے لیے

گراں بہا تحائف تیار کیے گئے۔ بڑے سروسامان کے ساتھ سفارت روانہ ہوئی۔ اہل سفارت

نے حبشہ پہنچ کر پہلے تو پادریوں اور درباریوں سے ملاقاتیں کیں اور ان کو رشوتیں دیں اور

مہاجرین کے بارے میں اُنھیں چکر میں ڈالا کہ اُنھوں نے ایک مذہبی فتنہ ہمارے شہر میں کھڑا



کیا ہے جو عیسائیت کے لیے بھی اتنا ہی خطرناک ہے جتنا ہمارے مذہب کے لیے۔ ان کی کوشش یہ تھی کہ شاہِ نجاشی ان کی بات یک طرفہ طور پر سُنے اور مہاجرین کو بولنے کا موقع دیے بغیر انھیں ہمارے حوالے کر دے۔ فضا تیار کر کے سفارتِ دربار میں پہنچی۔ پھر اپنی غرض بیان کی کہ مکہ کے اشراف نے ہمیں بھیجا ہے کہ آپ ہمارے آدمیوں کو ہمارے ساتھ واپس کر دیں۔ درباریوں اور پادریوں نے تائید کی۔ نجاشی نے دو طرفہ بات سُننے بغیر کارروائی کرنے سے انکار کر دیا۔

دوسرے دن دونوں فریق دربار میں طلب کیے گئے۔ مسلمانوں کو جب حکم ملا تو انھوں نے اپنے اور عیسائی بادشاہ کے اختلافِ مسلک کو سامنے رکھ کر مشورہ کیا۔ طے پایا کہ ہم دربار میں وہی کچھ کہیں گے جو کچھ خدا کے نبیؐ نے ہم کو سکھایا ہے۔ پھر جو ہو سو ہو۔ یہ ہوتی ہے اہل ایمان کی روش! دربار میں پہنچے تو مقررہ آداب کے مطابق شاہ کو سجدہ نہیں کیا۔ درباریوں نے برا منایا اور سوال کیا کہ سجدہ کرنے سے اجتناب کیوں؟ حضرت جعفرؓ مسلم وفد کے متکلم تھے۔ انھوں نے پوری جرأت سے جواب دیا کہ ہم لوگ سولے اللہ کے کسی کو حتیٰ کہ اللہ کے رسولؐ کو بھی سجدہ نہیں کرتے۔ رشوت چاہو سی اور خوشامد سے کام لینے والوں کے مقابل میں یہ اصول پسندانہ روش کتنی ممتاز معلوم ہوتی ہے!

اب سفارتِ مکہ نے اپنا دعویٰ پیش کیا کہ یہ مہاجرین ہمارے بھگوڑے مجرم ہیں انہوں نے نیا دین گھڑ لیا ہے اور ایک تخریبی طوفان کھڑا کر دیا ہے، لہذا ان کو ہمارے حوالے کیا جائے۔ حضرت جعفرؓ اٹھے اور اجازت طلب کی کہ پہلے وہ سفارتِ مکہ سے کچھ سوال کر لیں۔ اجازت مل گئی۔ انھوں نے ایک ایک کر کے یہ چند سوال پوچھے اور سب کا جواب سفارتِ مکہ کو نفی میں دینا پڑا۔ پوچھا کہ کیا ہم کسی کے غلام ہیں جو آقا سے بھاگ آئے ہیں؟ کیا ہم کسی کو ناحق قتل کر آئے ہیں؟ کیا ہم کسی کا کچھ مال لے کر بھاگے ہیں؟ ان میں سے کوئی بھی بات صحیح ہے تو ہمیں واپس کیا جانا چاہیے۔ جب پوچھنا پوری طرح صاف ہو گئی تو اب حضرت جعفرؓ نے شاہ اور درباریوں کے سامنے ذیل کی تقریر کی۔

”اے بادشاہ ہم ایک جاہل قوم تھے، بت پوجتے تھے، مردار کھاتے

تھے، بدکاریاں کرتے تھے، ہمسایوں کو ستاتے تھے، بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا،  
 قوی لوگ کمزوروں کو کھا چا پا کرتے تھے۔ اس اثنا میں ہمارے درمیان ایک  
 شخص پیدا ہوا جس کی شرافت، سچائی اور دیانت سے ہم لوگ پہلے سے آگاہ  
 تھے۔ اس نے ہم کو اسلام کی دعوت دی اور یہ سکھایا کہ ہم پتھروں کو پوجنا  
 چھوڑ دیں، سچ بولیں، خون ریزی سے باز آئیں، یتیموں کا مال نہ کھائیں،  
 ہمسایوں کو آرام دیں۔ عقیف عورتوں پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں۔ نماز پڑھیں،  
 روزے رکھیں، صدقہ دیں۔ پس ہم نے شرک اور بت پرستی چھوڑ دی اور تمام  
 اعمال بد سے باز آئے۔ یہ بے ہمارا جرم جس کی وجہ سے ہماری قوم ہماری  
 دشمن بن گئی اور ہم کو مجبور کرتی ہے کہ پھر اسی گمراہی کی طرف لوٹ جائیں۔ پس  
 ہم اپنا ایمان اور اپنی جانیں لے کر آپ کی طرف ہجرت کر آئے ہیں۔ یہ ہے  
 ہماری روداد۔“

بات سچی ہو اور کہنے والا دلی جذبات سے کہے تو لازماً وہ اثر کرتی ہے۔ نجاشی کا دل نرم  
 ہو گیا۔ اس نے قرآن سننے کی فرمائش کی۔ حضرت جعفر نے سورہ مریم کا ایک حصہ پڑھا۔ آیات الہی  
 کو سن کر نجاشی کی آنکھیں ڈبڈبائی گئیں۔ وہ پکارا اٹھا، ”خدا کی قسم، یہ کلام اور انجیل دونوں ایک  
 ہی چراغ کے پتے تو ہیں“ بلکہ مزید کہا کہ ”محمدؐ تو وہی رسول ہیں جس کی خبر یسوعؑ مسیح نے دی  
 تھی۔ اللہ کا شکر ہے کہ مجھے اس رسولؐ کا زمانہ ملا“ ساتھ ہی فیصلہ سنا دیا کہ مہاجرین کو واپس  
 نہیں کیا جاسکتا۔

نالامی کی چوٹ کھا کر مکہ کے سفیروں نے درباریوں اور پادریوں سے مشورہ کر کے طے  
 کیا کہ کل پھر دربار میں مسلمانوں سے حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں ان کا عقیدہ نمایاں کرایا  
 جائے، ممکن ہے نجاشی کے اندر تعصب کی آگ بھڑک اٹھے۔ دوسرے دن دربار میں جا کر  
 عمرو بن العاص نے یہی کیا اور بادشاہ کے کان بھرے کہ مسلمان حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام  
 کے متعلق بڑا خراب عقیدہ رکھتے ہیں۔ نجاشی نے دوبارہ مسلمانوں کو بلوایا اور ان سے  
 پوچھا۔ مسلمانوں کا پھر یہی فیصلہ تھا کہ نتیجہ چاہے کچھ بھی ہو، بات وہی کہی جائے جو حق

ہے جنت جنت جنت نے دربار میں کہا:

”ہمارے پیغمبر نے بتایا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بندے اور

پیغمبر ہیں اور کلمۃ اللہ ہیں“

بخاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا! ”واللہ! جو تم نے کہا ہے، عیسیٰؑ

اُس سے اس تنکے بھر بھی زیادہ نہیں ہیں“ حکم دیا کہ تمام تحائف اہل مکہ کو واپس کر

دیے جائیں۔

مکہ کے سفیر منہ لٹکائے واپس آگئے۔

## حالات کا شدید و جز

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کوئی کام جیبا ترقی کرتا ہے تو حاسدوں اور معاندوں کی مخالفت اور بڑھ جاتی ہے۔ یہی نہ میں ہوا۔ دو اہم شخصیتوں کا خدا پرستوں کی پارٹی میں آملنا جہاں قائدِ انسانیت اور آپ کے رفقاء کے لیے باعثِ تقویت ہوا۔ وہاں تحریکِ اسلامی کی اس نئی جست نے محاذِ مخالف کو اور زیادہ متحرک کر دیا۔

حضور کے محبوب چچا حضرت حمزہؓ دوسرے سرداروں کی طرح نہ غنا میں پڑے اور نہ کسی ظالمانہ کارروائی میں حصہ لیا۔ مگر چونکہ ان کا مشغلہ زیادہ تر سیر و شکار تھا، اس وجہ سے دعوتِ نظامِ حق پر بھی پوری توجہ نہ ہوئی تھی۔ ایک دن حسبِ معمول شکار سے واپس آ رہے تھے کہ عبداللہ بن جدعان کی لونڈی راستے میں ملی اور اس نے طعنہ دیتے ہوئے کہا۔  
 ”ابو عمارہ! کاش تم حضورؐ کی دیر پہلے آتے تو دیکھتے کہ ابو جہل نے تمہارے بھتیجے محمدؐ کے ساتھ کیا سلوک کیا۔“ پھر تفصیل بتائی کہ محمدؐ کو وہ صفا کے پاس سے گزر رہا تھا کہ ابو جہل نے اس پر سب و شتم کی بوچھاڑ کر دی۔ پھر اس پر مٹی اور گوبر پھینکا اور جسمانی ایذا بھی پہنچائی۔ وہ کہنے لگی! ”افسوس کہ بنو ہاشم کے اس یتیم کی حمایت میں کوئی ہاتھ بلند نہیں ہوا۔“ حضرت حمزہؓ

جوشِ غضب کے عالم میں کمان ہاتھ میں لیے کعبہ کی طرف پلکے۔ ابو جہل ابھی وہیں تھا اور قریش کے حلقہ میں لاف زنی کر رہا تھا۔ حضرت حمزہؓ نے آگے بڑھ کر اپنی کمان اس زور سے اس کے سر پر ماری کہ وہ لہو لہان ہو گیا۔ ساتھ ہی کہا کہ تم محمدؐ کو گالیاں دیتے ہو۔ آج سے میرا دین بھی وہی ہے جو محمدؐ کا ہے۔ تجھ میں ہمت ہے تو مجھے اس سے روک کے دیکھ۔ بنو مخزوم کے کچھ لوگ ابو جہل کی حمایت کے لیے اٹھے، مگر خود ابو جہل نے ان کو روکا کہ ابو عمارہ کو چھوڑ دو، میں نے واقعی آج اس کے بھتیجے کو بہت گالیاں دی ہیں۔ اس لیے اس کو غصہ آ گیا ہے۔ یہاں سے حضرت حمزہؓ سیدھے حضورؐ کی خدمت میں پہنچے اور کہا کہ ”بھتیجے خوش ہو جاؤ کہ میں نے عمرو بن ہشام سے تمہارا بدلہ لے لیا ہے۔“ جواب ملا کہ ”چچا جان میری خوشی تو اس میں ہے کہ آپ بت پرستی ترک کر کے دینِ حق کو اختیار کر لیں۔“ غور فرمائیے اپنے ذاتی جذبات کی تسکین کا کوئی شوق نہیں، حضورؐ کو صرف دین کی ترقی اور ایک قرابت دار انسان کی فلاح و سعادت منظور ہے۔ حضرت حمزہؓ رات بھر بہت مضطرب رہے، صبح رسولؐ اکرم کی خدمت میں جا کر دینِ حق کو قبول کر لیا۔ حضرت حمزہؓ کے اسلام کی خیر مشرکین مکہ کے لیے رنج و اضطراب کا باعث ہوئی، مگر محمدؐی انقلاب کے علمبرداروں میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔

اس واقعہ کے ردِ عمل نے ابو جہل کے عناد کو اور بھڑکا دیا۔ غیظ و غضب میں اس نے اعلان کر دیا کہ جو شخص محمدؐ کو قتل کرے اس کا سر میرے پاس لائے گا، سو سرخ اونٹ یا ہزار اوقیہ چاندی انعام میں دوں گا۔ خاص طور پر ابو جہل نے حضرت عمرؓ کو جو اس کے نوجوان بھانجے تھے، بہت مشتعل کیا۔ عمرؓ تلوار سونت کر اٹھے کہ اچھا میں اس کام کو انجام دوں گا۔

سیدھے خانہ ارقم کی طرف چلے۔ راستے میں ان کے ایک ہم قبیلہ دوست نعیم بن عبد اللہ مل گئے۔ ان کے پوچھنے پر حضرت عمرؓ نے بتایا کہ محمدؐ کو قتل کرنے جا رہا ہوں۔ نعیم نے کہا کہ پہلے اپنے گھروالوں کی تو خبر لو۔ عمرؓ نے جبریت سے پوچھا، ”میرے کون سے گھروالے؟“ نعیم نے بتایا کہ تمہاری بہن فاطمہؓ اور بہنوئی سید بن زید دونوں مسلمان ہو چکے ہیں اور داعی فلاح انسانیت کے پیروں میں شامل۔

حضرت عمرؓ نے خانہ ارقمؓ کا خیال چھوڑ کر اپنے بہنوئی کے گھر کا رخ کیا۔ میاں بیوی دونوں حضرت خباب بن الارتؓ سے قرآن سیکھ رہے تھے۔ دروازے پر زور سے دستک ہوئی۔ محسوس ہو گیا کہ یہ عمرؓ کی دستک ہے۔ خباب بن الارتؓ گھر کے پھلے حصے میں چلے گئے، قرآن کے اوراق حضرت فاطمہؓ نے چھپا دیے۔ پھر دروازہ کھول دیا گیا۔

حضرت عمرؓ نے غضبناک ہو کر کہا! میں نے سنا ہے کہ تم دونوں مسلمان ہو گئے ہو۔ تمہیں اس حرکت کا مزہ چکھانے آیا ہوں۔ پھر وہ حضرت سعیدؓ پر ٹوٹ پڑے۔ لمبے بال پکڑ کر ان کو زمین پر دے مارا اور بے تحاشا پینا شروع کر دیا۔ حضرت فاطمہؓ شوہر کو چھڑانے کے لیے اگے بڑھیں تو بھائی کے ڈنڈے کی ایک ضرب فاطمہؓ کے چہرے پر پڑی۔ وہ لہو لہان ہو گئیں۔ مگر عزم و ثبات کا یہ عالم تھا کہ پکارا مٹھیں: "ہاں ہم نے اسلام کو اختیار کر لیا ہے، رسول اللہؐ کی پیروی میں داخل ہو گئے ہیں۔ اب تو جو کچھ چاہے کر لے، یہ نقش ہدایت ہمارے سینوں سے نہیں مٹ سکتا۔"

خون میں نہائی ہوئی بہن نے ڈبڈبائی آنکھوں کے ساتھ یہ عزیمت مندانہ فقرہ کہہ کر تو میرے کا جگر پھول کی پتی سے کٹ گیا۔ غصہ کی جگہ ندامت نمودار ہو گئی۔ پیار سے کہنے لگے اچھا تو جو کچھ تم پڑھ رہے تھے، مجھے بھی دکھاؤ۔ حضرت فاطمہؓ نے کہا کہ مجھے ڈر ہے کہ تم اس کو ضائع کر دو گے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے معبودوں کی قسم کھا کر کہا کہ میں اسے پڑھ کر واپس کر دوں گا۔ حضرت فاطمہؓ کو اب کچھ امید بندھی کہ شاید بھائی ہدایت کی راہ اختیار کر لے۔ پھر انھوں نے کہا کہ عمرؓ! یہ خدا کا کلام ہے، جب تک تم غسل کر کے بدن پاک نہ کرو، اسے چھو نہیں سکتے۔ حضرت عمرؓ نے غسل کیا۔ حضرت فاطمہؓ نے اوراق سامنے لارکھے۔ روایات میں دو سورتوں کے نام ہیں۔ کہا گیا ہے کہ ان اوراق میں سورہ طہ لکھی ہوئی تھی، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ الحدید تھی۔ یہ ہر حال بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھتے ہی ان کے جسم پر لرزہ طاری ہوا۔ پھر جوں جوں تلاوت کرتے گئے قرآن کی شوکت بیان اور فصاحت و بلاغت حضرت عمرؓ کو مسحور کرتی گئی۔ یہاں تک کہ وہ اشک آلود آنکھوں سے پکارا مٹھے: اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ۔

اب حضرت خباب بن الارت سامنے آگئے۔ انھوں نے کہا عمر! مبارک! حضور نے کل ہی دُعا مانگی تھی کہ الہی، عمرو بن ہشام (ابو جہل) یا عمر بن الخطاب میں سے جس کو تو چاہے، دارہ اسلام میں بھیج!

حضرت خباب کے ساتھ عمرؓ دارہ قرظ پہنچے۔ داخل ہوئے تو حضورؐ نے پوچھا: عمر! کس نیت سے آئے ہو؟ مرعوبیت کی کیفیت میں دھیمی آواز میں کہا: اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لانے کے لیے! یہ سن کر حضورؐ کے تمام صحابہ فرطِ مسرت سے اللہ اکبر پکار لگے۔

دوسری روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام پہلے ہی سے حضرت عمرؓ کے دل میں راتہ رات بنا رہا تھا۔ ان کی اندرونی کش مکش ہی ان کو شدید سبجان تک لے آئی، اور پھر واقعات نے یکایک ان کی کابا پلٹ دی۔ خاص بات یہ ہے کہ عین دور تشدد کے نصف النہار میں حضرت عمرؓ اسلام لائے۔ عمرؓ جیسی شخصیت انقلاب سے دوچار ہو تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ماحول میں کوئی نیامد و جزر نہ پیدا ہو۔ انھوں نے غور کر کے اندازہ کیا کہ قریش میں جمیل بن مُعمر جُمحی بات کو اچھی طرح پھیلا سکتا ہے۔ صُبح صُبح اس کے ہاں پہنچے اور اسے بتایا کہ میں محمدؐ کے دین میں داخل ہو گیا ہوں۔ جمیل جلدی سے چادر سمیٹتا مسجدِ حرام میں پہنچا اور گلا پھاڑ کر اعلان کیا کہ اے گروہ قریش! عمرؓ بن خطاب صابی ہو گیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے پکار کر کہا، یہ غلط کتا ہے، میں مسلمان ہوا ہوں۔ اہل قریش ان پر ٹوٹ پڑے۔ حضرت عمرؓ تن تنہا خوب رڑے۔ اسی اثنا میں ایک قریشی سردار عاص بن وائل سہمی پہنچا۔ اس نے معلوم کیا کہ معاملہ کیا ہے۔ بات سمجھ لی تو کہا کہ اس شخص نے اپنے لیے ایک راستہ پسند کر لیا ہے تو اب تم کیا چاہتے ہو۔ بنو عدی بن کعب سے لڑائی مول لیتے ہو؟ پھر انھوں نے حضرت عمرؓ کو اپنی پناہ میں لے لیا۔ حضرت عمرؓ نے مار تو کھائی مگر حرم میں علی الاعلان نماز ادا کرنے کا اعلان کر دیا۔ دوسرے مسلمان بھی نماز کے لیے حرم میں جمع ہونے لگے۔ حالات میں کتنی بڑی تبدیلی تھی!

دشمنانِ حق اپنی ساری تدبیروں کے علی الرغم یہ منظر دیکھ رہے تھے کہ حق کا سیلاب آگے نہی آگے بڑھ رہا ہے اور ایک انقلاب چپکے چپکے بڑی شخصیتوں کو اپنی لپیٹ میں لے رہا ہے۔ اب انھوں نے اس تبدیلی کے سامنے بند باندھنے کے لیے ایک نیا قدم اٹھایا۔

ساتویں سال نبوت کے محرم میں مکے کے تمام قبائل نے مل کر ایک معاہدہ کیا کہ خاندان بنو ہاشم سے مکمل بائیکاٹ کیا جائے، نہ ان سے قرابت رکھی جائے، نہ شادی بیاہ کا تعلق، نہ لین دین، نہ ملنا جلنا اور نہ کھانے پینے کا کوئی سامان ان تک پہنچنے دیا جائے۔ یہاں تک کہ بنو ہاشم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے سپرد کر دیں کہ ہم انہیں قتل کر دیں۔ معاہدہ تحریر ہی تھا۔ یہ دو درتین برس کے بعد ختم ہوا۔

بنو ہاشم بے بس ہو کر شعب ابی طالب میں پناہ گزیں ہو گئے۔ گویا پورا خاندان تخریب اسلامی کے داعی اعظم کی وجہ سے ایک طرح کی قید یا نظر بندی میں ڈال دیا گیا۔ اس نظر بندی کا دور تقریباً ۳ برس کا تھا۔ اس دور میں جو احوال گزرے ان کو جان کر پتھر بھی لگھنے لگیں۔ درختوں کے پتے تک کھائے گئے۔ سوکھے چرے کے ٹکڑے اباں اباں کر شکم پُری کی گئی۔ معصوم بچے جب بھوک کے مارے بلکتے تو قریش ان کی آوازوں پر خوشی سے جھوم اٹھتے۔ ایک مرتبہ حکیم ابن حزام نے اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ کی خدمت میں کچھ گئیوں اپنے غلام کے ہاتھ چوری چھپے بھیجے۔ راستہ میں ابو جہل نے دیکھ لیا اور گئیوں چھیننے کے درپے ہوا۔ ابو البختری کا گزرا ہوا۔ اس نے ابو جہل سے کہا کہ چھوڑو بھی، پھینچے نے پھوپھی کے لیے گئیوں بھیجے ہیں تو کیا ہوا۔ اسی طرح ہشام ابن عمرو بھی چوری چھپے نظر بندوں کے لیے کچھ غلہ بھجاتے۔ یہی ہشام بن عمرو اس ظالمانہ معاہدے کی تسخیر کے لیے اٹھا۔ اصل میں ایک ظلم جب مسلسل جاری رہتا ہے تو آہستہ آہستہ انسانی فطرت اس کے خلاف اچھے جذبات ابھارتی ہے۔ یہ شخص زہیر بن ابی امیہ کے پاس گیا اور بڑی موثر گفتگو کی۔ پھر اس نے مطعم بن عدی کے ساتھ ملاقات کی۔ پھر ابو البختری اور زمعہ بن الاسود کو ہموار کیا گیا۔

ہاشم نے اپنے حامیوں کے مشورے سے پوری اسکیم بنانے کے بعد ایک دن کعبہ کا طواف کیا اور فارخ ہو کر لوگوں کے مجمع کی طرف آیا اور کہا کہ مکہ والو! کیا یہ زیبا ہے کہ ہم کھانے کھائیں اور لباس پہنیں اور بنو ہاشم بھوک سے تڑپ رہے ہوں مگر وہ کچھ خرید بھی نہ سکیں۔ پھر اس نے چیلنج کے طور پر کہا کہ "خدا کی قسم! میں اس وقت تک نہ بیٹھوں گا، جب تک کہ تعلقات کو توڑ دینے والی اس ظالمانہ تحریر کو پارہ پارہ نہ کر دوں"



ابو جہل بھٹا اٹھا اور چیخ کر بولا: ”جھوٹے ہو تم۔ خدا کی قسم! تم اسے پھانسی نہیں سکتے،“  
 زمعہ ابن الاسود نے ابو جہل کو جواب دیا: ”تم خدا کی قسم، سب سے بڑھ کر جھوٹے  
 ہو۔ یہ معاہدہ جس ڈھب سے لکھا گیا ہے، ہم اسے پسند نہیں کرتے“ ابو البختری بھی بول  
 پڑا: ”ٹھیک کہتا ہے زمعہ ابن الاسود، نہ ہم اس کو پسند کرتے ہیں اور نہ اس کو مانتے ہیں“  
 مطعم نے بھی تائید کی۔ ہشام نے بھی تائید مزید کی۔ اکثریت کو یوں مخالف پا کر جب ابو جہل  
 نے دیکھا کہ مٹی پاؤں تلے سے نکل گئی ہے تو وہ بے بس ہو گیا۔ اب معاہدے کو دیوارِ کعبہ  
 سے لوگ اتارنے کو گئے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اسے دیک چاٹ چکی تھی۔ صرف  
 ”بِاسْمِكَ اللَّهُمَّ“ کے الفاظ باقی تھے۔ حفیظ جالندھری کے لفظوں میں ع

جو فانی تھا سو فانی تھا، جو باقی تھا سو باقی تھا

دورِ نفلِ بندن کا خاتمہ ہو گیا اور خدا کا وہ نبی جو ساری انسانیت کا محسن تھا، اپنے گھرانے  
 سمیت آزادی کی فضا میں داخل ہوا۔ یہ نبوت کا دسواں سال تھا جب کہ پہلے سے بھی سخت  
 تر دور کا آغاز ہونے والا تھا۔ اس سال میں اولیں ساتھ یہ پیش آیا کہ حضرت علیؑ کے والد  
 جناب ابوطالب کی وفات ہو گئی۔ دوسرا صدمہ حضرت خدیجہؓ کی رحلت کا تھا۔ ابوطالب  
 مخالفین کے مقابلے میں حضورؐ کے لیے ڈھال بنے رہے۔ حضرت خدیجہؓ محض حضورؐ کی  
 بیوی ہی نہ تھیں، بلکہ اولیں مومنہ تھیں اور صحیح معنوں میں مونس و نمگسارِ آخر دم تک  
 سچی رفاقت کا حق ادا کر گئیں۔ تحریکِ اسلامی کے لیے مال بھی خرچ کیا۔ قدم قدم پر مشورے  
 بھی دیے، ہمت بھی دلائی، تعاون بھی کیا، اور انھی کے لطف سے حضورؐ کی اولاد ہوئی۔  
 ان دو ظاہری سہاروں کے ہٹ جانے کی وجہ سے مخالفت کا طوفان اور زیادہ  
 شدت پکڑ گیا۔ مشیت نے شاید یہ چاہا ہو کہ سچائی اپنا راستہ آپ بنائے۔ نیکی اپنی حفاظت  
 خود کرے۔

مذکورہ دو عزم انگیز واقعات کی وجہ سے اس سال کو عام الحزن یا سالِ اندوہ کہا جاتا  
 ہے۔ اس سال کے بعد ظلم اور تضجیک کی کارروائیاں تیز تر کر دی گئیں۔

اب قریش اتہائی ذلیل حرکتوں پر اتر آئے۔ لونڈوں کے غول حضورؐ کے پیچھے لگا دیے

جاتے، جو شور مچاتے اور نماز کے دوران تالیاں پیٹتے اور سیٹیاں بجاتے۔ راستہ چلتے ہوئے حضورؐ پر غلاظت پھینک دی جاتی۔ گالیاں دی جاتیں، پھبتیاں کسی جاتیں۔ بعض خبیث الفطرت ایسے بھی تھے جو حضورؐ پر تھوک دیتے۔

ایک بار ابولہب کی بیوی امّ جمیل پتھر لیے حضورؐ کی جستجو میں حرم تک آئی کہ بس ایک ہی وار میں کام تمام کر دے۔ مگر حضورؐ کے موجود ہونے کے باوجود وہ نہ دیکھ سکی۔ اس نے یہ لغو شعر آپ کے بارے میں کہے۔ ع۔

مَذْمَمًا عَصِينَا وَامْرَأَ ابْنِنَا وَدَيْتَهُ قَلِينَا

یعنی ہم نے مذمّم شخص سے روزگردانی کی، اس کی دعوت کا انکار کیا اور اس کے دین سے نفرت کی۔

حضورؐ کو محمدؐ کے بجائے مذمّم کہہ کر بھڑاس نکالی گئی تھی۔ اس پر حضورؐ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے سب دشمن سے مجھے یوں پچاتا ہے کہ یہ مذمّم کو گالی دیتے ہیں، جب کہ میرا نام محمدؐ ہے۔

ایک بار ابو جہل حضورؐ کو پتھر سے ہلاک کرنے کا ارادہ کر کے پہنچا، مگر خدا نے ایسی ہیبت طاری کی کہ وہ کچھ نہ کر سکا۔

ایک مرتبہ پوری ٹولی بیٹھی تھی کہ حضورؐ کا گزر ہوا۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا تم ایسا اور ایسا کہتے ہو۔ حضورؐ نے حق پرستانہ جرات کے ساتھ کہا کہ ہاں میں ایسا کہتا ہوں۔ پوری ٹولی آپ پر ٹوٹ پڑی۔ جب حملہ آور رک گئے تو پھر ان سے فرمایا کہ ”میں تمہیں پیغام دیتا ہوں کہ تم ذبح ہو جانے والے ہو“

حضرت عثمانؓ بن عفّان بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرمؐ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے۔ قریش کے چند سردار حطیم میں بیٹھے تھے۔ جب حضورؐ ان کے سامنے سے گزرتے تو وہ کلماتِ بد زبانوں پر لاتے۔ تین بار ایسا ہوا۔ آخری مرتبہ حضورؐ نے چہرہ متغیر کے ساتھ کہا کہ ”بخدا تم بغیر اس کے باز نہ آؤ گے کہ خدا کا عذاب جلد تم پر ٹوٹ پڑے“ حضرت عثمانؓ کہتے ہیں کہ ہیبتِ حق تھی کہ ان میں سے ہر شخص لرز رہا تھا۔ اپنی بات کہہ

کر حضور گھر کو چلے تو حضرت عثمانؓ اور دوسرے لوگ ساتھ ہو لیے۔ اس موقع پر حضور نے فرمایا:

”تم لوگوں کو بشارت ہو کہ اللہ تعالیٰ یقیناً اپنے دین کو غالب کرے گا۔  
اپنے دین کی مدد کرے گا اور یہ لوگ جنہیں تم دیکھتے ہو، اللہ ان کو بہت  
جلد تمہارے ہاتھوں سے ذبح کرائے گا۔“

بظاہر ماحول کتنا یا اس انگیز تھا، مگر نگاہ نبوت مستقبل کو دیکھ کر ایسے ہی ماحول  
میں ایک حتمی بشارت دے رہی تھی۔

## سفر طائف

حضور محسن انسانیت، محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز علی الصبح گھر سے نکلے اور فلاح و سلامتی کا خدائی پیغام سنانے کے لیے مختلف محلوں اور کوچوں میں پھرے، لیکن پورا دن اس طرح گزرا کہ آپ کو ایک شخص بھی ایسا نہ ملا جو بات سُننا، مخالفین نے اسے یہ بتائی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جب کوئی آتا دیکھے تو ادھر ادھر ٹھک جانے۔ اگر کوئی ملا بھی تو اُس نے استہزاء اور غنڈہ گردی کا مظاہرہ کیا جن کی بھلائی کے لیے حضور کو چہ پیمائیاں کرتے تھے، وہ اپنے بھلے سے خود گمراہاں تھے۔ اس روز جب آپ گھر واپس آئے تو طبیعت میں سخت گٹھن تھی۔ اس کے دوسرے معنی یہ تھے کہ مکہ کی کھیتی اب بنجر ہوتی جا رہی تھی۔ تمام جوہر قابل حضور کے گرسٹ چکا تھا۔ باقی زیادہ تر کوڑا کرکٹ رہ گیا تھا۔ غالباً اسی تکلیف وہ تجربے کے ذریعہ اپنے مکہ سے باہر جا کر دعوت پھیلانے کا پروگرام بنایا۔ مکہ دعوتِ حق کے لیے کچھ ایسا بنجر ہو گیا تھا کہ نیا میدان تلاش کرنے کے لیے ایک دن زید بن حارثہ کو ساتھ لے کر سرد عالم طائف روانہ ہو گئے۔

یکٹھن سفد پیدل طے کیا اور راستے میں جو قبائل آباد تھے، ان کے سامنے فرمانِ روائے کائنات

کی ہدایت رکھی۔ آنے جانے میں قریباً ایک مہینہ لگ گیا۔

طائف بڑا سرسبز خطہ تھا۔ وہاں خوش حالی تھی، اس لیے خدا فراموشی اور اخلاق سے بے نیازی بھی زور پر تھی۔ پھر سو دغوری کی عادت نے اہل طائف کے انسانی جذبات کو خاصا دبا دیا تھا۔ طائف پہنچ کر حضورؐ نے بنو ثقیف کے سرداروں سے ملاقات کی۔ یہ تھے عبدالمطلب، مسعود اور حبیب۔ ایک کے گھر میں اہل قریش کی ایک عورت بنو جمح میں سے تھی۔ حضورؐ نے ان کو بڑی خوبصورتی سے اللہ تعالیٰ کے دین کی تلقین کی اور ان سے حمایت طلب کی۔ یہ بالکل الٹی کھوپڑی کے نکلے۔ ایک نے کہا: ”اگر واقعی خدا نے ہی تم کو بھیجا ہے تو پھر وہ کعبہ کا غلاف پارہ پارہ کرنا چاہتا ہے“ دوسرا بولا: ”ارے، کیا خدا کو تمہارے علاوہ رسالت کے لیے کوئی مناسب آدمی نہ مل سکا؟“ اور تیسرے نے یوں زبان کھولی: ”میں تو تم سے بات نہیں کروں گا۔ اگر تم واقعی رسول ہو تو تم ایسے آدمی کو جو اب دینا بے ادبی ہے، اور اگر تم نے خدا پر انقرا نہ دھا ہے تو تم اس قابل نہیں ہو کہ بات کی جاوے“

زہر میں بچھے ہوئے یہ تیر حضورؐ کے ذہن میں گڑ گئے، مگر آپ نے بڑے تحمل سے فرمایا کہ اچھا، خیر، تم اپنی یہ باتیں اپنے ہی تک رکھو اور عام لوگوں میں نہ پھیلاؤ۔

مگر ان شتمگروں نے اپنے ہاں کے گھٹیا اور بازاری ٹونڈوں اور نوکروں اور غلاموں کو ہشکا کر آپ کے پیچھے لگا دیا کہ جاؤ اس شخص کو بستی سے نکال آؤ۔ غنڈوں کی ٹولی آپ کے آس پاس جمع ہو گئی۔ گالیاں دینے اور تالیاں پیٹنے کے علاوہ یہ لوگ حضورؐ پر سارے ہتھے۔ خاص طور سے تاک کہ ٹخنوں پر مارتے تاکہ زیادہ اذیت پہنچے۔ حضورؐ جب نڈھال ہو کر بیٹھ جاتے تو طائف کے غنڈے بازو سے پکڑ کر اٹھا دیتے۔ پھر وہی سنگ باری اور دلا زاری۔ خون بہت بہ رہا تھا اور حضورؐ کی جو پتیاں اندر باہر سے لہو سے بھر گئیں۔ ایک ہجوم تماشائیوں کا بھی جمع ہو گیا۔ سردارانِ ثقیف کی غنڈہ ٹیم نے آپ کو شہر سے نکال کر عقبہ اور شیبہ کے باغ تک پہنچا دیا۔ آپ نے بالکل بے دم ہو کر انگور کی ایک بیل کے تنے سے ٹیک لگالی۔ زہر بدن حارثہ نے کچھ خون صاف کیا، کچھ بدن کو سہلایا۔ باغ کے مالک آپ کو کچھ دوسے دیکھ رہے تھے اور جو افسوس ناک واقعہ گزرا تھا اسے بھی کسی قدر دیکھ چکے تھے۔ اسی موقع پر آپ

نے اپنی مشہور طویل دعا پڑھی جس کا ایک حصہ یہ ہے،

”والہی! اپنی قوت کی کمی، اپنی بے سروسامانی اور لوگوں کے مقابلے میں اپنی بے بسی کی فریاد تجھی سے کرتا ہوں۔ تو ہی میرا مالک ہے، آخر تو مجھے کس کے حوالے کرنے والا ہے؟ کیا اُس حریف کے، جو مجھ سے تڑپ رومی کے ساتھ پیش آتا ہے، یا ایسے دشمن کے جو میرے معاملے پر قابو پائے ہوئے ہے؟ لیکن اگر مجھ پر تیرا غضب نہیں تو پھر مجھے کچھ پروا نہیں۔ تیرے ہی نور و جمال کی پناہ طلب کرتا ہوں جس سے ساری تاریکیاں روشن ہو جاتی ہیں اور جس کے ذریعے دین و دنیا کے حیلہ معاملات سنور جاتے ہیں۔۔۔۔۔ بجز تیرے، کہیں سے کوئی قوت و طاقت نہیں مل سکتی۔“

باغ کے مالکوں نے اپنے غلام عداس کے ہاتھ ایک طشتری میں انگور بھجوائے۔ آپ نے بسم اللہ پڑھ کر ہاتھ بڑھایا تو یہ الفاظ سُن کر غلام حیران ہوا، پھر جب اسے باقوں باتوں میں حضور کے نبی ہونے کا علم ہوا تو ہاتھ پاؤں جو منے لگا۔ ایک رنگ طائف کے سرداروں کا تھا اور ایک نمونہ اس غلام کا! غلام جب واپس باغ والوں کے پاس پہنچا تو اُنھوں نے اسے ڈانٹا کہ تم ہاتھ پاؤں کیوں جو م رہے تھے۔ دیکھو، اپنے دین سے نہ پھر جانا۔ عداس نے کہا کہ ”اس سے بڑھ کر زمین میں کوئی چیز بھلی نہیں۔ اس شخص نے مجھے ایک ایسی بات بتائی ہے جسے نبی کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔“

وہاں سے زید بن حارثہ نے آپ کو کندھوں پر اٹھا کر قرن الشعالب کے مقام تک پہنچایا، جہاں خون کو دھویا اور آپ نے کچھ آرام لیا۔ یہاں زید بن حارثہ نے عرض کیا کہ طائف والوں کے لیے بددعا کیجیے۔ حضور نے انکار فرما دیا اور مستقبل کا تصور کر کے ارشاد کیا کہ اگر یہ لوگ خدا پر ایمان نہیں لاتے تو امید ہے کہ ان کی نسلیں ضرور خدائے واحد کی پرستار ہوں گی۔ سوچئے! کتنے لوگ ہوں گے جو کسی کے حق میں نیکی کرنے جائیں اور آگے سے تو ہیں امیرِ ظالمانہ سلوک ہو تو پھر بھی ان کے جذبات میں کوئی اشتعال نہ آئے اور کوئی جذبہ انتقام نہ اُبھرے۔ ایک اسی واقعہ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ انسانیت کی خدمت کرنے کے لیے جو ہستی اٹھی

تھی وہ کتنی عظیم دہر تر تھی۔

قرن الثعالب سے دو افراد کا یہ قافلہ نخلہ کو روانہ ہوا۔ یہاں کسی موقع پر جبریل آئے اور بتایا کہ پہاڑوں کا انچارج فرشتہ حاضر ہے۔ اگر آپ اشارہ کریں تو وہ ادھر اور ادھر کے پہاڑوں کو ملا دے اور مکہ اور طائف دونوں کو پس کر رکھ دے۔ مگر آپ نے یہ پیشکش قبول نہیں فرمائی۔

پھر اسی سفر میں ایک مقام پر جنوں کی ایک جماعت آکر قرآن سننی ہے اور حضورؐ کے ہاتھ پر ایمان لاتی ہے۔ اس طرح خدا نے حضورؐ پر یہ واضح کیا کہ اگر تمام انسان دعوتِ حق کو رد کر دیں تو ہماری اور مخلوقات ایسی موجود ہیں جو آپ کی دعوت پر لبیک کہیں گی۔ نبی اکرمؐ کوئی دن نخلہ کے مقام پر رہے، پھر وہاں سے چلے تو سیدھے غارِ حرا میں پہنچے۔ یہاں سے مطعم ابن عدی کی حمایت میں آپ حرم میں تشریف لائے جب کہ عدی کے بیٹے ہتھیار لگا کر ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ شہر میں آکر پہلے آپ نے حرم میں نماز ادا کی پھر گھر تشریف لے گئے۔

طائف میں حضورؐ پر جو گزری، تاریخ کے اجمال نے اسے چند نقطوں میں سمیٹ کر ہم تک پہنچایا ہے۔ ان نقطوں سے ہم اُس کرب کا اندازہ نہیں کر سکتے جو حضورؐ کو وہاں کے سرداروں کی گھٹیا گفتگو اور غیر انسانی سلوک سے پہنچا، اور نہ ان زخموں کی ٹیسوں کو اپنے جسموں میں محسوس کر سکتے ہیں جو ٹخنوں پر لگنے والے پتھروں کا نتیجہ تھے۔ ایک بار حضرت عائشہؓ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! ”کیا آپ پر اُحد کے دن سے بھی سخت دن کوئی گزرا ہے؟“ فرمایا ”تیری قوم کی طرف سے اور تو جو تکلیفیں پہنچیں سو پہنچیں، مگر سب سے بڑھ کر سخت دن وہ تھا جب میں نے طائف میں عبدیایل کے بیٹے کے سامنے دعوت رکھی اور اس نے اسے رد کر دیا۔ اس درجہ صدمہ ہوا کہ قرن الثعالب کے مقام تک جا کر بمشکل طبیعت سنبھلی“

طائف سے واپس آکر حضورؐ محسنِ انسانیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بجائے اسکے کہ دل تلکتے

ہو کر بیٹھ رہتے، آپ نے اور زیادہ سرگرمی سے کام شروع کر دیا۔ خدا کے اولوالعزم پیغمبر جو دنیا بھر کے خیر خواہ ہوتے ہیں اور پوری نوع انسانی کے لیے فلاح و سعادت کی راہیں کھولنے کو اُبھٹتے ہیں، ان کی غریمت و بصیرت ایک راستہ بند ہونے پر نیا راستہ نکال لیتی ہے۔

حضور نے جب مکہ کے بعد طائف کو بھی خبر پایا تو یہ طریقہ اختیار کیا کہ شہر مکہ سے باہر کسی بھی ایسے راستے پر نکل جاتے جس پر آمد و رفت ہوتی ہو۔ کوئی بھی مسافر باہر سے آتا، اسے اپنا مقام اور پیغام بتاتے۔ اور کبھی کسی مضافاتی بستی میں جا کر وہاں کے قبیلے کے سردار سے بات کرتے۔ نیز مکے کے ارد گرد کے ۱۲، ۱۵ قبائل تک اپنی دعوت پہنچانی۔

اس زمانے میں آپ قبیلہ کنزہ کی بستی میں چلے گئے۔ قبیلہ کا سردار یلیح تھا۔ اسی طرح قبیلہ ابو عبد اللہ تک بھی پہنچے۔ وہاں بڑے دلچسپ طریقے سے گفتگو کی۔ فرمایا: تم لوگوں کے جدِ اعلیٰ کا نام عبد اللہ تھا۔ تم اس نام کی لاج رکھو، اور اس نام کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھال لو۔

پھر کسی موقع پر آپ قبیلہ بنو ضیفہ کے علاقے میں پہنچے۔ اس قبیلے والوں نے آپ کے ساتھ طائف والوں سے بھی بڑھ کر برا سلوک کیا۔ یاد رہے کہ مُسیلمہ کذاب، جس نے بعد میں نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا، اسی قبیلے کا سردار تھا۔

باقی مختلف قبائل کے لوگوں سے موسم حج میں، ان کی قیام گاہوں پر جا جا کر ان سے ملاقاتیں کیں اور دعوت دی۔ یہ سلسلہ پہلے کی طرح جاری رہا۔

زمانہ و وقت کی بحث سے قطع نظر، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ بنو عامر بن صعصعہ کے پاس گئے اور ان کے سردار بیخراہ بن فراس کو اسلام کی دعوت دی۔ بیخراہ نے پوچھا کہ اگر میں آپ کا ساتھ دوں اور آپ کو مخالفین پر غلبہ حاصل ہو جائے تو کیا آپ کے بعد حکومت مجھے ملے گی؟ حضور نے جواب دیا کہ ”یہ تو اللہ کے اختیار میں ہے، وہ جسے چاہے گا میرا جانشین بنا دے گا۔“ دراصل بیخراہ بن فراس حضور کی دعوت کا یہ مضموم سمجھ رہا تھا کہ اس کے نتیجے میں حضور کی حکومت قائم ہو سکتی ہے حضور نے یہی سودا بازی سے انکار کر دیا۔ کیونکہ دین برحق کوئی متاعِ سودا گرانہ نہیں ہے۔

قبیلہ بنو ہذیل بن شیبان نے اسلام کے پیغام کو خوب توجیہ سے سنا۔ حضور کی بہت عزت



کی حضرت ابو بکر صدیقؓ بھی ہمراہ تھے حضرت صدیقؓ نے سردار قبیلہ منروق سے حضورؐ کا تعارف کرایا کہ جس نبیؐ کا چہرہ طرف ہے، وہ یہی ہیں۔ منروق نے حضورؐ سے پوچھا کہ آپ کا پیغام کیا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا: ”یہ کہ اللہ ایک ہے، اور میں اس کا رسول ہوں“ پھر سورہ النام کی آیت ۱۵۲ (قُلْ تَعَالَوْا أَنبِئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَدْعُونَ) کی تلاوت فرمائی۔ منروق کے ساتھ سردار مثنیٰ اور ہانی بن قیس بھی تھے۔ سیدانے کہا کہ ”کلام بہت اچھا ہے لیکن ہمارے لیے یکا یا... اپنے اعتقادات بدل لینا، اور اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ دینا بہت مشکل ہے۔ اس کے علاوہ کسری سے ہمارا معاہدہ ہے کہ ہم اس کے سوا کسی کے زبیر اثر نہ ہوں گے“ ان حضورؐ نے ان کی راست گفتاری کو بہت پسند فرمایا اور کہا کہ ”اپنے دین کی اللہ آپ مدد کرے گا“

۱۵۱۴ قبل تامل تک آپؐ جذبہ بے تاب سے اپنی دعوت پہنچانے گئے۔ مگر ان قبائل کی بدبختی کہ ان میں سے کوئی فرد بھی ایمان نہ لایا۔ گویا بظاہر اتنی بڑی تگ و تازہ اثر جاری تھی۔ اس کے باوجود کبھی بھی اسلام کے نظام رحمت کے داعی انہی پر بے دلی اور باپوسی کی کیفیت طاری نہیں ہوئی جو علی ماسعی کو روکنے کا باعث بنے۔

اذتیں جب اپنے معیار کو پہنچ گئیں اور تگ و تازہ کے باوجود مناشرے کی کھینتی میں دعوت کی تخم ریزی کرنے سے روئیدگی کا سلسلہ ختم ہو گیا تو اس کے صاف معنی یہ تھے کہ اب کوئی بڑا واقعہ ہونے والا ہے۔

## واقعہ معراج

قاعدہ ہے کہ جب حق کے دشمنوں کی ایذا رسانی حد سے بڑھ جاتی ہے اور جب دکھ اٹھانے والے خدا پرستوں کی رو میں پکالتی ہیں کہ ”خدا کی مدد کب آئے گی“ تو انہیں جو اب ملتا ہے کہ بس اب خدا کی مدد قریب آگئی ہے“ اسی اصول کے مطابق معراج کی عظیم الشان تقریب میں خدا کی طرف سے حضور کو مستقبل کے لیے واضح بشارتیں اور ہدایات دی گئیں۔

معراج کی حقیقت یہ ہے کہ حضور کو تریب الہی کا بلند مقام نصیب ہوا، عالم غیب کی سیر کرائی گئی، خاص خاص آیات و نشانات کا مشاہدہ کرایا گیا اور آنے والے دور نو کے لیے ہدایات دی گئیں۔

معراج ایک بڑا معجزہ ہے۔ حضور کو بہت سے معجزات دیے گئے لیکن مخالفین کی طرف سے بار بار کے مطالبہ معجزات پر بالعموم انکار کر دیا گیا۔ کیونکہ معجزہ دیکھ کر مخالفین ایمان نہیں لاتے بکہ اسے جادو کہہ کر مستوجب سزا ہو جاتے ہیں۔ دعوتِ محمدی کا اصل زور استدلال پر تھا، بہترین انسانی جذبات کو اپیل کرنے پر، کانرانہ دشمنانہ زندگی کی خرابیاں واضح کرنے پر، خدا پرستانہ کردار کا مظاہرہ کرنے پر اور مظالم کے مقابلے میں صبر دکھانے پر، کوشش یہ کی گئی کہ لوگ

حق کو چھانٹ پرکھ کر، اور حق کو حق سمجھ کر نہیں، اور باطل کو باطل سمجھ کر جھوٹیں، تاہم جہاں اور حبیب اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا حضور کو معجزات سے نوازا اور اہل ایمان اور ان کے مخالفین نے اپنے اپنے مزاج اور ظرف کے مطابق ان سے اثر لیا۔

معراج کا واقعہ ۱۰ھ میلادی اور ۱۰ھ بعثت میں پیش آیا۔ صحیح تاریخ کے تعین میں اختلافات حائل ہیں، بروایت مشہور تاریخ ۲۷ رجب تھی اور دن دوشنبہ کا۔ آنحضرتؐ ام ہانی کے مکان پر استراحت فرماتے کہ جبریل آئے، آپ کو جگا کر ساتھ لے گئے۔ حرم میں شوق صدر کر کے سینے کو پاک کیا اور وہ ایمان و حکمت سے بھر گیا۔ پھر سواری کے لیے براق نامی ایک جانور پیش کیا۔ وہ اتنا تیز رفتار تھا کہ ادھر حضورؐ اس پر سوار ہوئے اور ادھر بیت المقدس جا پہنچے۔ یہ گویا پہلی منزل تھی جہاں لانے کا مقصد یہ تھا کہ اسلام کی جس بین الاقوامی تحریک خیر و نلاح کا ایجا کرنے کے لیے آخری پیغمبر اٹھا تھا، اس تحریک کا ایک بڑا دیرینہ مرکز اسے دکھا دیا جائے اور سابق تائیدین دعوتِ حق سے ملاقات کرائی جائے۔ مسجد اقصیٰ میں پچھلے تمام انبیاء جمع تھے۔ انھوں نے محبت سے استقبال کیا اور دو رکعت نماز باجماعت ادا کی گئی جس کی امامت نبی آخر الزماں نے کی۔

خیر نماز ہو چکی تو جبریل حضورؐ کو سوار کر کے آسمانوں پر لے چلے۔ آخر تک مختلف افلاک کے دروازے خاص طور سے کھولے جاتے رہے۔ مختلف آسمانوں پر حضرت آدمؑ، حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت ادریسؑ، حضرت ہارونؑ اور حضرت موسیٰؑ اور آخر میں حضرت ابراہیمؑ سے خاص ملاقاتیں ہوئیں۔

سفر معراج میں رسولِ برحقؐ کو مختلف جرائم کے مجرمین کو عبرت ناک سزاؤں میں مبتلا دکھایا گیا۔

پھر جب قربِ خاص کا انتہائی مقام آیا تو قرآن کے دیے ہوئے علم کے مطابق حضورؐ پر خاص وحی کی گئی (خا وحی الی عیدہ ما اوحی)۔ یہ وحی کیا تھی؟ اسے قرآن میں تلاش کریں تو سورہ بقرہ کی آخری آیتوں کے علاوہ وہ زیادہ تر سورہ بنی اسرائیل میں مذکور ہے جس کا آغاز ہی تذکرہ اسرائاء سے ہوتا ہے۔

سورہ بنی اسرائیل میں مستقبل کی یہ خوشخبری شامل ہے کہ محمدی انقلاب کامیاب ہوگا،  
حق کا غلبہ ہو جائے گا اور باطل میدان چھوڑ دے گا۔

اس میں یہ واضح اشارہ بھی موجود ہے کہ مکہ والے حضور اور آپ کے رفقاء کو ہجرت پر  
مجبور کر دیں گے۔ سو ہجرت کی دعا کی تعلیم دی گئی۔ ہجرت کے بعد دور جہاد آئے گا۔

یہود کو براہ راست صاف صاف کہہ دیا گیا کہ تمہیں اپنے اعمال بد کی وجہ سے امامت  
عالم اور قیادت انسانیت سے معزول کیا جا رہا ہے۔ اب تمہارے لیے ایک ہی موقع ہے۔ تم اگر  
محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا کر ان کا ساتھ دو تو بچ نکلو گے، ورنہ برا حال ہوگا۔

کنارہ کہہ کر بھی تنبیہ کی گئی کہ اب وہ جو ردیہ اللہ کے رسول کی دعوت کے مقابلے میں  
اختیار کریں گے، اسی کے مطابق ان سے معاملہ کیا جائے گا۔ فیصلے کی گھڑی اب قریب آگئی ہے۔

اس موقع پر خدا کی طرف سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلامی نظام تمدن و معاشرت  
کے وہ اساسی اصول بتائے گئے جن کے مطابق اسلامی ریاست کو کام کرنا ہوگا۔ ان اصولوں کا  
اجمالی خاکہ یہ ہے:

(۱) اللہ کی توجیہ پر کابل ینین رکھو اور شرک سے اجتناب کرو۔

(۲) ماں باپ کی عزت و اطاعت کرو۔

(۳) رشتہ داروں، مسکینوں اور مسافروں کے حقوق ادا کرو اور ناروا طور پر مال صرف نہ کرو۔

(۴) اگر حق داروں کی خدمت کا سلسلہ کسی مجبوری سے رک جائے تو خوبصورتی سے  
ان سے معذرت کرو۔

(۵) صرف مال اور انفاق دونوں صورتوں میں مسلک اعتدال پر چلو۔

(۶) افلاس کے ڈر سے نسل کشی (قتل اولاد) نہ کرو۔

(۷) زنا سے شدید اجتناب کرو، اور گندے کام کے قریب بھی نہ پھٹکو۔

(۸) ناروا طور پر کسی کی جان نہ لو۔

(۹) نابالغ یتیموں کے اموال کا تحفظ کرو۔

(۱۰) اپنے وعدوں اور معاہدوں کی پابندی کرو۔

(۱۱) لیکن دین پر اپنی تزلزل کے پیمانے، ترازو اور رباٹ، درست رکھو۔  
 (۱۲) جو بات تمہارے علم کے دائرے سے خارج ہو اس کے پیچھے نہ پڑو، کیونکہ انسان کو سائنس،  
 بصارت اور ذہن و قلب کا حساب خدا کو دینا ہے۔

(۱۳) زمین پر گھٹند کی چال نہ پلو۔

معراج کے موقع پر عطا کردہ یہی وہ خدائی اصول تھے جن پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم  
 نے نمونے کی اسلامی ریاست کو قائم کیا۔ حضور کے بعد بھی مجددین و صلحا اور سلاطین عادل  
 کے سامنے یہی اصول تھے اور آئندہ بھی جہاں کہیں اسلامی نظام کا اجیاء ہوگا انہی اصولوں کو  
 بنیاد بنانا ہوگا۔

ملا اعلیٰ پر تجلیات الہیہ کے درمیان جب حضور کو ان اصولوں پر مشتمل زبان دیا گیا  
 ہوگا تو آپ کو مستقبل کے آفتی سے روشنی کا سیلاب، آمد نادکھائی دیتا ہوگا۔ کوئی مادہ پرست  
 مکہ اور طائف کے پاس انگیزا حول میں ہوتا تو شاید وہ مایوس ہو کر اپنی سرگرمیوں کی بساط  
 پیٹ چکا ہوتا، لیکن یہ محسن انسانیت کی پیغمبرانہ بصیرت تھی جو تجلیات و بشارات الہیہ سے سیراب  
 ہو کر یہ محسوس کر رہی تھی کہ صبح آ رہی ہے۔

عرش الہی سے محسن انسانیت کو دوسرا تحنہ پنجگانہ نماز کا ملا۔ اب تک، صرف دو وقت  
 دو دو رکعت نماز پڑھی جاتی تھی۔ مشہور روایات ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے روزانہ پچاس نمازوں کی  
 فرضیت کا حکم دیا۔ حضور واپس ہوئے تو حضرت موسیٰ سے ملا تا کہ ہوتی، اٹھوں نے بات سنی تو  
 اپنی امت کے احوال کا تجزیہ ہونے کی وجہ سے کہا کہ ”واپس یا بیٹے اور کم کر ایسے“ حضور واپس  
 گئے، پھر کچھ کمی ہو گئی۔ حضرت موسیٰ نے پھر واپس بھیجا۔ غرضیکہ دو تین بار جلنے پر پوچھا  
 پانچ نمازیں فرض کی گئیں۔ حضرت موسیٰ نے پھر مشورہ دیا کہ مزید کمی کر ایسے۔ مگر حضور نے  
 فرمایا کہ اب مجھے مزید کچھ کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔

۱۔ بعض لوگ جو حقائق شناس نہیں ہیں انہیں کہتے ہیں کہ اس رد و رد کا مقصد یہ ہے:

اس کا مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ظاہر کیا گیا کہ انسان کو جو مقام اپنے رب کے

اس مبارک موقع پر خاص طور سے آنحضرتؐ کو نماز تہجد ادا کرنے کا حکم دیا گیا اور  
نوشجری بھی دی گئی کہ اس کے ذریعے آپؐ "مقام محمود" تک پہنچیں گے۔

آیات الہی اور تجلیات الہی سے بہرہ مند ہو کر جب آپؐ واپس ہوئے تو اولاً بیت المقدس  
میں ہی اترے۔ پھر وہاں سے بڑاق پر سوار ہو کر طلوعِ سحر سے پہلے مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ صبح  
جب آپؐ نے واقعہ معراج کا تذکرہ قریش کے سامنے کیا تو انہوں نے پہلے تو تعجب کیا،  
پھر مذاق اڑانے کے لیے تالیاں بجائیں۔ قریش میں سے جو لوگ بیت المقدس کو دیکھ چکے  
تھے انہوں نے بطور امتحان وہاں کے نشانات و علامات پوچھے۔ جو سوال پوچھے گئے، ان  
کے صحیح جواب آپؐ نے دیے۔ پھر پوچھا گیا کہ راستہ کا کوئی واقعہ بتائیے۔ فرمایا کہ فلاں مقام  
پر ایک تجارتی قافلہ دیکھا جو شام سے مکہ آرہا تھا، اس قافلے کا ایک اونٹ گم ہو گیا، جو بعد  
میں تلاش کرتے کرتے ان کو مل گیا۔ وہ قافلہ انشاء اللہ تین دن تک مکہ پہنچ جائے گا، اور ایک  
خاکستری رنگ کا اونٹ سب سے آگے ہو گا۔ تیسرے دن یہی ہوا۔ مگر دشمنانِ حق پھر بھی مخالفت  
ہی پر جمے رہے۔

### (بقیہ حاشیہ از ص ۶۹)

ہے اور اسکی جن بے شمار نعمتوں — زندگی سے لے کر ایمان تک — اور ہوا پانی سے لے کر گردشِ شمس و  
قمر اور تغیرِ روز و شب تک — سے وہ نالہ اٹاتا ہے۔ ان کی وجہ سے حتیٰ یہی آتا ہے کہ وہ دن رات میں  
۵۰ مرتبہ اپنے رب کے سامنے اپنے آپ کو جھکا کر خدا کا شکر اور ذکر کرے، دوسری طرف یہ ظاہر ہوتا  
ہے کہ انبیاء اپنی امتوں کے لیے کتنے شفیق ہوتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ بار بار جو مشورہ دیتے ہیں حضورؐ  
اس کے مطابق باری تعالیٰ سے کمی کی درخواست کرتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ حضورؐ کا زمانا کہ اب مزید کمی  
کیلئے کہتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے، اس میں یہ تعلیم مضمحل ہے کہ خدا کی عبادت میں حد سے زیادہ کمی یا رخصت  
طلب کرنا بھی مقامِ بندگی کے منافی ہے۔ نیز یہ کہ ۵ نمازوں کی ادائیگی میں کوتاہی کرنے پر پرستانِ حق کو  
شرم آنی چاہیے۔ چونکہ اپنے پیغمبر صادق و مصدق نے نمازوں میں کمی کرنے کے لیے جو کوشش کی  
ہے اس کی قدر کرتے ہوئے نماز پنجگانہ کی ادائیگی میں ہمیں کوئی کوتاہی نہیں کرنی چاہیے۔ پانچویں  
یہ کہ اب روز کی ۵ نمازیں ادا کرنا بلحاظِ ثواب ۵۰ نمازیں ادا کرنے کے برابر محسوب ہوگا۔

ادھر یہ قنٹہ ہوا، ادھر کچھ لوگ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور انہیں بتایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں کہ میں آج کی رات بیت المقدس گیا اور صبح سے پہلے واپس آ گیا۔ کیا آپ اس دعوے کی تصدیق کرتے ہیں۔ حضرت صدیق نے ان لوگوں سے کہا کہ اگر رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی فرمایا ہے تو بالکل سچ فرمایا۔ میں تو اس سے بڑھ کر حضور کی بیان کردہ خبروں کی دن رات تصدیق کرتا ہوں۔ دیکھا آپ نے رسول کو جب ایک بار رسول مان لیا تو پھر اس کے ہر ارشاد پر شک و شبہ میں پڑنا اور دلیلیں طلب کرنا ایمان والوں کا کام نہیں۔

پردہ مغیب کے پیچھے جس صاحب قلب و نظر نے فرمان رواٹے کا نارت کی خاص آیات و تجلیات کا مشاہدہ کیا ہو، اور عالم آخرت کی ایک جھلک دیکھ لی ہو، اس کے لیے پھر اس ذرا سی دنیا کے چھوٹے سے دور عمر میں مصائب و شدائد سے سانبستہ پڑنا کیا اہمیت رکھتا ہے۔ یوں بھی حضور کا ایمان ساری دنیا سے زیادہ روشن اور محکم تھا، پھر آپ کے پاس فرشتے آتے تھے، وحی اترتی تھی، اس کے بعد کیا وقعت رہ جاتی ہے کسی دشمن قوت کی گالیوں اور شرارتوں کی، پھر خدا کا مزید کرم ہوا کہ سفر معراج میں وہ کچھ دکھا دیا گیا جس کا ذکر قرآن میں ہے اور جس کی تبلیغ و تلقین ہر روز آپ فرماتے تھے، تو ایسی ہستی کی نگاہ میں تو راستہ میں رکاوٹ بننے والا پہاڑ بھی رائی کے دانے سے زیادہ اہمیت نہیں پاسکتا تھا اور نہ اسے یا یوسی زیرہ کر سکتی ہے۔

اور حضور کے سامنے بہت ہی شاندار روشن مستقبل روز بہ روز قریب تر ہوا تھا! >

## پیغمبرؐ کی اولیٰ و ثانیہ

سراج کے دوران جو آیات اور تجلیات حضورؐ کی نظر سے گزریں، وہ حضورؐ اور اہل ایمان کے غم و ہمت میں انسانہ سبب بنیں اور جو روحی اس مرسلے میں کی گئی اس نے مستقبل کے نشانات، راہ کو اجاگر کر کے نیکی اور سچائی کی تحریک میں نئی حرکت پیدا کر دی۔

مگر میرا ایمان و اخلاق کی روئیرگی ختم ہو جانے کے بعد حضورؐ طائفہ سے پوچھنے گئے تھے کہ آیا تم سچائی کی مشعل اٹھاتے ہو؟ طائفہ نے جواب دیا کہ میں تو مکہ سے بھی بڑھ کر نا اہل ہوں حضورؐ کے ایک کان میں طائفہ کی "سنہ" کی آواز پہنچی ہی تھی کہ دوسرے کان کے پردوں سے شرب کی ہفتادھیسی سی آواز بہت دور سے آ کر گرائی کہ میں مدینہ النبی اور مرکز دینِ حق بننے کو تیار ہوں۔ میں فوری طور پر مشعل کو اٹھاؤں گا۔ ساری دنیا تاک روتی ہے پھینچاؤں گا۔ میری گود میں نیکی کا نظام پرورش پائے گا اور میرے گواروں میں نئی تاریخ پروان پڑھے گی۔

مگر اور طائفہ قریب تھے مگر دور ہو گئے۔ شرب دور تھا مگر قریب آ گیا۔ رسول اکرمؐ صلی اللہ وسلم کو خواہش تھی کہ ایسا دارالہجرت دکھایا گیا تھا جہاں



باغات تھے اور کھجوروں کے بھنڈے پانی اور سایہ لگے۔ مگر بات ابھی اشارے ہی تک ہی روکتی تھی۔ مدینہ کو یہ سوادیت اس لیے ملی کہ وہاں کے باشندوں اور اس و خزیج نے اسلام کے لیے دل و نظر کے دروازے خوشی خوشی کھول دیے، جیسے پتے بھرا کے پیاسے مسافر بارانِ رحمت کا انتظار کر رہے ہوں۔ واقعی وہ انتظار ہی کر رہے تھے۔ مدینہ میں یہود کا خاصا غلبہ تھا۔ ان کے ۲۱،۲۰ قبیلے تھے، مضامینات کی بستیاں ان کی تھیں، ان کے پاس دوات تھی اور وہ سود خوری کرتے تھے۔ یہود اور اس و خزیج پہلے ایک دوسرے سے الگ تھلگ تھے، پھر معاہدہ کر کے جلیف بن گئے، پھر یہود نے معاہدہ توڑ دیا۔ اور اس و خزیج میں خانہ جنگیاں شروع ہو گئیں۔ خصوصاً جنگِ بُعات میں دونوں خاندانوں کے نامور سردار مارے گئے۔

یہود میں سے ایک عیاش رئیس فیلون نامی اٹھا جس نے فرماں جاری کیا کہ اس کے حدودِ اثر میں جو لڑکی بھی بیاہی جائے وہ اس کے بستانِ عیش سے گزر کر ازواجی زندگی کے دائرے میں قدم رکھے۔ یہود نے بے چون و چرا اس حکم کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔ جس دن اس شیطانی حکم کی زد پہلی بار غیر یہودی مطلقوں پر پڑی تو یہ مالک بن عبدالان کی بہن کی شادی کا دن تھا۔ عین ارات کے دن وہ بھائی کے سامنے سے سخت بے حجابانہ میت کے ساتھ گزری۔ مالک نے زامت کی تو بہن نے کہا کہ کل جو کچھ پیش آنے والا ہے وہ اس سے شدید تر ہے۔ اس طعنے کی چھین اتنی سخت تھی کہ مالک نے فیلون کو جا کر قتل کر دیا اور شام کو پھانسی لگایا۔ وہاں غسانی حکمران ابو جیلہ فرماں روا تھا۔ اس نے جب حالات سنے تو مدینہ پر حملہ کر کے بڑے بڑے یہودیوں کو قتل کیا اور اس و خزیج کو خلعت و انعام سے نوازا۔ ان حالات میں یہود اگرچہ کمزور ہو گئے لیکن ان کو اپنی مذہبی سیادت پر فخر و ناز تھا۔ اور وہ تو رات رکھتے تھے۔ ان کے اپنے عقیدے تھے، قانون تھے، اخلاق تھے، انہی کے معبودوں اور مذہبی مدرسوں میں جا کر تمام بچے تسلیم پاتے تھے۔ نیز یہود انصار کے سامنے اکثر یہ کہا کرتے تھے کہ آخر زنی ہی جلا ہی مبعوث ہوئے والہ ہے، وہ آئے تو پھر ہم اس کے ساتھ ہو کر تمہاری خبر لیں گے۔ یہود کی ان باتوں نے انصار کو بھی پیغمبر

آخر الزمان کا منتظر: ادباً تھا اور وہ اپنی جگہ یہ سوچتے تھے کہ اگر آنے والا آئے تو وہ یہود سے آگے بڑھ کر اس کا دامن تھام لیں۔ اس طرح مدینہ کا ماحول مدینۃ النبی بننے کے لیے تیار ہو رہا تھا۔

مدینے کا پہلا نوجوان جس نے اپنے آپ کو اسلام کی مشعل برداری کے لیے پیش کیا۔ سوید بن سہام تھا، یہ ایک ذہین شاعر، ماہر سوار اور بہادر جنگجو تھا۔ ایسے ہی نوجوان انقلابی تحریکوں کے سپاہی بنتے ہیں۔ طائف سے نبی اکرمؐ کی واپسی کے بعد سوید بن سہام نے حضورؐ سے ملاقات کی۔ حضورؐ نے دعوت دی۔ سوید پہلے سے صحیفۃ لقمان سے متاثر تھا۔ اس نے کچھ اشعار اور حکمت لقمان کے منامین بیان کیے۔ حضورؐ نے بتایا کہ میرے پاس قرآن ہے۔ پھر قرآن کی آیات سنائیں۔ سوید نے فوراً تسلیم کیا۔ یہ چیز اس سے بہتر ہے اور اسلام کا قلاوہ گئے بس ڈال لیا۔ یہ نوجوان مدینہ میں واپس پہنچا ہی تھا کہ قتل ہو گیا۔ نہرا کی اس پر ہزار در ہزار رحمتیں ہوں۔

متاثر ہونے والا دوسرا بیٹری نوجوان ایاس بن معاذ تھا۔ یہ ایک وفد کے ساتھ مدینہ آیا۔ خدا کے رسولؐ نے ان کے ڈیرے پر پہنچ کر سچائی اور نیکی کا پیغام دیا۔ قرآن سنایا۔ ایاس نے اپنے لوگوں سے کہا کہ یہ چیز اس سے بہتر ہے جس کے لیے تم آئے ہو۔ وہ آئے تھے قریش سے معاہدہ کرنے، اور حضورؐ محسن انسانیت کی بات سنانے کا مطلب معاہدے کے دروازے بند کر دینا تھا۔ پس سردار وفد ابو الجحس نے مٹی اٹھا کر ایاس کے منہ پر ماری اور کہا کہ تم اس مقصد کے لیے نہیں آئے؛ ایاس چپ تو ہو گیا مگر اس کی کشت حیات کی مٹی میں دعوتِ اسلامی کے بیج تے جگہ بنالی۔ افسوس ہے کہ رینہ کا یہ بیدار دل نوجوان ابھی جلد ہی دنیا سے رخصت ہو گیا۔ کتے ہیں مرتے دم اللہ اکبر اس کے لبوں پر تھا۔

بہر حال مدینہ میں خدا کے رسولؐ اور خدا کے دین کا تذکرہ پھیل گیا۔

نبوت کے گیارھویں سال حج کے لیے مدینہ سے جو وفد آیا اس کی قیام گاہ عقبہ کے مقام پر تھی۔ آنحضرتؐ رات کو وہاں پہنچے۔ دعوت دی، قرآن سنایا، نیکی کی تعلیم دی اور ہر سے کاموں سے منع فرمایا۔ اہل وفد نے حضورؐ کو اولین نظر میں پہچان لیا اور آپس میں کہا

کہ یہ تو وہی نبی ہے جس کا ذکر یہود کرتے رہتے ہیں۔ یہ چھ افراد تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل، اسلام کے لیے کھول دیے۔ انہوں نے ایک، تو اس امیر کا اظہار کیا کہ ہو سکتا ہے کہ آپ کی ذات اور دعوت کے ذریعے خدایا ہماری قوم کا تفرقہ دُور کر دے گا۔ نیز آنحضرتؐ کی خدمت میں یہ بھی عرض کیا کہ ہم اپنی قوم کے لوگوں کو آپ کے دین کی دعوت دیں گے، پھر اگر اللہ تعالیٰ نے انہیں اس دین پر جمع کر دیا تو پھر آپ سے زیادہ قوت رکھنے والا کوئی دوسرا نہ ہوگا۔

یہ مختصر سی جماعت مدینہ لوٹ کر گئی تو ماحول میں ایک نئی حرکت اٹھوں نے پیدا کر دی۔ اسلام کا پیغام پھیلنے لگا اور اسے خوب فروغ حاصل ہوا۔ انصار کا کوئی گھر ایسا نہ تھا جس میں محمدؐ کا چہرہ چانہ ہو۔

اگلے سال یعنی نبوت کے بارہویں برس ۱۲، انزاد کا دن مدینہ سے آیا اور عقبہ کے مقام پر رسول خدا کے ہاتھ پر بیعت کی اور چند بڑی پابندیاں قبول کیں۔ یعنی ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ چوری نہیں کریں گے۔ زنا نہیں کریں گے۔ کسی کے خلاف جانتے بوجھتے بہتان نہیں گھڑیں گے۔ اور کسی معروف معاملے میں جُود صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہیں کریں گے۔ یہ پہلی بیعت عقبہ تھی۔

آج بھی اگر محسنِ انسانیت سے محبت کرنے والے کم سے کم یہی اترار باندھیں اور اسے پورا کریں تو ہمارے معاشرے میں تیزی سے اصلاح پیدا ہو سکتی ہے۔

اس پہلی بیعت عقبہ کے اختتام پر رسول برحقؐ نے مصعبؓ بن عمیر بن ہاشم کو مامور کیا کہ وہ مدینہ میں جا کر دعوت کو پھیلائیں، لوگوں کو قرآن پڑھائیں اور اسلام کی تعلیم دیں۔ حضرت مصعبؓ بن عمیر نے مدینے میں جا کر اسلام کی تعلیم بھی سرگرمی سے پھیلائی اور نمازوں کی امامت بھی کی۔

حضرت مصعبؓ بن عمیر نے جس تدبیر و حکمت سے دوسرا دروں، اُسید بن حنفیر اور سعد بن معاذ کو متاثر کیا، اس کی تفصیل میں پڑے بغیر، اُس کا یہ نتیجہ جان لینا چاہیے کہ پورا قبیلہ عبدالاشہل چند لمحوں میں اسلام کی تحریکِ نلاجِ انسانیت کا علمبردار بن گیا۔ مردوں اور عورتوں میں سے صرف ایک شخص اُسیر الگ رہا۔ جنگِ احد کے موقع پر اسلام قبول

کر کے جہاد کیا اور شہادت پائی اور حضورؐ نے اس کے جنتی ہونے کی بشارت دی۔  
 حج کا زمانہ پھر آگیا اور اب کی بار ۲۲ مردوں اور ۲ عورتوں کی جماعت ادائے حج  
 کے لیے آئی۔ یہ تازہ عقبہ کے اسی مقام پر ٹھہرا جہاں تین سال سے مدینے کے حجاج  
 قیام کرتے تھے۔

ردل اکرمؐ حضرت عباسؓ کو ساتھ لے کر راست بازوں کے اس گروہ سے ملنے آئے۔  
 جماعت مدینہ نے حضورؐ کو اپنے شہر آنے کی دعوت دی اور ہر قسم کی امداد و اعانت کا تین  
 دلایا۔ حضرت عباسؓ کہنے لگے کہ مکہ کے لوگ آنحضرتؐ کے جانی دشمن ہیں۔ تم لوگ اگر ان سے  
 کوئی قول و قرار کرتے ہو تو پہلے سوچ لو۔ یہ نازک اور کٹھن کام ہے۔ یہ سرخ و سیاہ قوتوں  
 سے جنگ کا سطرہ مول لینا ہے۔ اس ذمہ داری کو سوچ سمجھ کر اٹھاؤ۔ ورنہ بہتر ہے کہ کچھ  
 بھی نہ کرو۔

لوگ خاموش رہے۔ پھر نبی اکرمؐ نے خدا کا کلام پڑھ کر سنایا۔ اس کے بعد ان لوگوں  
 نے یہ درخواست کی کہ "خدا کے نبی! ہمارے شہر میں چل کر بسیے، تاکہ ہم پوری طرح فیض  
 پائیں" حضورؐ نے فرمایا: "کیا تم دینِ حق کی اشاعت میں میری پوری پوری مدد کر دو گے،  
 میں تمہارے شہر میں جا بسوں تو میرے ساتھیوں کی حمایت اپنے اہل دعویٰ  
 کی طرح کر دو گے؟" اہلِ دین نے پوچھا: "اس کا کیا صلہ ہمیں ملے گا؟" رسولِ پاکؐ نے  
 جواب دیا: "خدا کی خوشنودی، آخرت کی کامیابی اور جنت! پھر اہلِ دین نے عرض کیا: ہم  
 خدا کے رسولؐ کی طرف سے یہ اطمینان پاتے ہیں کہ حضورؐ کبھی ہم کو نہ چھوڑیں گے" حضورؐ  
 نے فرمایا: "نہیں نہیں، میرا بیٹا اور مرنا تمہارے ساتھ ہو گا"

بس یہ سنتے ہی سب لوگ دارالمانہ جذبے سے رسولِ خدا کے ہاتھ پر بیعت کرنے لگے۔  
 جب بیعت ہو چکی تو رسولِ برحقؐ نے غلبہ حق کی اسلامی تحریک کے لیے ۱۲ نقیب مقرر  
 کیے۔ بنو نزیل میں سے ۹ اور بنو ادس میں سے ۳۔ یہ نقیب، گویا مدینہ کی اسلامی جماعت  
 کے لیے رسولِ خدا کی طرف سے نائب تھے، اور اپنی قوم کے تمام معاملات کے ذمہ دار  
 ان کے تشریح سے منظم مدائش کے لیے تھے۔ ہر ایک کا نام باقاعدہ شروع ہو گیا۔

اسپاہی بڑی جماعت اکٹھے سے نئی اسپرٹ لے کر اپنے واپس پہنچی تو اسلام کو پھیلانے کا کام تیزی سے ہونے لگا۔ خاص طور سے نوجوان نسل تیزی سے اگے بڑھی اور اس وقت تے تبدیلی کی رفتار کو تیز کر دیا۔

چند سال سے تحریکِ حق کا آسمانی لیڈر برابر اس سوچ میں تھا کہ زمین کے کسی گوشے میں ہجرت کر کے توتہ کو مجتمع کیا جائے اور پھر جہانِ نو کی تالیس کی چلے۔ پہلے حبشہ پر نگاہ گئی، مگر حبشہ پناہ گاہ تو بن گیا، نظامِ اسلامی کی تجربہ گاہ نہیں بن سکتا تھا۔ اب مدینہ نے کھلے دل سے دعوتِ حق پر لبیک کہی تو حضرت مُصعب بن عمیر کی دی ہوئی متصل رپورٹ کی روشنی میں حضورؐ کا دل مدینہ ہی کی طرف مائل ہونے لگا۔ حبشہ سے واپس آنے والوں کو حضورؐ مدینہ ہی روانہ کر دیتے۔ بیعتِ عقبہ ثانیہ کے بعد تو آپؐ نے اکثر تھا کو یہی ہدایت دی کہ وہ مدینہ چلے جائیں۔

سردارانِ مکہ اس خطرے کو محسوس کر رہے تھے کہ اگر مدینہ میں تحریکِ اسلامی کا نیا مرکز بن گیا تو وہ نشوونما پا کر ان کے لیے چیلنج بن جائے گا۔ نیز ان کی تجارتی شاہ راہ بجانب شام محمدؐ کی جماعت کے قبضے میں ہوگی۔ پس مدینہ جانے والے بس ہاجر پڑا پو چلتا، وہ اسے روکنے، تنگ کرنے اور نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے۔ بئسن سے ان کا مال چھین لیتے۔ اگر ہتے ہوتے مکے کے کئی گھروں پر ان اور کئی نالے انسان ہوتے۔

## رسول پاک کی ہجرت

دعوتِ محمدیؐ کے علمبرداروں کے لیے مکے میں ظلم کی بھٹی اپنے آخری درجہ حرارت تک پہنچی تھی۔

رسول اکرمؐ کی نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ ہجرت سامنے کھڑی ہے۔ مدینے میں جس تیزی سے دینِ حق کی فصل اُگ رہی تھی، اُس سے بشارت پا کر حضورؐ نے اپنے رفیقوں کو وہاں بھیجنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ سوائے جناب ابوبکر صدیقؓ اور جناب علی رضی اللہ عنہما کے، اور کوئی نمایاں شخصیت مکے میں باقی نہ رہی تھی۔ کمزور لوگوں کو قریش نے جبراً رد کر رکھا تھا۔ دینِ حق کی تحریک کے دشمن اس بات سے پریشان تھے کہ محمدی دعوت کا بیج تباہ و برباد نہ ہو۔ بن چکا تھا۔ ان کے سامنے سرچشمہ توحید سے تبدیلی کا ایک طوفان فوراً چلا آ رہا تھا اور وہ سمجھتے تھے کہ اس میں ایسا کا مذہبی نظامِ شرک اور ان کے مناصب اور جاہلانہ رسوم سب کچھ برباد ہونے والا ہے۔

ایک دن سردارانِ کربدار اندوہ نامی پبلک ہال میں جمع ہوئے اور سوچا جانے لگا کہ محمدؐ کے خلاف کیا کارروائی کی جائے۔ مختلف تجویزوں پر بحث ہوئی۔ آخر ابو جہل کے دماغ

نے بڑی زبرداری سکیم اُس کے سامنے رکھی۔ ایک یہ تھی کہ سارے قیدیوں سے ایک ایک اتوی اور مسز نو جوان کو لیا جائے، یہ مسلح ہوں، جو نہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سامنے آئیں۔ سب ایک بارگی حملہ کر کے اس شخص کو قتل کر دیں۔ اس طرح محمد کا خون قبائل میں تقسیم ہو جائے گا اور اکیلے نو بعد منافہ سارے قیدیوں سے گرنے لے لیں گے۔ تجویز ایسی شاندار تھی کہ ساری مجلس نے اتفاق کر لیا۔

آنے والی پُر اسرار رات آگئی۔ یہ تیرھویں سالِ بعثت کے ماہ صفر کی ستائیسویں تاریخ تھی، اور جمعہ کی شب ہے!

اُس رات حضور نے حضرت علیؑ کو بلا کر فرمایا کہ مجھے ہجرت کا حکم ہو چکا ہے، آج رات مجھے اپنے مکان پر نہیں سونلے۔ میرے بچے تم سو رہنا۔ صبح اٹھ کر لوگوں کی امانتیں جو میرے پاس ہیں ان کو واپس کر دینا۔ اخلاق کا یہ معیار دیکھیے کہ حضورؐ کو اپنے قاتلوں کی امانتیں واپس کرنے کا اتنا خیال تھا۔ پھر حضرت ابو بکر صدیقؓ کے گھر پہنچے۔ ہجرت کے پہرہ گرام سے آگاہ کیا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے پہلے سے دواؤں ٹنیاں اسی ضرورت سے پال رکھی تھیں۔ ایک حضورؐ کی خدمت میں پیش کی، مگر آپؐ نے بہ اصرار قیمت طے کر کے اسے خرید لیا۔ جلدی میں اسماء بنت ابی بکرؓ نے اپنا کمر پٹکا پھار کر ایک ٹکڑے میں کھانے کا سامان اور دوسرے سے مشکیزے کا منہ باندھا۔

مترہ گھڑی آپؐ کی اور دو مسافرانِ جاہد تھے، اتنا تارہ رات کی تاریکی میں نکلی کھڑا ہوا۔ کیا یہ معجزہ نہیں کہ گلی میں گلی میں پہرہ لگا تھا، تارہ میں تھی ہوئی تھیں، مگر رسولؐ زندا اور ان کے رفیق صدیقؓ نکت گلی کی طرح صاف نکل گئے۔

مکے کو چھوڑتے ہوئے حضورؐ کے جذبات میں جو ہل چل ہوئی وہ ان الفاظ میں ظاہر ہوئی: "خدا کی قسم! تو اللہ کی سب سے بہتر اور محبوب سر زمین ہے، اگر یہاں سے مجھے نکالا نہ جاتا تو میں کبھی نہ نکلتا۔"

تھوڑی ہی دیر میں نبیؐ اور صدیقؓ دونوں غارِ ثور میں تھے۔ اور حضرت علیؑ رسول اللہؐ کے بستر پر چادر تانے سو رہے تھے۔

قریش نے رات بھر حضور کے مکان کا محاصرہ کیے رکھا۔ پورے شہر کی ناکہ بندی کی گئی تھی۔ آخر شب میں حضور کے مکان میں گھس کر اُذنی دی۔ پستر سے حضرت علیؓ اٹھ کر سامنے آگئے۔ ان سے کچھ زیادتی کی۔ یہ خبر جب پھیلی کہ محمدؐ تو کسے سے ہانچے ہیں تو پوری مشرک پارٹی کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ مشورہ کر کے تعاقب کے لیے اُدی چاروں طرف دوڑائے گئے۔ کچھ پتہ نہ چلا۔ تلاش کرنے والے کچھ لوگ غارِ ثور کے دہانے تک پہنچے۔ اندر سے حضرت ابو بکرؓ نکلے۔ ان کے قدموں کو دیکھا تو اس نازک و تاریکی گھڑی میں انہیں یہ فکر ہوئی کہ اگر یہ لوگ اندر داخل ہو گئے تو پوری تاریخ کے دھارے کا رخ بدل جائے گا۔ حضور کے سامنے خدا کے خاص وعدے اور بشارتیں تھیں، سو اپنے رفیق سے فرمایا: لَا تَحْزَنُ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا، فکر نہ کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے اور پھر خدا کی طرف سے حضرت صدیقؓ کے تاب پزیر کیتا دلتی کا نزول ہوا۔ یہ بجائے خود ایک تمام سعادت ہے۔ قدرت کا نظام کچھ ایسا معجزانہ قسم کا تھا کہ دشمنوں نے غار کے دہانے پر پہنچ کر آپس میں کہا کہ اس غار میں کسی آدمی کے داخل ہونے کا کوئی امکان نہیں۔ وہ لوگ واپس چلے گئے۔

غار میں رہ رہا اب ہجرت تین روز گزارے۔ عبد اللہ بن ابی بکر رات کو کسے کی ساری خبریں پہنچاتے۔ عامر بن نفیرہ، حضرت صدیقؓ کی بکریوں کا ریوڑ لے کر اس طرف آتا، اور اندھیرا ہو جانے پر دودھ پہنچا جاتا۔ بکریوں کے گزرنے سے انسانی نقوش پا بھی مٹ جاتے۔ تین روز بعد عبد اللہ بن اُرَیْقُط دقت مقررہ پر آگیا، جسے سحرائی اور پہاڑی راستوں سے آگاہ ہونے کی وجہ سے حضور نے پہلے ہی سے اجرت پر گائیڈ مقرر کیا تھا۔ حضرت صدیقؓ کا غلام عامر بن نفیرہ بھی ساتھ ہو گیا، اور قافلہ غارِ ثور سے نکل کر نئی منزلوں کی طرف روانہ ہو گیا۔ یہ واقعہ تیرہویں سال بعثت میں یکم ربیع الاول کا ہے۔

اُدھر کئے ہیں اعلان کیا گیا کہ محمدؐ اور ابو بکرؓ میں سے جس کو بھی کوئی شخص زندہ یا مقتول حالت میں لائے گا، اُسے ہر ایک کے لیے نونواؤنٹ انعام میں دیے جائیں گے۔ بہت سے اور لوگوں کی طرح سراقہ بن مالک بن جُعثَم نیزہ اٹھائے سوار ہو کر نکلا۔ اسے خبر ملی کہ ایسے ایسے ساحل والے راستے پر دیکھے گئے ہیں۔ گھوڑا دوڑاتا آخردہ قریب



جا پہنچا۔ جب حملے کے لیے چھپنا چاہا تو گھوڑے کے لگے پاؤں زمین میں دھنس گئے۔ دو تین بار کوشش کی، مگر ہر بار ایسا ہی ہوا۔ سمجھ گیا کہ معاملہ کچھ اور ہے۔ اُس نے حضور سے معافی چاہی اور انان لکھ دینے کی درخواست کی۔ یہ امان نامہ فتح مکہ کے دن کام آیا۔ سُرّاتہ نے سواری اور زادِ راہ حضور کی خدمت میں پیش کیا مگر آپ نے قبول نہیں کیا۔ بس یہ فرمایا کہ تم اتنا کرو کہ تعاقب کرنے والوں کو ادھر آنے سے روکو۔ چنانچہ سُرّاتہ کو بو کوئی بھی ملا، اُسے کہا کہ ادھر تو میں دیکھ آیا ہوں، کسی اور طرف چلے جاؤ۔

دورانِ سفر میں آپ کا گزرتا قبیلہ خزاعہ کی اُمّ مَعْبُد کے خیمے کے پاس ہوا، حضور نے اُمّ مَعْبُد سے پوچھا کہ تمہارے پاس کھانے کو کچھ ہے۔ جواب ملا کہ خدا کی قسم! کچھ ہوتا تو آپ کی خدمت میں دل و جان سے پیش کرتی۔ پھر ایک بکری جس کا دودھ خشک ہو چکا تھا، حضور نے اسے دہنے کی اجازت طلب کی۔ برتن منگوا یا۔ اتنا دودھ نکالا کہ آپ اور آپ کے ساتھی سیر ہو گئے۔ پھر دودھ نکالا اور بھرا ہوا برتن اُمّ مَعْبُد کو دیا۔ اُمّ مَعْبُد کا خاندن مرہل اور بیمار بکریوں کو ہنکانا ہوا گھر پہنچا تو پوچھا کہ یہ دودھ کہاں سے آیا؟ اُمّ مَعْبُد نے کہا کہ ایک بابرکت انسان یہاں آیا تھا اور یہ اس کی مبارک آمد کا نتیجہ ہے۔ خاندن بولا کہ یہ تو وہی شخص ہو گا جسے قریش تلاش کر رہے ہیں نہ تم ذرا اُس کا حلیہ تو بتاؤ۔ اس کے جواب میں اُمّ مَعْبُد نے ایسے شاندار الفاظ اور فصیح انداز میں رسولِ خدا کا نقشہ بیان کیا ہے کہ اس پر شاعری کی صد ہا بیاضیں اور ادب کے ہزاروں دفترِ قرآن راستے میں حضرت زبیرؓ شام کے تجارتی سفر سے واپس آتے ہوئے، اُنہوں نے رسولِ خدا اور حضرت ابو بکرؓ دونوں کی خدمت میں سفید بلبونات کا ہدیہ پیش کیا۔ پھر بربیدہ اسلمی اپنے ستر ہماہیوں کے ساتھ سامنے آئے۔ نکلے تو یہ بھی انعام کے لالچ میں تھے، مگر جب سامنا ہوا تو دل کی کیفیت بدل گئی۔ حضور سے سوال کئے، کلام سنا اور اپنے ستر ساتھیوں سمیت مسلمان ہو گئے۔ سچ ہے ”شکار کرنے کو آئے شکار ہو کے چلے!“

بربیدہ نے حضور کے سامنے اپنا یہ شوق ظاہر کیا کہ آپ کے آگے آگے ایک جھنڈا

ہونا چاہیے۔ حضورؐ نے اپنا عمامہ نیزے پر باندھ کر بڑیدہ کو دے دیا۔ وہ جھنڈا لہراتا آگے آگے چلتا، نعرۃ تکبیر بلند کرتا اور اعلان کرتا کہ ”امن کا بادشاہ، صلح کا حامی، اور دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دینے والا آرہا ہے۔“

نکے سے رسولؐ برحق کی روانگی کی خبر مدینے میں پہنچ چکی تھی۔ لوگ ہر روز صبح کو گھروں سے نکل کر دوڑتے آتے اور دیر تک رامتہ دیکھتے، دُھوپ بڑھتی تو واپس چلے جاتے۔

تشریف آوری کے دن بھی لوگ انتظار کر کے لوٹ رہے تھے کہ ایک یہودی نے قلعے پر سے دیکھ لیا اور پکارا۔ ”یثرب والو! تو تمہیں حسین بزرگ کا انتظار تھا وہ آ پہنچے“ یہ ربیع الاول کی آٹھویں تاریخ تھی۔ انصار مارے خوشی کے ہتھیار سج سج کر آئے۔ اللہ اکبر کی صدائیں گونج اٹھیں۔ حضورؐ نے کچھ دنوں کے لیے مدینے کی مضافاتی بستی قبائیس قیام فرمایا۔ سردار کلثوم بن ہدم کو شرف میزبانی حاصل ہوا۔ حضرت علیؑ بھی امانتیں ادا کر کے قبا ہی میں حضورؐ سے آئے۔ مہاجرین و انصار گروہ درگروہ شرفِ ملاقات حاصل کرتے رہے۔ حضورؐ نے یہاں آدلیں مسجد کی بنیاد رکھی، اس کی تعمیر کے لیے پتھر گارا ڈھونے کے کام میں خود حصہ لیا۔ یہیں آپؐ نے پہلی نماز جمعہ ادا فرمائی اور بڑا موثر تفصیلی خطبہ دیا۔ قبائیس چودہ دن گزار کر نماز جمعہ کے بعد آپؐ مدینہ کے لیے روانہ ہوئے۔ قبا سے مدینہ تک دو روہ انصار صفیں باندھے کھڑے تھے۔ حضورؐ کے ننھیالی رشتہ داروں نے شوق سے ہتھیار لگائے۔ بہر طرف تحمید و تقدیس کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں، عورتیں چھتوں پر جمع تھیں، اور یہ ترانہ خیر مقدم ان کے لبوں پر تھا۔

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع

وجب الشکر علینا ما دعی اللہ داع

اور چھوٹی بچیاں گھوم کر دف بجاکر الاپ رہی تھیں:

نحن جوار من بنی بنی ہاشم

مدینے کا ہر مسلم ناقہ نبویؐ کی مہار پکڑ کر آپؐ کو اپنے ہاں لے جانا چاہتا تھا۔

حضرت نے فرمایا! ”ناقتہ کو چھوڑ دو، یہ خدا کی طرف سے مامور ہے“ ناقتہ خود بخود  
 حضرت ایوب انصاریؑ کے گھر کے سامنے بیٹھ گئی اور مینر بانی کا شرف اٹھتی کا مقدر ہوا۔  
 آج گویا تحریکِ عدل و رحمت کا نیا باب شروع ہوا۔ ایک تازہ دور کش مکش کا  
 افتتاح۔ اور اس کے ساتھ زمانہٴ عروج کا آغاز! ﴿

## مدینہ میں تعمیری کام

جن شخصیتوں اور جماعتوں کے سامنے کوئی عظیم مقصد ہوتا ہے، وہ جب اس کے لیے ہجرت کرتی ہیں تو پھر وہ نئے مقام پر پہنچ کر کھانے کمانے پر نہیں ٹوٹ پڑتیں، بلکہ ساری فکر اصل مقصد کے لیے راستہ بنانے کی ہوتی ہے۔ خدا کی راہ کا سچا مہاجر وہ ہوتا ہے جس نے خدا کی نافرمانی سے بچنے کے لیے وطن چھوڑا ہو، اور خدا کے دین کو غالب کرنے کی آزادی حاصل کرنے کے لیے دوسری جگہ قدم رکھا ہو۔

مدینہ آتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تحریک اسلامی کے فداکاروں کی ساری توجیہ اس بات پر تھی کہ نظام حق کی سر بلندی کے انتظامات کیے جائیں۔ چنانچہ رسول عدل و رحمت نے پہلے ہی سال ہجری میں ابتدائی ضروری کام انجام دے لیے یا کم سے کم زیادہ وسیع اور بھاری امور کے لیے اتنا ابتدائی کام کر لیا کہ ۲ ہجری میں ان کی بھی تکمیل ہو گئی۔

سب سے پہلا تعمیری کام جو جماعت محمدی اور اس کے جلیل القدر سربراہ نے انجام دیا وہ یہ تھا کہ اقامتِ صلوٰۃ کا نظام چلانے کے لیے فوراً طور پر مسجد کی بنیاد رکھ

دی۔ یہی مسجد آگے چل کر قصر سیاست بھی بنی، مشورہ گاہ بھی، ایوانِ عدالت بھی، مدرسہ بھی، خزانہ بھی اور مہمان خانہ بھی۔

حضورؐ کی اونٹنی جہاں آگے بیٹھی تھی وہ زمین بنو نجار کے دو یتیم بچوں کی تھی۔ یہ زمین آپؐ نے خریدنا چاہی۔ مگر مالک یتیموں نے قیمت لینے سے انکار کر دیا۔ تعمیر مسجد کی مہم شروع ہوئی۔ قبا کی طرح یہاں بھی جملہ مسلمانوں کے ساتھ ان کا عظیم المرتبہ لیڈر بھی مزدور بنا پتھر اور گارا ڈھو رہا تھا۔

مسجد بن جانے کے بعد سوال اٹھا کہ دُور تک پھیلے ہوئے لوگوں کو نماز کے لیے بلایا کس طرح جائے۔ مختلف تجویزیں بیان ہوئیں۔ حضرت عمرؓ نے اپنا ایک خواب بیان کیا کہ میں نے ایک شخص کو یہ یہ کلمات پکارتے سنا۔ ایسا ہی خواب حضرت عبداللہ بن زید نے بھی بیان کیا۔ حضورؐ نے ان کلمات کو اور پکارتے کے اس طریقے کو پسند فرمایا۔ حضرت بلالؓ کو موذن مامور کیا گیا۔ وہ بڑی دالہانہ کیفیت سے اذان کہتے۔ مسجد کے ساتھ گارے اور پھونس کے حجرے یا کوارٹر حضورؐ کے اہل خانہ کیلئے تعمیر ہو گئے۔

تعمیر مسجد کے وقت حضورؐ کی عمر ۵۳ سال، ایک ماہ کے قریب تھی۔ یہ پہلے سال ہجری کا ماہ ربیع الاول تھا۔

جن لوگوں کو ایمان کے تقاضے کے تحت بڑے اور مبارک کام کرنے ہوتے ہیں وہ انتہائی مشکل حالات میں بھی ان کو جلد از جلد انجام دیتے ہیں۔ نہ کوئی ٹال مٹول ہوتی ہے، نہ ہیر پھیر، نہ جیلہ حوالہ۔ تعمیر مسجد کے ساتھ ہی آپؐ نے خطبات و مواعظ کا سلسلہ شروع کر دیا، تاکہ اسلام کا علم پھیلے اور ذہنوں اور کرداروں کی نئی تشکیل ساتھ کے ساتھ ہوتی جائے۔ اسی مسجد میں وہ انامتی درس گاہ بھی قائم ہوئی جس کے طلبہ کو اصحابِ صفہ کہتے ہیں۔ صفہ ایک چبوترہ تھا جس پر علم دین سیکھنے والے مجرد نوجوان دن کو پڑھتے اور رات کو وہیں سو جاتے۔ ان کی کفالت مدینے کے لوگ کرتے۔

ایک علاقے سے اکھڑ کر اور اُچڑ پھڑ کر آنے والوں کی نوآباد کاری کسی دوسرے مقام پر بڑا مشکل کام ہوتی ہے۔ انسانی تعلقات خراب ہو جاتے ہیں، لوگوں سے شائستگی

رخصت ہو جاتی ہے، اخلاق کی قدریں تباہ ہونے لگتی ہیں، کیونکہ مقامی اور مہاجر لوگوں میں مال و جائیداد میں کھینچا تانی شروع ہو جاتی ہے۔ اور مدینے کا حال تو یہ تھا کہ وہ آج کل کے بڑے شہروں جیسا بڑا شہر بھی نہ تھا۔ ایک عام سا قصبہ تھا جس کی چند ہزار کی آبادی متعدد بستیوں میں بٹی ہوئی تھی۔ وہاں کوئی وسیع ذرائع و وسائل نہ تھے۔ بعد میں اس آبادی پر پندرہ، بیس فیصد مہاجرین کا بار آپڑا۔ مگر وہاں ایسا نہیں ہوا کہ انصار اپنے اموال اور املاک کو روک کر بیٹھ رہیں اور آنے والوں کو ترسا ترسا کر ان سے ایشائے ضرورت کی بھاری قیمتیں وصول کریں، یا مہاجرین شور مچا کر چھینا چھپٹی کرنے لگیں۔ ایک دوسرے کے خلاف بیان بازی ہو اور جلوس نکلنے لگیں اور ان میں ٹکراؤ ہونے لگیں۔ یہاں تو دونوں فریق اپنے عقیدے اور مقصد کی بنا پر بھائی بھائی تھے۔ وہ تو دنیا میں بدی کے خلاف جنگ لڑنے والا ایک جان شکر بن کے اٹھے تھے۔ ایک فریق میزبان بنا، اور دوسرے کو مہمان بنا کر ساتھ رکھا۔ نہ اُنھوں نے تنگی دکھائی، نہ اِنھوں نے گھیرا ہٹ! پھر بھی ایک مستقل اور واضح تنظیم اخوت کی ضرورت تھی۔ فلاحِ انسانیت کے علمبرار جناب محمد مصطفیٰ نے حضرت انس بن مالک کے گھر میں انصار و مہاجرین کی ایک مجلس منعقد کی۔ حاضرین کی تعداد نوے تھی۔ حضور نے ایک ایک انصاری اور ایک ایک مہاجر کے درمیان رشتہ اخوت استوار کیا۔ اس طرح گویا ہر فرد کے ذمے ایک ڈیوٹی لگا دی۔ انصار نے اپنی زمینوں، باغوں، مکانوں اور مال و زر میں سے نصف نصف حصہ مہاجر بھائیوں کو پیش کر دیا۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف کے سامنے ان کے مواخاتی بھائی حضرت سعید بن زید انصاری نے تو یہاں تک پیش کش کی کہ میں اپنی دو بیویوں میں سے ایک کو طلاق دے کر تمہارے حوالے کرتا ہوں۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف نے شکر یہ کے ساتھ انکار کر دیا۔ انصار کی درانت سے بھی مہاجرین حصہ پانے لگے۔ مگر ایسے مہاجر بھی تھے جو انصار سے کہتے کہ تمہارے اموال تمہیں مبارک ہمیں بازار کا راستہ دکھا دو، ہم محنت کر کے روزی کما لیں گے۔

کسی فریق نے یا کسی فرد نے اس معاملے میں نہ تو کوئی جھگڑا کیا، نہ تشریح روٹی سے

بات کی، نہ کسی طرح کے شبک کا اظہار کیا، اور نہ قبیلوی اور علاقائی عصبیت کے تحت یہ سوچا کہ یہ لوگ جو ”سن آف دی سوائلی“ نہیں ہیں، اٹھیں کیا حتیٰ ہے کہ ہمارے دائرہ رزق سے معاش حاصل کریں۔

پوری تاریخ انسانی میں کوئی نظریہ یا تحریک — خصوصاً دورِ حاضر میں — مہاجرین کی آباد کاری کی ایسی کوئی مثال پیش نہیں کر سکتی، جیسی پیغمبرِ آخر الزماں اور حضورؐ کے پیروں نے پیش فرمائی ہے۔ آپؐ کا اصل اعجاز یہ ہے کہ آپؐ نے ایسے انسان تیار کر دیے جن کی نگاہ میں خدا اور رسولؐ اور دین کے مقابلے میں ہر چیز بے وقعت تھی۔ نہ وطنیت، نہ علاقہ، نہ نسل، نہ خاندان اور نہ مال و زر۔ حقیقی اسلام وہی ہے جو ان تمام تباہِ خاک و خون اور عنانِ سیم و زر سے آدمی کو بالاتر کر دے۔ کسی ملک یا علاقے کا متفق علیہ دستور بنانا اور اسے معاشرے کے سارے اہم طبقوں کی رضامندی سے نافذ کرنا کتنا مشکل کام نظر آتا ہے۔ اس دورِ روشن میں بھی بعض قوموں نے دستور کے معاملے میں سالہا سال غارت کر دیے۔

لیکن کمال ہے حضورؐ کی سیاسی دانش و بصیرت اور گفت و شنید کی مہارت و حکمت کا، کہ پہلے ہی سالِ ہجری میں رسولؐ خدا نے یہودیوں کے تین بڑے قبیلوں، انصار کے دو بڑے قبیلوں اور مہاجرین کی جماعت کو ایک دستوری معاہدے پر متفق کر لیا۔ حیرت انگیز تدبیر ہے کہ مخالفانہ رجحانات کے موجود ہونے کے باوجود مسلم اقلیت کے سربراہ نے غیر مسلم اکثریت سے ایک ایسی دستاویز منوائی، جس کا ما حاصل یہ تھا کہ:

اولاً۔ مدینہ میں جو نیا معاشرہ حضورؐ منظم کر رہے تھے اس کے لیے خدا کی حاکمیت اور شریعت کے قانون کو اساس کی حیثیت حاصل ہو گئی۔

ثانیاً، سیاسی، قانونی اور عدالتی لحاظ سے آخری اختیارات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ آ گئے۔

ثالثاً، دفاعی لحاظ سے مدینہ اور اس کے نواح کی پوری آبادی ایک متحدہ طاقت بن گئی، اور اس کے کسی بھی عنصر کے لیے قریش کی حمایت کرنے کے دروازے بند ہو گئے۔ نیز دفاعی لحاظ سے بھی فیصلہ کن مقام رسولؐ خدا ہی کے لیے طے کیا گیا۔

مدینے کا یہ دستوری معاہدہ درحقیقت مدینے کی اسلامی ریاست کے قیام کی واضح

دستاویز بنتا۔

اندازہ کیجیے کہ جن اولوالعزم کارپروازوں کو کوئی بڑا کام کرنا ہوتا ہے کہ وہ کس طرح

مشکل ترین حالات کے اندر سے راستہ بنا کر اپنا مقصد حاصل کر لیتے ہیں، اور جو نہیں کر

سکتے وہ برسوں ٹانگ ٹویئے راستے رہتے ہیں۔



## دفاعی تیاریاں اور عسکری تربیت

مدینے پہنچ کر محسن انسانیت محمد مصطفیٰ نے اقامتِ صلوٰۃ، تنظیمِ مواخات اور دستوری معاہدے سے بھی بڑا ایک اور کارنامہ انجام دیا۔ وہ تھا مدینے کے دفاعی نظام کا قیام، اور مسلمانوں کی عسکری تربیت!

حقیقت یہ ہے کہ بہت سے دجواں سے حضور محسن انسانیت اور آپ کی مسلم جماعت کے لیے جنگی کارردائی کا راستہ کوئی پسندیدہ راستہ نہ تھا۔ مگر ظاہر ہے کہ مسلم جماعت کی ضرورتوں کا لحاظ کر کے مخالفانہ حالات کی روٹھی نہ رہ سکتی تھی اور حضور کسی ایسے محدود مذہب کے داعی بھی نہ تھے جو ایک گال پر تھپڑ کھانے والے کوچکے سے دوسرا گال آگے کر دینے کی تعلیم دیتا ہو۔ یہاں تو اسکیم انقلاب کی تھی، اور انقلاب کا ایک مرحلہ اگر ہجرت ہوتا ہے تو اس سے آگے جہاد کا دوسرا مرحلہ بھی آتا ہے۔ خدا پرستانہ بنیادوں پر ایک جہان نو تعمیر کرنے کے لیے جو امت وسط اٹھی تھی اسے معلوم تھا کہ جس قوت نے انھیں ۱۳ سال تک تشدد کی چکی میں پیسا ہے اور جس نے انھیں گھروں سے نکالا ہے، اس کے ارادہ جنگ کی تلوار بھی سروں پر لٹک رہی ہے۔

در اصل کلمہ طیبہ پڑھنے والے پہلے دن ہی سے سمجھتے تھے کہ اس کلمے میں جہاد کے  
 بیج موجود ہیں۔ یہ دلدادگان حق اپنی دوہری ڈیوٹی کو خوب سمجھتے تھے کہ ایک قدم جانناز  
 پر ہو تو دوسرا شہادت گہ الفت میں! مگر دفاعی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے شعور و جذبہ  
 ہی کافی نہیں ہوتا۔ تنظیم اور تربیت کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ خدا کے مقرر کردہ مرتبہ و  
 مزگی نے بڑے میٹرھے حالات میں جماعت کو جس حسن و خوبی سے دفاع کیلئے بہت تیزی سے  
 تیار کیا وہ شہادت ہے اس بات کی کہ خدا نے حضور کو بہترین کمانڈر اور سپہ سالار بھی بنایا  
 مدینہ کے اردگرد تین طرف یا تو پہاڑیاں تھیں، یا گنجان بستیاں اور باغات، یا  
 لاوس کے سخت پتھر پلے میدان۔ یوں گویا قدرتی تحفظات کا ایک قلعہ بنا ہوا تھا۔ صرف  
 شمال کی جانب سے شہر کا راستہ کھلا تھا، لیکن مکے والوں کا جنوب کی طرف سے آکر شمال  
 کی طرف سے حملہ کرنا، اپنے لیے پیچیدگیاں رکھتا تھا۔ اذن الہی سے حضور نے ایک اقدام  
 یہ کیا کہ مدینے کو بھی مکے کی طرح حرم (HOLY CITY OF PEACE) قرار دے دیا،  
 اور اس کا اعلان کر دیا گیا۔ اس میں یہ بات بھی مضمر تھی کہ دشمن اگر حرم مدینہ کے تقدس و احترام  
 کو ملحوظ نہ رکھے گا تو خود وہ بھی حرم مکہ میں محفوظ نہ رہے گا۔

مسلمانوں کی فوجی تربیت کے لیے حضور نے نماز کی صف بندی کی بنیاد پر عسکری  
 صف بندی کی تعلیم دی۔ تیر اندازی اور دوڑوں کے مقابلے کرائے۔ چھوٹے چھوٹے عسکری  
 دستے بنا کر ان کو کمانڈروں کے تحت سرحدی گشت کے لیے بھیجنا شروع کیا۔ مختلف  
 افراد کو رات کے وقت پہرے کی ڈیوٹیاں سونپی گئیں۔ سپاہیوں کے لیے شناختی الفاظ  
 اور اشارات مقرر ہوئے۔ حضور نے اپنے سپاہیوں کو سرحدوں کی طرف بار بار بھیج کر یہ  
 چاہا کہ ایک تو دشمن کی نقل و حرکت کا حال معلوم ہوتا ہے، دوسرے سپاہی ارد گرد کے علاقوں  
 کے نشیب و فراز کو جنگی نقطہ نظر سے جان سمجھ لیں، تیسرے چو طرف آبادیوں کو یہ شعور  
 ہو جائے کہ اب یہاں ایک منظم ریاست بھی موجود ہے۔

معرکہ بدر سے پہلے سرحدی گشت اور دید بانی کے لیے سات آٹھ نمایاں مہمات  
 روانہ ہوئیں۔ پہلے سال ہجرت کے رمضان میں حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب کی سرکردگی میں

۳۰. آدمیوں کا دستہ بیف البحر کی جانب روانہ کیا گیا۔ ابو جہل تین سو آدمیوں کو ساتھ لے کر مکے سے آیا تھا، لیکن مسلمانوں کو چوکنا پا کر واپس چلا گیا۔ شوال میں ۶۰ آدمیوں پر مشتمل ایک جیش عبیدہ بن حارث کی کمان میں اہل مکہ کے فوجی حالات معلوم کرنے کو بھیجا گیا۔ دشمن کے دو سو آدمی شینۃ المرة کے مقام پر دیکھے گئے۔ ان کی رپورٹ اس دستے نے مدینے پہنچائی۔ ذی قعدہ میں سعد بن ابی وقاص کی سرکردگی میں اسی سپاہیوں کا جیش محفہ تک بھیجا گیا۔ ہجرت کے دوسرے سال ماہ صفر میں حضورؐ یہ نفس نفیس اپنے ساتھ ستر افراد کو لے کر ابواء کے علاقے میں تشریف لے گئے جہاں سے قریش کی شاہ راہ تجارت گزرتی تھی۔ اسی سفر میں آپ نے مختی بن عمرو ضمری سے معاہدہ کیا۔ پھر آپ ربیع الاول میں دو سو سپاہیوں کا دستہ ساتھ لے کر بوآة کی جانب تشریف لے گئے جو یثرب کے قریب ہے۔ راستے میں امیہ بن خلف کی سرکردگی میں سو افراد پر مشتمل ایک قافلہ سامنے آیا۔ دونوں طرف سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا۔ ربیع الاول ہی میں کرب بن جابر فہری نے مدینے کے موشیوں پر ڈاکہ ڈالا۔ اطلاع ملتے ہی حضورؐ نے، جانباڑوں کو ساتھ لے کر تعاقب کیا، مگر دشمن بچ کر نکل گیا۔ پھر جمادی الاخریٰ میں رسولؐ برحقؐ ڈیڑھ سو مجاہدین کا جیش ساتھ لے کر ذوالعشیرہ تشریف لے گئے۔ یہاں بنی مدلج اور بنی زہرہ سے معاہدہ کیا۔

ماہ رجب میں عبداللہ بن محشش کی کمان میں ۱۲۵ مجاہدین کی ایک مہم مقام نخلہ کو روانہ ہوئی۔ قریش کے ایک چھوٹے سے قافلے سے جھڑپ ہو گئی۔ دشمن کا ایک آدمی مارا گیا، دو قیدی بنائے گئے، ایک بھاگ گیا اور مجاہدین مالِ غنیمت بھی ساتھ لے آئے۔ مدینے پہنچے تو حضورؐ نے سخت ناپسندیدگی کا اظہار کیا، کیونکہ ابھی تک حضورؐ کی طرف سے تصادم کرنے کی اجازت نہیں جاری ہوئی تھی۔ آپ نے قیدی رہا کر دیے، مقتول کا خون بہا اور مالِ غنیمت قریش کو روانہ کر دیا۔ واقعہ نخلہ نے مکے والوں میں اشتعال پیدا کر دیا۔ ان تیاریوں کے ساتھ حضورؐ نے مدینہ کے گرد و نواح کے متعدد قبائل سے رابطہ کر کے ان کو حلیف بنا لیا۔ ان قبائل میں بنی حمزہ، جہینہ، بنو ضمرہ، بنو زرعہ، بنو ربیعہ اور

بنو مدیچہ اور بنو زہرہ وغیرہ شامل تھے۔ بعض قبائل کے ساتھ مشترکہ دفاع کا معاہدہ ہوا، بعض نے صرف اپنی بات قبول کی کہ مسلمانوں کے دشمنوں سے دوستانہ تعلقات نہیں رکھے جائیں گے۔

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا، معاہدہ مدینہ کی بھی دفاعی اہمیت ہے۔ اس میں حملہ نہ کرنا ہے منوایا گیا تھا کہ عربی قبائل میں جو مشرک اور یہودی شامل ہوں، وہ مسلمانوں کے تابع اور جنگ کی صورت میں ان کے معاون ہوں گے۔ نیز وہ قریش مکہ کے جان و مال کو امان نہیں دیں گے، اور نہ ان کے خلاف مسلمانوں کی طرف سے جنگ ہونے پر کوئی رکاوٹ ڈالیں گے۔ یہودیوں کے ساتھ یہ اصولی بات بھی قرار پاگئی کہ جنگ و صلح کے معاملات تمام اہل مدینہ میں مشترک ہوں گے اور یہودی ہر اس قوت سے لڑیں گے جس سے مسلمان لڑیں، اور ہر اس قوت سے صلح کریں گے جس سے مسلمان صلح کریں۔ معاہدہ مدینہ کی یہ شرائط گواہ ہیں کہ دفاعی لحاظ سے آنحضرت کی نگاہ بصیرت کتنی دور رس تھی، نیز یہودیوں سے تو آپ نے ایسی باتوں پر انگوٹھا لگوا لیا جن پر بعد میں وہ لوگ کف افسوس ملتے ہوں گے۔

دفاعی تیاریوں کا ایک پہلو یہ تھا کہ مسلمانوں میں انفاق فی سبیل اللہ کی ایسی رود و ڈرا دی گئی کہ ہر کوئی خدا و رسول کے ایک اشارے پر اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لیے تھا، اور خوش حال لوگ دل کھول کر اہل حاجت پر خرچ کرتے تھے۔

اب آخر میں یہ تذکرہ بھی ضروری ہے کہ حضور کی دفاعی تیاریوں میں یہ بات بھی شامل تھی کہ اپنے ہم مقصد رفیقوں کو جنگی اخلاق کی بھی تربیت دیں۔ ڈپلن کی اہمیت محض تنظیمی لحاظ سے بھی بہت ہے، مگر اسلام میں یہ اخلاقی لحاظ سے بھی بڑا فریضہ ہے۔ ڈپلن کی بعض خلاف ورزیاں پورے کیے کر اے کو غارت کر دیتی ہیں۔ پہلے ہم ذکر کر چکے ہیں کہ نخلہ کی مہم میں عبداللہ بن جحش نے قریشی قافلے پر جو چھا پہ مارا تھا، اسے حضور نے اس بنا پر ناپسند فرمایا کہ مرکزی کمان (سنٹرل کمانڈ یا ہیڈ کوارٹرز) سے ابھی تک حملہ آور ہونے کا حکم جاری نہیں ہوا تھا۔ محسن انسانیت کی سربراہی میں چلنے والی ریاست کے اندر ہر مسلمان کو اپنے عقیدے، مشن، اطاعتِ خدا کی آزادی، اور ظلم کی سرکوبی کے لیے سپاہی قرار دیا گیا۔ یعنی یہ ایمان والوں کی

دینی و اخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ اسلامی ریاست کے تحفظ اور تشریحِ اسلامی کے راستے کی رکاوٹیں دور کرنے کے لیے بوقتِ ضرورت میدانِ جہاد میں اتریں۔ فوج کو بار بار ذہن نشین کرایا گیا کہ دشمن کے مقابلے پر آنے کے بعد فرار بہت بڑا جرم ہے (صرف جنگ جاری رکھتے ہوئے جنگی ضرورت کے تحت کمانڈر کے حکم سے آگے پیچھے یا دائیں بائیں ہٹا جاسکتا ہے) اس معاملے میں حضورؐ، حتیٰ کے پامیوں سے بیعت بھی لیتے تھے۔ پھر حضورؐ کا یہ نمونہ عمل ساری امت کے لیے ذریعہٴ تربیت ہے کہ جہاد پر نکلنے سے پہلے بھی اہم رینتوں سے مشورہ کرتے۔ پھر فوج کے لیے کیمپ متعین کرنے اور میدانِ جنگ میں اس کی ترتیب مقرر کرنے کے لیے بھی آراہ لیتے۔ میدانِ جنگ میں صف بندی کرتے اور امیر کے حکم سے پہلے تیر پھینکنے یا قدم بڑھانے یا نیزے کو سامنے کی طرف تان لینے کو سختی سے منع فرماتے۔

انسانیت کے عظیم محب و محسن نے عورتوں، بچوں، بوڑھوں، معذوروں، جنگ سے بے تعلق افراد اور معبدوں میں پائے جانے والے تارک الدنیا رہبانوں اور مجاوروں کو قتل کرنے سے مجاہدینِ اسلام کو ہمیشہ کے لیے منع فرما دیا۔ اسی طرح یہ بھی حکم دیا کہ اگر کسی شخص کی زبان پر اسلام کا کلمہ آئے تو اسے قتل نہ کیا جائے اور بعد میں اطمینان سے اس کے بارے میں مفصل تحقیقات کر لی جائے۔ اس طرح جس بستی سے اذان کی آواز سنائی دے، ایسی بستی پر حملہ نہ کیا جائے۔ کوئی حریف اگر سراطاعت ختم کر دے یا صلح و امان کا طالب ہو تو اس کی جان نہ لی جائے۔ بلکہ جنگ شروع کرنے سے پہلے مسلم فوج کی طرف سے یہ اعلان کیا جانا بھی ہمیشہ کے لیے سنت بن گیا کہ اگر حریف اطاعت قبول کر لے اور ہتھیار ڈال دے تو اس سے جنگ نہ کی جائے۔ وہ اگر اسلام کو قبول کر لے تو بھی اس پر حملہ نہ کیا جائے گا۔ پس اگر دونوں باتیں منظور نہ ہوں تو پھر تلوار فیصاف کرے گی۔ حضورؐ نے یہ تعلیم بھی دی کہ اگر دشمن کے کسی فرد یا گروہ کو مسلمانوں کی طرف سے، ان کا کوئی ادنیٰ فرد بھی پناہ یا امان دے دے تو ایسی پناہ یا امان سارے لشکر کی طرف سے محبوب ہوئی۔ رسولِ صادق و مستحق نے یہ تلقین بھی فرمائی کہ دشمن کے مقتولین کے لاشوں کی بے حرمتی نہ کی جائے۔ ان کے ناک کان کاٹ کر چہروں کو بگاڑا نہ جائے۔

سوچئے کہ یہ اُس زمانے کی بات ہے جب کوئی متفقہ واضح بین الاقوامی قانون موجود نہ تھا، کوئی ادارہ اقوام متحدہ قائم نہ تھا، کوئی معاہدہ جینوا طے نہیں ہوا تھا، محسن انسانیت ہمارے اس دور کے سرے پر درہ پہلی قائدانہ شخصیت تھے جنہوں نے میدان جنگ تک کے لیے بھی دشمن کے حقوق اور مسلمانوں کے اخلاق معین کیے۔ — اور آج ایک یہ زمانہ ہے کہ اقوام متحدہ کے علاوہ بہت سے ادارے اور معاہدے اور بین الاقوامی قوانین کے مسئلہ سرے موجود ہیں، لیکن مہذب کھلانے والی قومیں جب کبھی میدان جنگ میں آتی ہیں تو پھر شکست کھانے والی قوت کی نہ جانیں بچتی ہیں، نہ اموال، نہ بغیرت و آبرو اور نہ ان کی عورتوں کے ناموس اور پھر اس مہذب دور کی قوموں کے اندر جب کبھی گروہی تصادم ہوتے ہیں یا کوئی انقلابی قوت ابھرتی ہے تو اس وقت جو تذلیل و تباہی انسانیت کی ہوتی ہے اس کا اندازہ کسی کو نہیں۔

افسوس ہے کہ یہ بد نصیب دنیا محمد کے چہنہ ہدایت تک نہ پہنچ سکی۔

## جہاد کیا اور کیوں؟

دور نبوت کے عزوات کا تذکرہ پڑھ کر متشرقیوں کے اٹھائے ہوئے اعتراضات کی بنا پر یہ سوال اکثر ابھرتا رہا ہے کہ دین کے کام میں تلوار کا کیا کام اور مسجد کے ساتھ میدان جنگ کی سرگرمیاں کیوں؟

اسلام میں جہاد کے مقاصد قرآن میں بتادیے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ اسلامی ریاست کے وجود و اختیار اس کے باشندوں اور اس کے اہلک کا تحفظ کیا جائے، دوسرا یہ کہ اس عقیدے، نصب العین، نظام حیات اور تمدنی نقشے کو تباہ ہونے سے بچایا جائے جس کے لیے ابراہی ریاست تشکیل پاتی ہے۔ تیسرا یہ کہ ہر اس تخریبی قوت کا انسداد کیا جائے جو خدا پرستانہ انقلاب اور انسانیت کی بھلائی کی تحریک کے پھیلاؤ میں مزاحمت کرے، اور چوتھا یہ کہ اگر کسی ظالم قوت کے ہاتھوں کمزور انسان بے بس عورتیں اور معصوم بچے مسلسل دکھ رہ رہے ہوں اور انھیں صلاح و فلاح کا راستہ اختیار کرنے سے روکا جا رہا ہو تو ایسی تخریبی قوت کا تخت الٹ دیا جائے۔

اس تصور جہاد کے وسیع دائرے میں دفاعی جنگ بھی آجاتی ہے۔ مگر یاد رہنے

کہ تخریکوں اور تہذیبوں کی ہر جنگ ایک پہلو سے دفاعی ہوتی ہے اور دوسرے پہلو سے جارحانہ، بلکہ ساتھ ہی ساتھ وہ اصلاحی و تعمیری بھی ہوتی ہے۔

اس تصور جہاد کے تحت حضورِ محسنِ انسانیتؐ اور آپ کی جماعت کا معاملہ مخالفین کے ساتھ اس طرح تھا، جیسے کوئی ایک بجز زمین کو تیار کر کے اس میں چمن آراستہ کرنا چاہتا ہو۔ لیکن کچھ جنگلی جانور اڈل تو اس کی تیار کردہ زمین کو بار بار خراب کر رہے ہیں اور پھر جب گل و لالہ نمودار ہو جائیں تو ایک ایک پودے کو نوچ کر لیا رہیں گے اور اجاڑ دینا چاہیں۔ آخر ان جنگلی جانوروں کے ساتھ کس قانون یا اخلاقی شعور کے تحت بے جا مردت برتی جاسکتی ہے۔ عرب میں دو قوتیں آمنے سامنے تھیں۔ ایک طرف باقاعدہ منظم ریاست تھی، اس میں صاف ستھرا نشاۃِ معاشرہ نشوونما پارہا تھا، یہ ریاست ساری دنیا کے لیے ایک پیغامِ فلاح کی علمبردار تھی۔ دوسری طرف غیر عقلی مشرکانہ عقائد تھے، ہر قبیلے کا الگ ایک دروہیت تھا، اخلاقی معیار پست تھا، ایک پرانی ادھ کچری تہذیب تھی جس میں کوئی بہاؤ نہ تھا اور کھڑا پانی سٹر رہا تھا۔

پس مکے اور مدینے کے درمیان جو جنگی دور گزرا ہے اس کی نوعیت ایک سول وار کی سی تھی، جسے انقلاب لانے والی قوت کے خلاف پہل کر کے مخالف انقلاب قوت نے شروع کیا تھا۔

بدر کی پہلی جنگ کا پس منظر یہ تھا کہ ہجرت کے وقت نبی اکرمؐ کے خلاف سردارانِ قریش نے قتل کی سازش کی اور مکے کی گلیوں میں ہجرت کی رات کو تلواریں تسی ہوئی تھیں۔ بیعتِ عقبہ کے وقت بیعت کرنے والوں پر یہ حقیقت واضح ہو گئی تھی کہ حضورؐ کو مدینے لے جانے کے معنی جنگ کے ہیں۔ پھر اہل مکہ کا ایک خفیہ خط عبداللہ بن ابی کو موصول ہوا جس میں مدینے والوں کو دھمکی دی گئی تھی کہ اول تو تم از خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی حدود سے نکال دو، ورنہ ہم چڑھائی کریں گے اور تمہیں قتل کر کے تمہاری عورتوں کو سراپاۓ نشاط بنائیں گے۔ پھر ایک پیغام براہِ راست مسلمانوں کو پہنچا یا گیا کہ ”اس پر مغرور نہ ہو جاؤ کہ تم مکے سے صحیح سلامت نکل گئے، ہم مدینے پہنچ کر تمہاری خبر لیں گے“ اسی زمانے میں حضرت سعد بن معاذ



کو ابو جہل نے طوافِ کعبہ سے روکا اور کہا کہ مجھے یہ گوارا نہیں کہ تم لوگ بیت اللہ میں قدم رکھ سکو۔ اور اس کے جواب میں سعد بن معاذ نے کہا کہ تم ہمیں طوافِ کعبہ سے روکو گے، تو ہم تمہاری تجارتی شاہ راہ کو روکیں گے۔

واقعات کی ان ساری کڑیوں کو جوڑ کر دیکھیے تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ مکے کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف اعلانِ جنگ اول روز سے فسنا میں لکھا ہوا موجود تھا۔ قریش کو اپنی تلوار کے بے نیام کرنے میں چند وجوہ سے دیر ہوئی۔ درنہ وہ بہت پیسے قدم اٹھا چکے ہوتے۔ ان کے سامنے ایک مسئلہ بنو کنانہ کے تعادد کا تھا۔ جب کہ ان کا علاقہ مکے اور مدینے کے درمیان حائل تھا۔ بنو کنانہ سے قریش کی دیرینہ مخالفت تھی۔ اندیشہ یہ تھا کہ وہ قریش کی فوج کو اپنے علاقے سے گزرنے ہی نہ دیں۔ یہ خطرہ بھی تھا کہ قریشی فوج مدینے پر حملہ آور ہو تو پھپھے سے بنو کنانہ مکے پر حملہ کر دیں یا کم از کم قریشی فوج کا راستہ مکے سے کاٹ دیں۔ سراقہ بن مالک مدلجی کنانی اس علاقہ کا سردار تھا۔ اسے جب معلوم ہوا تو اس نے خود مکے جا کر قریش کو تعاون کا یقین دلایا۔

مکے والوں کا دوسرا مسئلہ جنگجو سپاہیوں کی فراہمی کا تھا۔ اس کا حل یہ نکلا کہ معاملہ احابیش سے طے پا گیا جو زیاد، جنگجو اور تند خو تھے اور وہ اجرت پر بھی لڑائیاں لڑتے تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے مکے کے قریب الاحابیش نامی وادی میں اہل مکہ سے حلیفانہ معاہدہ کیا تھا۔

ایک مسئلہ روپے پیسے کا تھا۔ سو جو تجارتی قافلہ اس سال شام جا رہا تھا۔ اسے مکے کے لوگوں نے زیادہ سے زیادہ سرمایہ اکٹھا کر کے دیا۔ حتیٰ کہ عورتوں نے اپنے زیورات اور اندوختے لالا کے پیش کر دیے۔ مدعا یہ تھا کہ اس سرمائے پر جو بھاری منافع ملے، اسے مدینے کے خلاف جنگی کارروائی میں کھپا دیا جائے۔

سوچا جائے تو یہ تجارتی قافلہ تجارتی قافلہ نہ تھا، بلکہ اس کی کمائی ہوئی ہر شرفی مسلمانوں کا خون بہانے کے لیے برہمچی کے پھل اور تلوار کی دھار کی طرح تھی۔ دنیا کی کوئی ریاست آج بھی اپنے حدودِ اثر میں اس قسم کی نقل و حرکت کا کھلا موقع کسی دشمن طاقت کو نہیں ہے۔

سکتی۔ قریش کے تجارتی قافلوں کے خلاف مسلمانوں کی طرف سے جو کارروائی شروع کی گئی تھی، اسے نادان اور متعصب مستشرقین نے لوٹ مار قرار دیا، حالانکہ وہاں مقصود یہ تھا کہ قریش تجارت کے پردے میں جنگ کی تیاری کی مہم جاری نہ رکھ سکیں۔

اس بات کو یہیں چھوڑ کر، ہم ایک گزشتہ واقعہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ بیان ہو چکا ہے کہ نخلہ کی طرف جو عسکری دستہ گشت کے لیے بھیجا گیا تھا، ان کا سامنا قریش کے ایک چھوٹے سے تجارتی قافلہ سے ہوا، جھڑپ ہو گئی۔ دشمن کا ایک آدمی عمرو ابن العاصؓ کا ایک شخص بھاگ گیا، دو قیدی بنا لیے گئے۔ کچھ مال غنیمت مسلم فوجی دستے کے قبضے میں آیا۔ یہ دستہ جب مدینے واپس پہنچا تو حضورؐ اس کارروائی پر سخت ناراض ہوئے۔ کیونکہ تصادم کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔ حضورؐ نے مقتول کا خون بہا، مال غنیمت اور قیدی کئے بھجوا دیئے۔ حضورؐ کے اتنا کچھ کرنے کے باوجود کتے میں اشتعال پھیل گیا۔ اتفاق یہ کہ مسلم دستے کو علم نہ تھا کہ اسی دن سے ماہ حرام شروع ہو رہا تھا اور ماہ حرام میں کسی پر حملہ کرنا پورے عرب کی روایت کے خلاف تھا۔ بس یہ بات مخالفانہ پروپیگنڈے کا ذریعہ بن گئی اور اس واقعہ کو قریش نے جنگی اقدام کرنے کا بہمانہ بنا لیا۔

عجب بابرکت صورت تھی کہ وہ پہلا ماہ صیام جس کے روزے فرض کیے گئے تھے اسی میں پہلا معرکہ حقیقی و باطل واقع ہوا اور جیتنا اہل حق کو ہونی، باطل رفوچکر ہو گیا۔ اس ماہ نزولِ قرآن کو اللہ تعالیٰ نے صبر و تقویٰ کی تربیت کا ذریعہ بنایا جس کے بغیر اسلامی جہاد کا کوئی تصور کرنا ممکن نہیں۔ اسی مہینے میں روزے کی حالت میں سپاہیانہ حق نے حضورؐ کے جلو میں پہاڑیوں اور وادیوں کے گشت کیے، روزے رکھ کے ہی جنگ لڑی اور فتح یاب ہوئے۔

تربیت کا یہ مہینہ اہل ایمان کیلئے بہت بڑا ٹیسٹ ہے۔ رمضان اس بات کی کسوٹی بن کر آتا ہے کہ کیا دنیا میں نیکی کو غالب کرنے اور باطل کا قلع قمع کرنے والے سپاہی انقلابی فریضہ ادا کرنے کے لیے آگے بڑھ رہے ہیں؟ کیا ان کو نفسانیت پر اتنا کنٹرول ہے کہ وہ اپنی معمولی خواہشات کو اپنے اوپر حکومت نہ کرنے دیں بلکہ خود ان پر حکومت کریں؟ اگر

یہ بات نہیں تو خوبصورت مقاصد کے بلند بانگ نعرے تو ہر کوئی آسانی سے لگا لیتا ہے، فیصلہ کن معاملہ یہ ہے کہ وہ ان کے لیے قربانیاں دینے اور تکلیفیں اٹھانے کی استعداد رکھتا ہے یا نہیں۔ ماہ رمضان خدائی فوج کے لیے ایسے مجاہد تیار کرنے کا کورس ہے جو جھوک پیاس سہ کر، جھوٹ غیبت سے باز رہ کر اور لطف و آرام کی دیگر بدنی خواہشوں کو زیر کر کے اللہ کی پکار پر لپکتے ہیں۔ ورنہ اگر کوئی شخص کھانے پینے پر چند گھنٹے کی پابندی برداشت نہیں کر سکتا۔ نیند کا کوئی حصہ قربان نہیں کر سکتا، ازدواجی دائرے کی تفریحات سے محض دن کی حد تک اجتناب نہیں کر سکتا تو پھر اگر وہ خدمتِ اسلامی اور اسلامی انقلاب اور اسلامی جہاد کی باتیں کرتا ہے تو ایسی کھوکھلی باتوں سے دنیا مفتوح نہیں ہوا کرتی۔ دنیا ان لوگوں سے مفتوح ہوتی ہے جو دوسروں سے پہلے خود اپنے ساتھ معرکہ آرا ہو کر اپنے آپ کو فتح کر چکے ہوں۔

سور رمضان کی برکتوں کے سائے میں مسلم مجاہدین حضور کے زیر قیادت جہاد کی راہ

پر پہلی بار گامزن ہوتے ہیں۔

## پہلا معرکہ حق و باطل

مدینہ کی اسلامی ریاست کے کارپردازِ اعلیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فوجی تیاریوں کے ساتھ حالات کی نبضوں پر انگلیاں رکھے برابر اندازہ کر رہے تھے کہ کب کیا ہونے والا ہے حضورؐ کا نقطہ نظر جامد قسم کا نہیں تھا کہ بیٹھے دیکھتے رہیے، جب دشمن حملہ کرے گا تو جواب دینے کی فکر کریں گے۔ بلکہ خالص دفاعی نقطہ نظر سے بھی اگر سوچا جائے تو بہتر صورت یہی تھی کہ دشمن جو نہی جنگ کی تلوار کو سامان پر رکھے، اس تلوار کو توڑ دینے کی فکر کی جائے۔ جنگ کو دکنے سے بہتر جنگ کی تیاریوں کو روکنا ہوتا ہے۔

جس لمحے حضورؐ کو قریش کے اُس تجارتی قافلے کی خبر اپنے فوجی دیدبانوں کے ذریعے ملی، جو جنگی کارروائی کا ذیبا چہ تھا۔ آپؐ نے اس سے تعرض کا فیصلہ کیا۔ میرے نزدیک کوئی وجہ نہیں کہ حضورؐ کے اس اقدام کو مخالفین کوئی غلط معنی پہنائیں، اور نہ کوئی وجہ اس بات کی ہے کہ ہم خواہ مخواہ شرمساری کے ساتھ اس پر معذرت طلب کرتے پھرریں۔ دوسری طرف قافلہ کے سردار ابوسفیان نے شام کو جاتے ہوئے بھی مدینے کی فضا کو سونگھنے کی کوشش کی اور آتے ہوئے بھی وہ پھونک پھونک کے قدم رکھ رہا تھا۔ اسے جو نہی خطرے کا احساس ہوا:

اُس نے فوجی امداد طلب کرنے کے لیے اپنا قاصد مکے کی طرف دوڑایا۔ قاصد نے مکے جا کر  
 پیچھ پیچھ کر دہائی دی کہ قریش کے لوگو! اپنے قافلے کو محمد کے ہاتھوں سے بچانے نکلو۔ سخت  
 جذباتی بیجان ہیں ایک مضبوط فوج کیل کانٹے سے لیس ہو کر نکل کھڑی ہوئی۔ ابولہب کے  
 سوا تمام اکابر سردار شامل تھے۔ رسول خدا کے نظام خبر رسانی سے یہ اطلاع مل گئی۔ اب فیصلہ  
 کن تاریخی لمحہ سامنے تھا۔ اگر قوت کافی ہوتی تو قریشی قافلہ تجارت اور مکے کی فوج دونوں کو  
 زد میں لیا جاتا، لیکن فیصلہ یہی تھا کہ دونوں میں سے کسی ایک ہی کی طرف توجہ کی جاسکتی ہے۔  
 حضور نے وادی ذفران میں اپنے رفیقوں کا مشاوری اجلاس منعقد کیا۔ مسکری بحث  
 یہ تھا کہ اس موقع پر کیا کرنا چاہیے۔ ایک خاصے بڑے گروہ نے قافلے کی طرف اقدام کرنے کی  
 رائے دی۔ حضور نے پھر اپنا سوال دہرایا۔ حضور کے عندیہ کو سمجھ کر مہاجرین کی طرف سے  
 حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت مقداد بن عمروؓ نے بھرپور انداز میں اپنا اتفاق  
 پیش کیا کہ حکم الہی کے تحت آپ جد پھر بھی اقدام کریں، ہم آپ کے ساتھ ہو کر لڑیں مریں گے،  
 اور بنی اسرائیل کی طرح یہ کہہ کر بیٹھ نہ رہیں گے کہ موسیٰ جاؤ تم اور تمہارا خدا مل کر لڑیں۔ حضور  
 نے ایک بار پھر سوال دہرایا۔ مدعا یہ تھا کہ انصار جن کے ساتھ معاہدہ عقبہ میں صرف اتنی  
 بات طے تھی کہ مدینے پر حملہ ہونے کی صورت میں وہ بچاؤ کریں گے، اب جبکہ وہ محض قریشی  
 قافلے سے تعرض کے پردگرم پر نکلے تھے، قریشی فوج کے آجانے کی وجہ سے باقاعدہ جنگی  
 کارردائی واجب ہو گئی تھی، حضور جاننا چاہتے تھے کہ ان کا رویہ کیا ہوگا۔ سعد بن معاذ انصار  
 کی طرف سے بولے کہ آپ جو بھی اقدام کریں، ہم آپ کے ساتھ سمندر میں بھی کودنے کو تیار ہیں۔  
 واضح رہے کہ حضور محسن النابت ۱۲ رمضان ۲ھ کو مدینے سے نکلے۔ یہ پہلا رمضان  
 تھا جب کہ پورے مہینے کے روزے فرض کیے گئے۔ بروایت مشہور مسلم سپاہ کی تعداد ۲۱۳  
 تھی، بعض محققین کی رائے میں، ۳۱۰ مقام صفر میں پہنچ کر آپ نے ۲۰ جان نثاروں کو بھیجا  
 کہ وہ قافلے کا پتہ معلوم کر کے آئیں۔ خود وادی ذفران جا پہنچے۔ اطلاع ملی کہ قافلہ بدر کا راستہ پہنچ  
 کر ساحل کے لیے راستے کی طرف نکل گیا ہے اور خاصا دور جا چکا ہے۔

قافلے کے پیچ کر نکل جانے پر ابوسفیان نے قریشی سرداران لشکر کو مشورہ دیا کہ اب سب

کو دھڑ جانا چاہیے۔ بعض اہم داروں نے ابوسفیان کی تائید کی۔ مگر ابو جہل کا پارہ چڑھا ہوا تھا، اُس نے واقعہ تلخہ کے مقتول سترمی کے بھائی علاء ابن حفصہ کو بھڑکا دیا جس نے ایک جذباتی طوفان برپا کر دیا۔ آخر قریشی فوج میدان بدر کے کنارے آگئی۔

حضورؐ نے رفا کے مشورے سے فوجی لحاظ سے اپنے کیمپ کے لیے بہترین جگہ کا انتخاب کیا اور جنگی منصوبہ اچھی طرح سوچ لیا۔ دشمن کی تعداد اور اہم افراد کے بارے میں تجسس کرایا۔ پھر رفا سے فرمایا: ”مکے نے اپنے جگر پارے تمہارے سامنے لا ڈالے ہیں“ یعنی موقع ہے کہ ان قائدین شروفساد کا صفایا کر دو۔ دشمن کی فوج قریباً ایک ہزار افراد پر مشتمل تھی۔ ان میں ۶ سو زره پوش اور ایک سو سوار شامل تھے۔ اونٹوں کا ہجوم ساتھ تھا۔ اسلحہ کی فراوانی تھی۔ رسد بہ افرا تھی۔ سپاہیوں کو خوش کرنے کے لیے شراب کے مٹکے اور گانے والی بوڑیاں ساتھ تھیں۔ دوسری طرف تین سو سے کچھ زائد بے سرو سامان خدا پرست تھے۔ اُن کی توت اُن کے ایمان، اُن کے مشن، اُن کے علم، اُن کے صبر و تقویٰ، ان کے اخلاق اور ان کی تنظیم کی وجہ سے تھی۔ حضورؐ کی مسلم فوج کے سامنے معاملہ محض ایک جنگ جیتنے کا نہ تھا بلکہ تحریک کی پوری بازی مار لینے یا ہار دینے کا تھا۔ ان کا ماضی حال اور مستقبل سب کچھ میدان بدر میں سمٹ آیا تھا۔

اور حضورؐ نے گڑگڑا کر بھیگی پلکوں کے ساتھ خدا سے دعا کی کہ ”اے اللہ! یہ ہیں قریش! یہ کبر و غرور کے نشے سے سرشار ہو کر اس مقصد سے آئے ہیں کہ تیرے بندوں کو تیری عبادت سے باز رکھیں اور تیرے رسولؐ کو جھٹلائیں۔ پس، اے اللہ تو اپنی نصرت بھیج جس کا تو نے مجھ سے وعدہ کر رکھا ہے“ پھر فرمایا کہ ”اگر یہ چند جانیں ختم ہو گئیں تو پھر قیامت تک تیری عبادت نہ ہوگی“ اس رات بھری دعا کے جواب میں حضورؐ کو قبولیت دعا اور فتح کی بشارت دی گئی۔

اگلے دن، یعنی، ۱۱ رمضان المبارک کو فوجیں آمنے سامنے ہوئیں حضورؐ نے مسلم سپاہ کو صف آرا کیا۔ آغاز مبارزت سے ہوا۔ پھر جوڑن پڑا تو مسلم سپاہ نے ۲۲ جانیں قربان کر کے دشمن کے ستر افراد کو موت کے گھاٹ اتارا، جن میں شیبہ، عقبہ، ابو جہل، عاص ابن ہشام

امیہ ابن خلف اور ابوالخضریٰ جیسے اکابر شامل تھے۔ نیز اپنا کوئی آدمی دیے بغیر دشمن کے  
۴۰ ہی افراد کو قیدی بنایا۔ غزوہ بدر کے چند پہلو بڑے سے توجیہ طلب ہیں۔

غزوہ بدر ایک واقعاتی شہادت ہے۔ اس بات کی تعداد سپاہ اور اسلحہ کی قوت میں  
ایمانی قوت بہت اضافہ کر دیتی ہے۔ اسی کے ساتھ حق و باطل کا یہ معرکہ اس آیت قرآنی کی  
تفسیر ہے کہ "وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ"؛ "نصیح صرف اللہ کی جانب سے ہے۔"  
یہ واقعہ ایک شمع روشن ہے کہ انتہائی نازک لمحہ جنگ میں جبکہ ظاہری قوت کی کمی  
اسلامی محاذ پر عیاں تھی، حضورؐ نے مکے سے آنے والے دو مسلم نوجوانوں کی خدمت لینے سے  
اس بنا پر انکار کر دیا کہ راستے میں انھیں دشمن نے حرمت میں لے لیا، اور اس وعدے  
پر چھوڑا کہ وہ رسول اللہ کے ساتھ جنگ میں شریک نہیں ہوں گے۔ حضورؐ نے دونوں سے  
فرمایا کہ تم جو وعدہ کر آئے ہو، لازماً اسے ایفا کرو۔ یہ تھا اخلاقی مقام جس تک انسانیت  
کو پہنچانا مطلوب تھا۔

خدا کے رسولؐ اور انسانیت کے محسن نے نہ صرف اس کی ممانعت کر دی تھی کہ دشمن  
کی نعمتوں کی بے حرمتی نہ کی جائے، بلکہ ایک بڑا گڑھا کھودا کر ان کی تدفین کا انتظام بھی کیا۔  
مالِ غنیمت کے بارے میں رواج تھا کہ سب لوگ اندھا دھند ٹوٹ پڑتے اور جو کچھ  
کسی کے ہاتھ لگتا، نے اڑتا۔ اسلامی ضابطہ جہاد نے اس بد نظمی کو نظم سے بدل دیا۔ سارا  
مالِ غنیمت حکومت کے زیر انتظام چلا گیا۔ میدان بدر میں بھی مجاہدین نے ہر شے اپنے لیے سالار  
کے قدموں میں رکھ دی۔ پھر حضورؐ نے احکام الہی کے مطابق اس کو تقسیم کیا۔

اور ایک پہلو یہ قابل غور ہے کہ دنیا میں جنگی قیدیوں سے بہت ہی بڑا بلوگ کیا جاتا  
تھا۔ اذیت رسانی بھی اور تزیین بھی۔ محمدی تحریک فلاح نے جنگی قیدیوں کو انسانی شرف  
سے آراستہ کر دیا۔ مدینے کے مختلف گھروں میں انھیں رکھا گیا اور حضورؐ نے صحابہ کو تاکہ  
کردی کہ قیدیوں کو اچھا کھلاؤں اور پہنائیں۔ اس حکم کی تعمیل میں بعض صحابیوں نے خود

کھجوروں پر گندہ لیسر کی اور قیدیوں کو اچھے معیار کا کھانا دیا۔ جن اسیروں کے لباس کم تھا۔ ان کو کپڑے دیے گئے۔ مسجد نبویؐ میں جو قیدی رکھے گئے، ان کے کہہ سنے کی آواز نے حضورؐ کی نیند فائب کر دی اور آپؐ اس وقت تک نہ سو سکے، جب تک کہ ان کے بندھن ڈھیلے نہ کر دیے گئے۔

قیدیوں کی رہائی کے لیے حضورؐ نے چار چار ہزار درہم فی قیدی قدیہ مقرر کیا، بعض امرا کے لیے زیادہ بھی۔ یہ رقم ڈوسائی پوتے تین لاکھ درہم بنتی تھی۔ قریش پر اتنا مالی بار پڑنے کے دوسرے معنی ان کی جنگی قوت میں کمی کے تھے۔

نہایت ہی اہم بات یہ ہے کہ خدا پرست نانتحین نے اولیں معرکے میں اتنی زبردست فتح حاصل کرنے کے باوجود نہ کوئی جشن منایا، نہ ڈھول تاشوں اور بینڈ باجوں کے ساتھ دینے کی طرف مارچ کیا۔ رسولؐ خدا کے تیار کردہ مجاہدین کی مستزین خدا کے ذکر اور خدا کے شکر میں ڈھل گئی تھیں۔ پھر یہ بھی نہیں ہوا کہ مسلمان زعم قوت میں مبتلا ہو جائیں یا یہ سمجھنے لگیں کہ ہم نے مجاہدانہ کردار کا آخری مقام پایا ہے۔ بخلاف اس کے قرآن نے ان پر مؤثر تنقید کر کے بتایا کہ تم میں ابھی کیا کیا کمزوریاں کام کر رہی اور یہ تنقید برسراعام کی جاتی اور ہر طرف پھیل رہی تھی۔

آخری ایمان افروز حقیقت یہ قابلِ توجہ ہے کہ قرآن نے یوم بدر کو یوم فرقان قرار دیا۔ یعنی اس معرکے سے یہ بات نکھر کر سامنے آگئی کہ حق کدھر ہے اور باطل کدھر۔ اور کون سی قوت نشوونما پانے والی ہے اور کسے مٹ جانا ہے۔



## غزوة بدر سے غزوة احد تک

غزوة بدر کا بیان ہو چکا، غزوة احد کا باب سامنے ہے۔ ان دونوں بڑے واقعات کے درمیان جو کچھ ہوا اس پر ایک اجمالی نظر ڈال لینی چاہیے، مگر اس سے بھی پہلے ہلکی سی جھلک اس مکروہ فضا کی، جو یہود نے پیدا کر رکھی تھی۔ اُس کا بیان اس لیے ضروری ہے کہ آگے کے واقعات سیرت، اور ابواب تاریخ کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔

یہود سے بظاہر امید تو یہ ہونی چاہیے تھی کہ ایک خدا پرست، پیغمبروں کی نام لیوا، الہامی کتاب کی وارث قوم پیغمبر آخر الزماں کی تحریک سے تعاون کرے گی، مگر یہود نے بڑا گھٹیا مخالفانہ راستہ اختیار کیا۔

قریش کی مخالفت میں اشکبار تھا یا احساس برتری۔ لیکن یہود کے ہاں حضور کے خلاف حسد پایا جاتا تھا جو احساس کمتری کی شکل اختیار کرتا ہے۔ مذہبی لوگ جب پستی میں گرتے ہیں تو پھر ”پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھیے“

اوپنچے درجے کے ایک یہودی عالم کی ذہنیت دیکھیے۔ ام المومنین حضرت صفیہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں اپنے والدِ خنیی ابن اخطب اور چچا ابویاسر بن اخطب کی نگاہ میں،

ساری اولاد سے زیادہ چہیتی تھی۔ جب رسول خدا نے آئے اور قبائلیں قیام کیا تو والد اور چچا دونوں ملاقات کے لیے گئے۔ واپس آئے تو اتنے پریشان تھے کہ میرے سلام کرنے پر توجہ نہ کی۔ چچا نے والد سے پوچھا: کیا یہ وہی پیغمبر موعود ہیں؟ والد نے جواب دیا: ہاں خدا کی قسم! پھر چچا نے پوچھا کہ: ”آئندہ کے لیے کیا ارادہ ہے؟“ خدا کی قسم، جب تک زندہ ہوں دشمنی، اور نصرت دشمنی رکھوں گا۔ کیا شان ہے بے ضمیری کی، جان لیا، پہچان لیا، مگر مان کے نہیں دیا۔

تقریباً یہی ذہنیت یہودی گروہوں میں غالب رہی!

حضور کی مجلس میں آتے تو ایسے الفاظ اندر انداز سے خطاب کرتے کہ ایک پہلو تو ہیں و تسمخ کا نکلنا اڈٹ پٹانگ سوالات کرتے مثلاً خدا نے سب کچھ پیدا کیا، آخر خدا کو کس نے پیدا کیا؟ بھی مطالبہ کرتے کہ اگر آپ پیغمبر ہیں تو ہمیں خدا کی ایک جھلک دکھا دیجیے، کبھی کہتے کہ خدا سامنے آکر ہم سے بات کرے۔ انفاق فی سبیل اللہ کی دعوت پر مذاق اڑاتے کہ لوجی (نعوذ باللہ) خدا بھی دیوالیہ ہو گیا۔ ہے کہ لوگوں سے چندے اور قرض مانگتا ہے۔ مسلمانوں کو صدقات دینے سے روکتے کہ کیوں پیسہ بریاد کر رہے ہو، یہ تو چار دن کا کھیل ہے۔ مسلمان احکام سن کر کہتے ”سمعنا و اطعنا“ اور یہ ان کی آوازوں میں آواز ملا کر کہتے ”سمعنا و عصینا“ اپنے آدمیوں کو کہتے کہ جادو تھوڑی دیر کے لیے مسلمان ہو جاؤ پھر واپس آجانا اور کہنا کہ اندر کا حال دیکھ کر مایوسی ہوئی۔ کچھ لوگوں کو جاسوس بنا کر مجالس میں بھجواتے۔ راتوں کو سارن رپورٹیں لے کر حضور اور آپ کی جماعت اور تحریک کے خلاف شاطرانہ چالیں سوچتے۔ یہود کی ایسی حرکات کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ منافقین کا گروہ پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ منافقین ظاہراً مسلمانوں کی طرح دکھائی دیتے۔ بس جہاں کوئی خاص موقع آتا، رخنہ اندازی کر جاتے۔ کوئی ذمہ داری سامنے آتی تو ٹسک جاتے۔

واقعہ نخلہ پر یہ وہ پکینڈا کیا کہ دیکھو جی یہ نئے خدا پرست حرام مہینوں کا احترام بھی نہیں کرتے۔ بعد میں جب حضرت زینبؓ ام المؤمنین بنیں تو یہ طوفان اٹھا دیا کہ لوجی (نعوذ باللہ) اپنی بہو کے ساتھ شادی کر لی ہے کیونکہ حضرت زینبؓ حضور کے منہ بولے

بیٹے مشہور تھے۔ قرآن نے بعد میں صراحت کی کہ منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹے کے مقام پر نہیں رکھا جاسکتا۔ ان بد طینت لوگوں نے ایک موقع پر حضرت عائشہؓ پر بتان لگا کر ایک بھرائی کیفیت پیدا کر دی۔ غزوہ اُحد کو جانے والی فوج سے ان کے تین سو آدمی الگ ہو گئے۔

پھر انھوں نے اپنی دولت کے ڈنک فاقہ مست مہاجرین کو لگائے بلکہ خود رسولؐ برحق تک کو مالی قوت کے ذریعے اذیتیں دیں۔ ایک طرف ضرورت مند مسلمانوں سے بہت سخت مزدوری لیتے اور حقیر اجرت دیتے، دوسری طرف انھیں قرض دے کر پوری مہاجنی شان سے سخت اذیت دیتے۔ یہاں صرف ایک مثال کافی ہوگی۔ ابو حذرہؓ اسلیٰ ایک یہودی کے مقرض ہو گئے، مقررہ وقت پر تن کے معمولی کپڑوں کے علاوہ ان کے پاس کچھ نہ تھا۔ انھوں نے مہلت طلب کی۔ مہلت نہیں ملی۔ یہودی اس قصے کو حضورؐ تک لایا۔ حضورؐ کے کہنے پر بھی یہودی نے مہلت نہیں دی، بلکہ ابو حذرہؓ کے بدن سے ان کا تسمہ اترا لیا۔ یاد رہے کہ خود حضورؐ کی زرہ مرض الموت کے وقت ایک یہودی کے پاس رہن تھی۔

یہود نے نازک جنگی مواقع پر جو غدار باں کیں وہ اپنی جگہ بار بار حضورؐ کو قتل کرنے کی ناپاک کوششیں کیں۔ زہر خورانی بھی کی گئی اور جادو کے ٹونے ٹونگوں سے بھی کام لیا گیا۔ ایسے دھواں دھار ماحول میں رہتے ہوئے حضورؐ نے غزوہ بدر سے غزوہ فتح مکہ تک کی ساری کارردائیاں بڑی کامیابی سے سرانجام دیں۔

اب ان چند واقعات کا ذکر جو پہلے دو غزوات کے درمیان ہوئے۔ حضورؐ جب بدر سے مدینہ واپس پہنچے تو اطلاع ملی کہ بنی سلیم حملہ کے لیے جمع ہو رہے ہیں۔ آپؐ ۲۵ رمضان المبارک کو ماہ الکدر کے مقام پر جا پہنچے۔ تین روز وہاں کیپ رکھا۔ مگر دشمن کا کوئی نشان نہ ملا۔

ماہ رمضان کے ختم ہونے میں دو دن باقی تھے کہ سقدۃ الفطر اور نماز عید ادا کرنے کا حکم ہوا۔

دوسرے تجزیہ سال ہی میں زکوٰۃ فرض ہوئی جو نماز کے بعد اسلام کا بہت اہم رکن ہے۔  
اسی وقت میں حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ الزہراء کا رشتہ ازدواج قائم ہوا۔

عین اس وقت جب حضورؐ غزوہ بدر کے سلسلے میں مدینے سے باہر تھے، یہودیوں کے قبیلے بنی قینقاع نے مدینہ میں فتنہ گرمی شروع کی، مسلمانوں کو ننگ کرنے لگے، ان کی شرارت پسندی کی حد یہ تھی کہ ایک انصاری مسلم خاتون بازار میں کسی یہودی کی دکان تک گئیں۔ اس یہودی نے خاتون کو سر بازار عریاں کر دیا۔ خاتون نے اپنی فریاد بلند کی، ایک غیرت مند مسلمان لپکا اور اس نے برتیز یہودی کو قتل کر دیا۔ بعد ازاں یہودیوں اور مسلمانوں کے درمیان بلوئی ہو گیا۔

رسولؐ برقی واپس تشریف لائے تو آپؐ نے اس فعل پر یہودیوں کو ملامت کی۔ مگر بنی قینقاع نے شرم اور معذرت کا اظہار کرنے کے بجائے کہا کہ ہم قریش نہیں ہیں، جب ہم سے معاملہ پڑے گا تو ہم دکھا دیں گے کہ لڑائی کسے کہتے ہیں۔ گویا بنی قینقاع نے معاہدہ مدینہ توڑ دیا۔ حضورؐ نے وسط سوال میں بنو قینقاع کا محاصرہ کر لیا جو پندرہ دن تک جاری رہا۔ بالآخر بنی قینقاع نے اپنے آپ کو حضورؐ کے حوالے کر دیا کہ جو چاہیں فیصلہ کریں۔ معاملہ ان کی جلا وطنی پر ختم ہوا۔

میدان بدر میں قریش کو جو ذلت آمیز شکست ہوئی اس کی وجہ سے گھر گھر میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ ساتھ ہی جذبہ انتقام زور پکڑ رہا تھا۔ ابوسفیان اب چونکہ سردارِ مکہ تھا اس لیے اس کی ذمہ داری تھی کہ بدر کے مقتولین کا انتقام لے۔ چنانچہ غصے میں ۵۰ ذی الحجہ کو دسوشتر سواروں کے ساتھ حملے کے لیے بڑھا۔ البتہ مدینے سے تین میل دور عریض نامی بستی پر جا غصہ اتارا۔ ایک مسلمان، یعنی سعد بن عمرو انصاری کو قتل کیا، گھاس کے ذخیرے کو آگ لگا دی، چند مکان جلائے اور بھاگ نکلا۔

حضورؐ کو جو نہی اطلاع ملی، آپؐ سپاہیوں کا ایک دستہ ساتھ لے کر تعاقب کو نکل کھڑے ہوئے۔ ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں نے ستوڑوں کے تھیلے راہ میں گرائے تاکہ بھاگنے میں آسانی ہو۔ اسی لیے اس واقعہ کا نام غزوہ سبویق ہوا۔

پیغمبر برحق ۹ ذی الحجہ کو غزوہٴ سویق سے واپس مدینہ تشریف لائے۔ آپ نے ۱۰ ذی الحجہ کو ۲ رکعت نماز عید الاضحیٰ ادا فرمائی اور دو مینڈھے قربانی دیے۔ نیز مسلمانوں کو بھی قربانی کرنے کا حکم دیا۔ یہ پہلی بقر عید تھی۔

ذی الحجہ کے خاتمے پر مدینہ کی اسلامی ریاست کے سربراہ کو اطلاع ملی کہ بنی ثعلبہ اور بنی مخزوم نجد میں جمع ہو رہے ہیں، اور اطرافِ مدینہ میں ٹوٹ مار کا ارادہ رکھتے ہیں جنھوں نے حضرت عثمانؓ کو مدینہ میں نائب مقرر فرمایا، اور سارے چار سو مجاہدین کے ساتھ نجد کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس اقدام کی خبر جب دشمن تک پہنچی تو جمع شدہ لوگ پہاڑوں میں منتشر ہو گئے۔ آپ نے صفر کا پورا مہینہ گزارا اور ربیع الاول میں مدینہ واپس آ گئے۔

اسلامی ریاست کا ایک بااثر دشمن کعب بن اشرف یہودی تھا، جو مدینہ کی طرف آتا تو یہودیوں کو غدار کی تلقین کرتا، اور مکہ والوں سے رابطہ ہوتا تو ان کو مسلمانوں کے خلاف اگسٹا، مشکل یہ تھی کہ یہ شخص ہر طرف سے گھوم گھام کر اپنے شاندار محل میں چلا جاتا جو حدودِ مدینہ سے باہر مگر قریب ہی واقع تھا۔ جنگ بدر کا نتیجہ سنا تو یہ جل بھن گیا۔ سیدھا مکہ پہنچا۔ مقتولین کی تعزیت بھی کی اور اہل مکہ کو مسلمانوں کے خلاف دوبارہ تلوار اٹھانے کے لیے بھڑکایا۔ اُس نے ایک مہم کے طور پر مقتولین بدر کے مرثیے جگہ جگہ پڑھنے شروع کیے۔ لوگوں کو خوب رلواتا۔ اسی سلسلے میں مختلف قبائل کا دورہ کیا۔ بعد ازاں مدینہ آیا تو مسلمان خواتین کے نام لے لے کر عشقیہ اشعار پڑھتا اور حضور کے خلاف، جو کہتا۔ یعنی تحریکِ اسلامی کے جواب میں اچھی خاصی تخریبی تحریک تنہا اُس نے اٹھا رکھی تھی۔

ظاہر بات ہے کہ اپنے کرتوتوں کے لحاظ سے وہ دشمن کی صف کا آدمی تھا، مسلم جماعت اور اسلامی ریاست کے حق میں کھلا مجرم، اس کے خلاف اگر محمد بن مسلمہ ایک دستہ لے کر روانہ کرنے گئے تو بہت ہی صحیح بلکہ ضروری اقدام تھا۔ اس دستے نے کعب بن اشرف کو رات کے وقت ختم کیا۔ یہ ۱۴ ربیع الاول کا واقعہ ہے۔ یہود کو اطلاع ملی تو بڑے سراسیمہ ہوئے اور حضور سے آکر ملے۔ حضور نے اس کے سارے کرتوت ان کے سامنے رکھے تو وہ دم بخود رہ گئے۔ پھر ان سے ایک عہد نامہ لکھوایا کہ یہود میں آئندہ کوئی شخص ایسی حرکات نہیں کریگا۔

غزوہ غطفان کے بعد نبی اکرم نے ماہ ربیع الاول مدینے میں گزارا۔ ربیع الثانی کے اوائل میں رپورٹ ملی کہ مقام بحران جو حجاز کا معدن ہے، وہاں بنی سلیم مسلمانوں کے خلاف اقدام کرنے کے لیے جمع ہو رہے ہیں۔ حضور نے مدینے میں عبداللہ ابن مکتوم کو نائب بنایا اور تین سو صحابہ کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ بنی سلیم کو جب حضور کی روانگی کا علم ہوا تو وہ بکھر گئے۔

قریش بدر کے تجربے کے بعد اتنے خوف زدہ ہو گئے تھے کہ انھوں نے شام کا قدیمی تجارتی راستہ چھوڑ کر عراق کا راستہ اختیار کیا۔ جمادی الاخریٰ میں مکے سے ایک تجارتی قافلہ مال کثیر لے کے چلا۔ حضور تک خبر پہنچ گئی۔ آپ نے زید بن حارثہ کی سرکردگی میں ایک سو سپاہیوں کا دستہ قافلے سے تعرض کرنے کے لیے روانہ کیا۔ یہ مجاہدین جو نہی قافلے کے سامنے پہنچے، انھوں نے حملہ کر دیا۔ سامان تجارت پر ان کا قبضہ ہو گیا۔ مگر تمام لوگ قافلے میں قافلہ سمیت بھاگ گئے۔ صرف قافلے کے رہنما فرات بن حیوان عجمی کو گرفتار کر لائے جو مدینے آ کر مسلمان ہو گئے۔ اس قافلے سے حاصل شدہ مال غنیمت کا جو خمس سرکاری خزانے میں داخل کیا گیا۔ اس کی مالیت ۲۰ ہزار درہم تھی۔

حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی جناب حفصہؓ کے شوہر حضرت خنیس غزوہ بدر میں شہید ہو گئے تھے۔ اب حضرت عمرؓ کو اس بیوہ ہو جانے والی نوجوان بچی کی فکر ہوئی۔ حضرت حفصہؓ کی قسمت کا ستارہ چمکا اور آپ تیسرے ہجری سال کے ماہ شعبان میں حرم نبوی میں داخل ہوئیں۔

پچھلے سلسلہ واقعات سے اندازہ کیجیے کہ خدا کے رسولؐ پر صرف واقعہ بدر کے بعد کے چند ماہ میں کتنا زیادہ بار پڑا اور دفاعی ضرورت سے بے درپے سفر کرنے پڑے۔ ان واقعات سے یہ حقیقت بھی اخذ ہوتی ہے کہ دین تو شہادت کے الفت میں قدم رکھنا ہے، اس کا دائرہ صرف محراب و منبر تک محدود نہیں ہے۔ پھر یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ دین کو کفر و شرک کے نظاموں کے مقابلے میں غالب کرنے کی کوشش کوئی کھیل نہیں، یہ ایک انقلابی مہم ہے جس میں قدم قدم پر سرفروشی اور جاں سپاری کرنی پڑتی ہے۔

## غزوة احد

غزوة سویقی کے بعد اگرچہ ابوسفیان کی قسم برائے انتقام بظاہر پوری ہو چکی تھی، مگر زید بن حارثہ کے ہاتھوں تجارتی تانفلہ کے لٹنے کی وجہ سے ایک لاکھ درہم کا جو نقصان قریش کو پیش آیا تھا اور بدر کے قیدیوں کے ندریہ میں جو ۲ لاکھ درہم دینے پڑے۔ ان کی وجہ سے مکہ میں تیز و تند جنگی جذبات کی لہریں اٹھ رہی تھیں، انہی لہروں کے دباؤ کی وجہ سے ابوسفیان نے مدینہ پر چڑھائی کرنے کا اعلان کر دیا اور گلی کوچوں میں انتقام انتقام کی صداؤں بلند ہونے لگیں۔

جنگ بدر کے وقت جتنا سامان تجارت شام سے آیا تھا اس کا منافع پہلے ہی جنگی فنڈ میں جمع تھا۔ اس میں اضافے کے لیے مزید جنگی چندہ قبائل مکہ سے اکٹھا کیا گیا۔ عمرو جمحی اور مسافع دو شعرا نے عرب قبائل کا دورہ کیا اور جگہ جگہ اپنے اشعار سے لوگوں کے جذبات

---

سے واقدی کی سند ہے شاہ فرید الحق نے لکھا ہے کہ ۵ ہزار مثقال سونا جنگی مصارف میں لگایا گیا۔ اتنا ہی ریزرو فنڈ میں رکھا گیا۔ بار برداری کے لیے ایک ہزار اونٹوں کا انتظام کیا گیا۔

بھڑکائے۔ کنانہ اور تھامہ کے دو قبائل نے بھی قریش سے تعادد کا فیصلہ کیا۔ اس طرح من  
کہ ۳ ہزار سپاہیوں کا لشکر جمع ہو گیا۔ مگر سے روانہ ہوتے ہوئے ان لوگوں نے عورتوں کو بھی  
ساتھ لیا تاکہ ان کی دجہ سے سپاہیوں میں غیرت کام کرے اور لوگ بھاگیں نہیں۔ یہ لشکر جبل احد  
کے قریب مقام عینین پر آ کر فرود کش ہوا۔

حضرت عباسؓ نے جو جنگ بدر کے بعد ایمان لے آئے تھے مگر ابھی تبدیلی کو ظاہر نہیں  
کیا گیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک تیز رفتار قاصد کے ذریعے قریش کی ساری تیاریوں  
اور عزائم سے آگاہ کر دیا۔ یہ قاصد شکر کے پہنچنے سے تین دن پہلے حضورؐ کے پاس پہنچ گیا تھا۔  
حضورؐ نے اطلاع پاتے ہی حضرت انسؓ اور حضرت مونسؓ کو لشکر کفار کا کھوج لگانے  
کے لیے روانہ فرمایا۔ انھوں نے معلومات دیں کہ لشکر مدینے کے علاقے میں آ گیا ہے اور  
چراگاہوں کو تباہ و برباد کر رہا ہے۔ پھر حضرت خبابؓ بن الارت مزید کھوج کر یہ کر کے  
آئے اور بتایا کہ مشرکین نے مدینے سے دو میل دور جبل احد کے قریب پڑاؤ ڈال دیا ہے۔  
ادھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے سارا معاملہ مشورے کے لیے صحابہ کے سامنے رکھا۔  
حضورؐ کی اپنی رائے یہ تھی کہ مدینے سے باہر نکلنے کے بجائے مدینے کے اندر رہ کر لڑ جائے۔  
اتفاق سے اس المناقبین عبداللہ بن ابی کا نقطہ نظر بھی یہی تھا۔ مگر بہت سے جلیل القدر صحابہ  
کو اس سے اختلاف تھا۔ خصوصیت سے وہ صحابہ جو کسی دجہ سے شریک غزوہ بدر نہ ہو سکے اب  
ان میں بڑا جذبہ بے تاب کام کر رہا تھا۔ اس فریق کی رائے یہ تھی کہ مدینے میں رہ کر لڑنے کی صورت  
میں دشمن ہم کو بزدلی کا طعنہ دیں گے اور ہمارے باغ اور کھیت اجاڑ دیں گے۔ بادلِ نخواستہ حضورؐ  
گھر تشریف لے گئے اور مسلح ہو کر باہر آئے۔ جان نثار صحابہ کو کھٹک ہوئی کہ کہیں ان کا یہ اصرار  
حضورؐ کو ناگوار تو نہیں گزرے۔ انھوں نے اپنی رائے واپس لینے کی پیش کش کی۔ مگر حضورؐ نے فرمایا  
”نہی جب ہتھیار لگالے تو جائز نہیں ہے کہ دشمن سے فیصلہ کیے بغیر انھیں اتارے“ مقصد  
یہ تھا کہ نبی جیسی عظیم المرتبت ہستی کے فیصلے ہوا کے جھونکوں کی طرح رخ نہیں بدلتے۔  
سوچنا اور بحث پہلے، فیصلہ بعد میں، اور جب فیصلہ ہو جائے تو پھر وہ اٹل۔ یہی مفہوم ہے  
”فاذا عزممت فتوکل علی اللہ“ کا۔



محسنِ انسانیت، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہزار مجاہدین اسلام کے ساتھ ۶  
 شوال ۳ھ بعد نماز جمعہ کو مدینے سے اقدام کیا۔ حضرت ابن ام مکتوم کو اپنے چھپے نام مقام  
 مقرر کیا۔ یہ لشکر جب مدینے اور اُحد کے درمیان ایک مقام شوط پر پہنچا تو عبداللہ بن  
 ابی تین سو منافقین کو ساتھ لے کر اسلامی فوج سے الگ ہو گیا۔ وحیہ علیحدگی یہ بتائی کہ ہماری  
 رائے کو چونکہ مانا نہیں گیا، اس لیے ہم اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔  
 اب صرف سات سو مجاہدین رہ گئے۔ رات کو یہیں پڑاؤ کیا گیا۔ رات کے آخری حصے  
 میں حضورؐ کے حکم سے لشکر نے کوچ کیا اور اُحد کے قریب جا کر نماز فجر ادا کی گئی۔  
 سینچر کے روز نماز سے فراغت کے بعد حضورؐ نے مدینے کو سامنے اور اُحد کو پس پشت  
 رکھ کر صف آرائی کرائی۔ یہ جگہ مدینے سے ۴ میل دور تھی۔

اس سزوہ کا ایک اہم معاملہ جبل اُحد کے چھپے ایک درے کی نگرانی کیلئے پچاس تیر اندازوں  
 کا تقرر تھا۔ جن کی کمان حضرت عبداللہ بن حمیرہ کے سپرد تھی۔ حضورؐ نے امیر دستہ کو حکم دیا کہ ہم کسی  
 بھی صورتِ حالات سے دو چار ہو جائیں، تم لوگ اس درے کو کسی حال میں نہ چھوڑنا۔  
 سردار عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے علمِ جہاد حضرت مصعب بن عمیر کے سپرد کیا جنہوں نے  
 رُسیانہ زندگی سے نسیرانہ حال تک اتر کر بھی کمال دکھایا تھا اور معرکہ اُحد میں بھی خاص مثال  
 قائم کر دی۔ میمنہ میسرہ پر حضرت زبیر بن العوام اور منذر بن عمر کو مقرر فرمایا۔ اپنی تلوار حضرت  
 ابو دجانہ کو عنایت فرمائی جنہوں نے اس تلوار کا حق ادا کر دکھایا۔

قریش کے ۳ ہزار سپاہیوں میں سے ۴ سوزہ پوش تھے، ۱۰ ہزار گھوڑے اور تین  
 ہزار اونٹ ساتھ تھے۔ سرداروں کو جنگ پر ابھارنے کیلئے سردارانِ مکہ کی خواتین موجود تھیں۔  
 جنگ کے وقت سب سے پہلے قریش کی عورتیں اشعار گاتی ہوئی بڑھیں۔ بعد ازاں ابو عامر عبد  
 بن عمرو بن صعفی میدان میں نکلا۔ اُس نے قریش کو یہ جھانسہ دے رکھا تھا کہ میں جب  
 سامنے جاؤں گا تو قبیلہ اوس کے سارے لوگ مجھ سے آئیں گے۔ عملاً ہوا یہ کہ قبیلہ اوس کے

۱۔ ارشاد یوں تھا کہ اگر تم دیکھو کہ ہماری بوٹیاں پرندے نوچے لیے جا رہے ہیں تو بھی تم اپنی  
 جگہ سے نہ ہٹنا۔ (اولکما قال)

لوگوں نے پکار کر کہا کہ اسے خدا کے ناسق اور نافرماں! خدا تیری آنکھ کبھی ٹھنڈی نہ کرے۔  
 ابو عامر کی بڑی بھد ہوئی اور وہ منہ لٹکاٹے واپس چلا گیا۔ عذریہ کیا اب میرے قبیلے کے لوگوں  
 کے دل بدل گئے ہیں۔ پھر طلحہ بن ابی طلحہ مبارزت کے لیے آیا اور مقابلے میں حضرت علیؓ نکلے  
 جنھوں نے اس کا خاتمہ کر دیا۔ پھر عثمان بن ابی طلحہ نے مشرکین کا علم سنبھالا مگر حضرت حمزہؓ  
 کی ضرب شمشیر سے اس کا کام تمام ہوا۔ پھر اس کی جگہ ابو سعد بن ابی طلحہ نے جھنڈا اٹھایا تو حضرت  
 سعد بن ابی وقاص نے ناک کر ایک تیر اس کے حلق پر مارا اور دوزخ میں پھینچا۔ پھر مسافر  
 بن طلحہ آیا تو حضرت عاصم بن ثابت کے ایک ہی وارنے اسے بیا بیٹ کر دیا۔  
 معرکہ جب گرم ہو گیا تو حضرت ابو دجانہ پیکے اور صفیوں کو چیرنے چلے گئے جو بھی سامنے آیا  
 اس کا سفایا کر دیا۔ اپنی مکہ کی طرف سے شروع میں سباع بن عبدالعزیٰ بھی مبارزت طلب ہوا۔  
 حضرت حمزہؓ کا ایک وار اس کے لیے کافی ثابت ہوا۔

دحشی بن حرب جُبیر بن مطعم کا غلام تھا، اس نے آزاد ہونے کی شرط پر حضرت حمزہؓ  
 کو شہید کرنے کی ذمہ داری لی۔ کتنی بزدلانہ حرکت تھی کہ پتھر کی آرٹے کر چھپ کر بیٹھا اور  
 ناک کر ناف کے مقام پر نیزہ مارا جو پار ہو گیا۔ حضرت حمزہؓ لڑکھڑائے اور شہید ہو گئے۔  
 جنگ جب زوروں پر آئی تو مسلمانوں کے دلیرانہ حملوں کی وجہ سے قریشی بہادروں  
 کے پاؤں اکھڑنے لگے۔ آہستہ آہستہ ان میں سے کچھ لوگ ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ اکسا ہٹ  
 دلانے والی عورتوں نے بھی بھاگ کر پہاڑ کی پناہ لی۔ اب مسلمان صریحاً فاتح تھے، مگر وہ  
 معرکہ کئی کمپیل سے پہلے ہی مالِ غنیمت سیٹھنے میں لگ گئے۔

حرصِ مال اور ضبط و نظم سے لاپرواہی کے رپے سے اثرات کام کر گئے اور ان کا  
 خمیازہ مسلمانوں کو بھگتنا پڑا۔ جنگ کا پانسہ اپنے لشکر کے خلاف پلٹنے میں حضرت عبداللہ بن  
 جُبیر نے دستے کے کچھ افراد نے درے کی جائے ماموریت کو چھوڑ دیا۔ حالانکہ حضورؐ نے سخت  
 تاکید کی تھی کہ ہم پر جو کچھ بھی گزیرے تم جگہ سے نہ ہلنا اور حضورؐ کا اس ناکے کو اتنی اہمیت  
 دینا بتاتا ہے کہ آپ کی جنگی بعیرت کس درجے کی تھی! حضرت عبداللہ بن جُبیر سا بیٹوں کو روکتے  
 رہ گئے، مگر چند افراد مالِ غنیمت سیٹھنے کے لیے جگہ چھوڑ گئے۔ اب حضرت عبداللہ کے سامنے

دس افراد تھے۔ خالد بن ولید جیسے نوجوان سپہ سالار نے اس اہم ناکے کو کمزور پا کر ادھر سے حملہ کر دیا اور گیارہ کے گیارہ خدا پرستوں کو شہید کر دیا۔ یہ ایک اور بڑی غلطی تھی جس کی وجہ سے سزا اور بھی سخت ہو گئی۔ اس غیر متوقع ناگہانی حملے سے مسلمانوں کے علمبردار حضرت مصعب بن عمیر شہید ہو گئے۔ چونکہ حضرت مصعب کی شہادت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتی جلتی تھی۔ اس وجہ سے یہ افواہ اڑ گئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دس سال ہو گیا۔ اس وحشت ناک افواہ نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی۔ اب تو مسلمانوں میں دوست دشمن کی تمیز بھی نہ رہی۔ اپنا سامنے آیا تو اپنے پرہی تلوار چلا دی۔

خالد بن ولید کے حملے سے اچھے اچھے دلیروں کے پاؤں اکھڑ گئے مگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مقام استقامت پر جمے رہے۔ اس عالم اضطراب میں ۱۴ اصحاب حضور کو جھڑپ میں لیے رہے۔ سات مہاجرین اور سات انصاریوں کو قریب قریشی مشرکین کا ریڈا آیا تو حضور نے پکار کر کہا کہ کون شخص ہمارے لیے اپنی جان کی بازی لگاتا ہے۔ اس پکار پر حضرت زیاد بن سکن اور ان کے پانچ انصاری ساتھی اٹھے اور ایک ایک کر کے سب حضور کی حفاظت کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ انہی حضرت زیاد کا قصہ ہے کہ حضور کے کہنے پر ان کے جسد بسمل کو جب قریب لایا گیا تو انہوں نے اپنے رخسار قدم مبارک سے لگا دیے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص کے بھائی عتبہ بن ابی وقاص کو موقع مل گیا تو اس نے ایک پتھر ہی اٹھا کر حضور پر وار کر دیا۔ پتھر چہرہ مبارک پر لگا اور حضور کا نچلا دانت شہید ہوا اور نچلا ہونٹ سخت زخمی۔ بعد اللہ بن قریب نے ایک ایسا سخت وار کیا کہ رخسار مبارک زخمی ہوا اور خود کے دو حلقے رخسار میں اتر گئے۔ آنحضرت کے بدن پر چونکہ یوم احد کو دو زریں تھیں، لہذا ضربوں کی تکلیف اور بوجھ کی وجہ سے ایک گڑھے میں گر گئے۔ حضرت علیؑ نے حضور کا ہاتھ پکڑا، حضرت طلحہؑ نے کمر سے سہارا دیا، حضور کھڑے ہو گئے۔ اور فرمایا کہ ”جو شخص زمین پر چلتے پھرتے زندہ شہید کو دیکھنا پاتا ہے وہ طلحہ کو دیکھ لے“ پہاڑ پر چڑھنے کے لیے خاصی مشکل پیش آئی۔ حضرت طلحہؑ نے بیٹھ کر پشت کو زمین بنا دیا۔ حضور ان کے کندھوں پر پاؤں رکھ کر پہاڑ پر چڑھے۔

حضرت طلحہؓ نے دشمنوں کے اتنے حملے روکے کہ ان کی انگلیاں کٹ گئیں اور ستر زخم ان کے بدن پر تھے۔ اسی طرح حضرت ابو دجانہ نے بھی بڑی سرفروشی دکھائی اور بہت زخم کھائے۔ ایک مرتبہ تو آپ نبی اکرمؐ کے سامنے دشمنوں کی طرف پیٹھ کر کے ڈھال بن کر کھڑے ہو گئے اور جتنے تیر آئے انھیں اپنے بدن پر روکا۔

اس طوفانِ اضطراب میں سب سے پہلے حضرت کعب بن مالک نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانا اور باواز بند لپکارے کہ اے مسلمانو! مبارک ہو کہ آنحضرت زندہ موجود ہیں یہ آواز سنتے ہی ہر طرف سے اہل ایمان آ کر آنحضرت کے گرد جمع ہونے لگے۔ یہ آواز جب مشرکین نے سنی اور مسلمانوں کو جمع ہوتے دیکھا تو انھوں نے ادھر تیر برسانے شروع کر دیے۔ کتنے ہی تیر حضرت کعب بن مالک نے اپنے سینے پر روکے۔ اسی اثنا میں ابی بن خلف گھوڑے پر سوار تیزی سے قریب آیا۔ اس موقع پر حضور نے حارث بن ضمیر سے نیزہ لے کر اس کی گردن پر مارا جس سے وہ بلبلا اٹھا اور سیدھا مکہ کی طرف مفرد ہوا۔ مقام سرف پر گھوڑے سے گمہ کہ فی النار ہوا۔

لشکر کفار نے بڑی بہیمیت کا مظاہرہ کیا۔ مسلمانوں کی لاشوں کی بے حرمتی کی۔ ان کی نائیں اور کان کاٹے اور پیٹ پھاڑ دیے۔ ابو سفیان کی بیگم صاجرہ نے تو اپنے باپ عقبہ کا بدلہ لینے کے لیے حضرت حمزہؓ کا نہ صرف چہرہ بگاڑا بلکہ جگر نکال کر چبایا اور حضرت حمزہؓ کے قاتل وحشی حبشی کو اپنا تمام زیور اتار کر انعام میں دیا۔ پھر مسلم شہداء کی لاشوں کے کٹے ہوئے کانوں اور ناکوں کا ہار پرو کر اسے گلے میں ڈالا۔

جب حضورؐ گھائی پر پہنچے تو لڑائی ختم ہو چکی تھی حضرت عائشہؓ نے چہرہ مبارک سے خون دھویا، سر پر پانی ڈالا۔ پھر حضورؐ نے اسی مقام پر وضو کیا اور بیٹھ کر نماز نظر ادا فرمائی صحابہ نے اقتدا کی۔

قریش نے جب واپسی کا ارادہ کیا تو ابو سفیان بلندی پر چڑھ کر پکارا: کیا تم میں محمدؐ زندہ ہیں؟ آنحضرتؐ نے جواب دینے سے صیابہ کو منع فرمایا: تین دفعہ پکارنے کے بعد کہا کہ ابو بکر صدیقؓ نہیں، پھر کہا عمر خطابؓ ہیں۔ ان ناموں کو بھی اس نے تین بار پکارا۔ جواب

نہ ملنے پر خوش ہو کر ساتھیوں سے کہنے لگا:

”سب قتل ہو گئے اگر زندہ ہوتے تو ضرور جواب دیتے“

حضرت عمرؓ اس بات کی تاب نہ لاسکے اور باوازہ بلند کہا کہ اے دشمن خدا! خدا کی

قسم، تو نے غلط کہا، تیرے لیے غم درنچ کا سامان باقی ہے“

پھر ابوسفیان نے نعرہ لگایا ”اے میل! تو سر بلند ہو“ حضورؐ کے حکم سے حضرت عمرؓ

نے جواب دیا ”اللہ سب سے بڑا اور سب سے بڑا ہے“ پھر ابوسفیان نے کہا ”غزویٰ دبیہی ہماری

ہے، تمہاری نہیں“ حضرت عمرؓ نے جواب دیا ”اللہ ہمارا مددگار ہے، تمہارا نہیں“ ابوسفیان

بولے ”جنگ احد جنگ بدر کا بدلہ ہے۔ اب ہم اور تم دونوں برابرہ ہیں“ حضرت عمرؓ نے

جواب دیا: ”برابر ہی نہیں ہے، ہمارے آدمی جنت میں ہیں، تمہارے جہنم میں ہیں“ آخر

ابوسفیان نے کہا کہ اب ہمارا تمہارا مقابلہ آئندہ سال بدر میں ہوگا۔

جنگ کے خاتمہ پر حضورؐ نے شہداء کی لاشوں کا معائنہ کیا اور حضرت حمزہؓ کی لاش

تلاش کرائی۔ حضورؐ نے بڑی رقت سے دعا کی جو تم پر اللہ کی رحمت ہو“ بعض شہداء کی لاشیں

ان کے درنا دینے میں بھی لے گئے۔ مگر حضورؐ نے فرمایا کہ ان کو مقام شہادت پر ہی دفن کیا جائے

غزوہ اہد کا دن مسلمانوں کے لیے سخت غم درنچ اور ابتلا کا دن ثابت ہوا۔ بہت

سے جلیل القدر صحابہ شہادت پا گئے۔ اس معرکہ میں چالیس مسلمان زخمی اور ستر شہید ہوئے

دشمن کے ۳۰ آدمی مارے گئے۔

قریش جب احد سے واپس جاتے ہوئے مقام ردھا پر پہنچے تو انہیں خیال آیا کہ وہ

کامیابی کی تکمیل سے پہلے ہی پلٹ آئے ہیں۔ مسلمان اس وقت زخم رنبدہ ہیں لہذا اگر اب پلٹ

کر حملہ کر دیا جائے تو وہ تاب نہ لاسکیں گے۔ رسولؐ کو یہ پک کے مجبوزوں نے اس بات کی اطلاع

حضورؐ کو پہنچادی۔ حضورؐ نے حضرت بلالؓ کے ذریعے منادی کرائی کہ مدینے کے تمام لوگ

جنگ کے لیے تیار ہو جائیں۔ ۸ شوال کو مدینے سے چل کر حضورؐ نے ۸ میل دور مقام

حمرہ الاسد پر قیام کیا۔ قبیلہ خزاعہ کا سردار معبد خزاعی حضورؐ کے سامنے غزوہ اہد کے شہداء

کی تعزیت کے لیے آیا تھا۔ یہاں سے لوٹ کر وہ ابوسفیان سے ملا۔ ابوسفیان نے جب

اپنا باپ بردگراہم بتایا تو معجزے کے اہماکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بڑی عظیم الشان فرشتے کے ساتھ  
 تمہارے تعاقب اور مقابلے کے لیے نکلے ہیں۔ ابوسفیان نے یہ سنتے ہی باگہ کی راہ لی۔  
 رسولِ برحق حمزہ لاسد کے مقام پر تین دن بٹھہرے۔ پھر حیب لشکر مکہ کی واپسی ہو گئی اور  
 فضا صاف ہو گئی تو مدینے واپس آ گئے۔ اس موقع کے متعلق صحابہ کرام کی شان میں یہ آیت  
 نازل ہوئی:

الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ  
 مِنْ بَعْدِ مَا اصابَهُمُ الْقَرْحُ  
 لِلَّذِينَ احْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقُوا  
 اَجْرٌ عَظِيمٌ (آل عمران، ۱۷۲)

وہ لوگ جنہوں نے زخم رسیدگی کے بعد خدا  
 اور اس کے رسول کے حکم پر لبیک کہا، سو جو  
 لوگ بھی ان میں سے نبوت کریم اور اہل تقویٰ  
 ہیں ان کے لیے اجر عظیم ہے۔

ہم آئندہ گفتگو میں غزواتِ احد کے بعض خاص سبق آموز پہلوؤں کا ذکر کریں گے۔

## غزوة اُحد کے اہم اسباق

غزوة بدر اپنی اولیت، پھر یوم الفرقان ہونے اور پھر اشد کی نصرت سے کم تعداد والے  
 والے گروہ کے فتح یاب ہونے کے باعث تاریخِ اسلامی کا بہت بڑا سنگ میل ہے اور اس  
 کے اثرات مسلمانوں کی تمام حربی تاریخ پر پڑے ہیں۔

لیکن غزوة اُحد بھی ایک سنگ میل ہے اور اپنی جگہ بعض غیر معمولی اہمیتیں، دروس  
 عبرت اور اسباقِ عزیمت اپنے ساتھ رکھتا ہے۔ غزوة اُحد میں اگرچہ مسلمان بھرپور فتح حاصل  
 کرنے سے رہ گئے، مگر ظاہر کے لحاظ سے معاملہ کچھ ایسا برابر سرا برہا کہ ابوسفیان تک نے  
 جلتے جلتے پکار کر یہ کہا کہ اب ہم تم برابر ہیں، تیار رہو، اگلے سال ہم خبر لیں گے۔ لیکن  
 ابوسفیان کی توجیہ اس نکتے کی طرف نہیں گئی کہ ایک قوت جو حضورِ محسنِ انسانیت محمد مصطفیٰ صلی اللہ  
 علیہ وسلم کی قیادت میں اٹھی تھی اور جواب تک بے سرد سامانی اور ناسازگارٹی احوال  
 کی وادیاں عبور کر رہی تھی، آج اُس کی مخالف کثیر تعداد، سرپھری اور تکبر پسند قوت کا لیدر اپنی  
 زبان سے اعتراف کر رہا تھا کہ تم ہمارے برابر کی قوت ہو۔ غزوة اُحد کے اگر اسی یا حاصل کو،  
 جو دشمن کی رائے کے مطابق تھا، صحیح تسلیم کر لیا جائے تو بھی اس کے معنی یہ ہیں کہ غزوة اُحد

بھی ایک نوع سے فتح تھی۔ اخلاقی برتری اس سے الگ۔

اس غزده کے چند پہلو اپنے اندر خاص سلق رکھتے ہیں۔ یہاں ہم اُنھیں بیان کرتے ہیں  
(۱) تخریکوں کی یہ شان ہوتی ہے کہ وہ مخالف کیمپ میں بھی ایسے حامی پیدا کر لیتی  
ہیں جن کا جذبہ حمایت بعض نازک موقعوں پر کام آتا ہے۔ بظاہر اس کا کوئی خاص اہتمام  
نہ تھا کہ مکہ کی فوجی سرگرمیوں کی باقاعدہ اطلاع مدینے میں پہنچتی رہتی۔ مگر وہاں حضرت عباسؓ  
کی شخصیت ایسی تھی کہ شروع ہی سے جھکاؤ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تھا۔ آہستہ آہستہ  
تعلق ناظر بڑھتے بڑھتے مرتبہ ایمان تک پہنچ گیا۔ مگر مصلحتاً اپنے ایمان کو آشکار کر کے مکہ سے  
ہجرت ابھی نہ کی تھی۔ چنانچہ وہی اس بات کا ذریعہ بنے کہ مشرکین مکہ کی جنگی تیاریوں کی اطلاع  
آنحضرتؐ تک پہنچی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو شاید مکے والوں کی جنگی کارروائی زیادہ مشکلات کا  
باعث بنتی۔

(۲) دوسرا بڑا سبق یہ ملتا ہے کہ اسلام میں مشورے کی شدید اہمیت ہے۔ حضورؐ اگر حکم  
دے دیتے کہ رطائی کے لیے تیار ہو جاؤ اور مدینے میں رہ کر لڑنا ہے تو کوئی چوں دچرا نہ کرتا۔  
مگر حکم خدا کے تحت مشورہ کرنا اور مشورت کی تربیت دینا ضروری تھا

مسجد میں صحابہ کا اجتماع عام ہوا۔ حضورؐ نے سارا معاملہ ان کے سامنے رکھا اور  
ساتھ ہی اپنی رائے بھی دینی کہ مدینے میں رہ کر لڑنا مناسب ہوگا۔ مگر ایسا نہیں کہا کہ دوسروں  
کے منہ بند کر دیے ہوں یا حاضرین نے جرات گفتار سے کام نہ لیا ہو۔ جماعت منصوص

سے یوں توجہ کی تھی ابو سفیان نے پہلے سے پیدا کر دی تھی۔ اُس نے اسلامی جماعت  
کو بڑھانت خط لکھا تھا اور اس میں کہا تھا کہ قریش نے کعبہ میں قسم کھائی ہے کہ لات کی عزت  
کا تحفظ کیا جائے اور ہم لوگ اس پاس کے لوگوں کو جمع کر کے عنقریب گھوڑوں پر سوار ہو کر  
تم لوگوں کو بلایا بیٹھ کر دیں گے۔ اشارہ یہ بھی تھا کہ تمہاری مسجدوں کو ڈسا دیں گے۔ نیز اس  
خط میں مدینے کی ادھی پیداوار بطور خراج طلب کی گئی تھی۔ اس خط کا جواب حضورؐ نے بھی  
بڑے جوشیلے الفاظ میں لکھ دیا۔



احکام خدا و رسول کے سامنے تو عاجزی سے سر جھکا دیتی تھی مگر مشورے کے دائرے میں کھل کر بات کرتی تھی۔ چنانچہ اس مجلس میں بہت سے صحابہؓ نے بڑے جوش و خروش سے تقریریں کیں اور زیادہ تر تقریروں میں حضورؐ کی رائے سے اختلاف کیا گیا تھا۔ حضرت خنیثہؓ، ابوسعیدؓ بن خنیثہ، نعمان بن مالک اور سعد بن عبادہ کا یہی نقطہ نظر تھا۔ اور جناب حمزہؓ تو پر زور طریق سے بار بار یہ رائے دیتے کہ لڑائی مدینے سے باہر ہوگی۔ ایاس بن اوس بن عتیک کا کہنا تو یہ تھا کہ اگر ہم مدینے میں رہ کر لڑیں گے تو یہ لوگ بعد میں طعنے دیں گے ہم نے ان کو مدینے کے اندر ہی گھیر لیا اور نکلنے نہیں دیا، نیز ہمارے باغ اور کھیت سب اجاڑ دیں گے۔ اور حضورؐ کا انداز بھی یہ نہیں تھا کہ ایک بار جو رائے دے دی ہے۔ اس کے خلاف کتنے ہی لوگ کیوں نہ زور شور سے اپنا نقطہ نظر بیان کریں، بس اپنا موقف نہیں چھوڑنا۔ نہیں، سردارِ عالم سلی اللہ علیہ وسلم نے جب جماعت کے عمومی رجحان کو واضح طور پر دیکھ لیا تو رد و کد کے بجائے فوراً اس رجحان کو قبول کر لیا۔ پھر مسجد سے گھر تشریف لے گئے اور ہتھیار لگا کر واپس آئے۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ ساتھ ہی گئے تھے اور زرہ وغیرہ پہنانے میں مدد کی تھی۔

بعد میں سعد بن معاذ متفکر ہوئے اور ساتھیوں کو توجہ دلاؤ کہ شاید تم لوگوں نے اچھا نہیں کیا، بہتر ہے کہ رائے واپس لے لو۔ ہماری رائے منشاء سے ہوئی کے خلاف نہیں ہونی چاہیے۔ اسید بن حضیر نے بھی تائید کی۔ حاضرین میں شرمندگی کی لہر سی دوڑ گئی۔ حضورؐ ہتھیار لگا کر آئے تو سب نے عرض کیا کہ شاید ہم نے رائے دینے میں غلطی کی ہو، آپ جو مناسب سمجھیں، اسی پر عمل کریں۔ حضورؐ نے جواب دیا کہ کسی نبی کے شایان شان یہ بات نہیں ہو سکتی کہ وہ جب زرہ پہن لے تو پھر دشمن سے لڑے بغیر اسے اتار دے۔ تم صبر سے کام لو، اللہ تعالیٰ فتح دے گا۔

حضورؐ نے وہ کھٹکا بھی دور کر دیا جو اختلاف رائے کی وجہ سے صحابہؓ میں پیدا ہوا۔ (۳) حضورؐ کا طریقہ یہ رہا کہ اپنے مختلف رفقا کو ذمہ داریاں سونپتے اور مناصب ان میں تقسیم کر دیتے۔ مثلاً اسلامی فوج کے مستقلاً اور اس غزوہ کے وقتی طور پر سپہ سالار

حقیقت میں آپ ہی تھے۔ مگر آپ نے فوج کا سالار حضرت زبیر بن العوام کو مقرر کیا۔  
 مصعب بن عمیر کو علمبرداری کا اعزاز دیا۔ فوج کے سامنے دو ممتاز اصحاب ہاتھوں میں  
 پرچم لیے چل رہے تھے۔ ایک سردار خزرج سعد بن عبادہ، دوسرے رئیس اوس سعد بن معاذ  
 (۴۱) مقام شیخین پر لشکر کی صف بندی کرا کے حضور نے معائنہ فرمایا۔ متعدد کم عمر  
 لڑکے بھی صفوں میں شامل تھے۔ مثلاً زید بن ثابت، عبداللہ بن عمر، ابو سعید خدری، اسید  
 بن ظہیر، براء بن عازب، ..... ان سب کو حضور نے شکر سے الگ کر کے واپسی کا حکم  
 دیا۔ حضرت زبیر نے حکم کی تعمیل کی۔ اب سمرہ بن جندب سامنے آئے۔ حضور نے ان کو بھی الگ  
 کرا دیا۔ وہ الگ تو ہوئے مگر دل بہت غمگین تھا۔ چلتے چلتے حضور جب رافع بن خدیج تک  
 پہنچے تو سمرہ کی پوری توجہ ادھر متوجہ ہو گئی کہ ان کے لیے کیا فیصلہ ہوتا ہے۔ حضور آگے نکل  
 گئے اور رافع بن خدیج صف میں کھڑے رہ گئے۔ دراصل رافع نے پنجوں کے بل کھڑے  
 ہو کر اپنے شانے دوسروں کے ساتھ ملا لیے تھے۔ اب تو سمرہ بیٹے تاب ہو گئے، کیونکہ وہ  
 جلتے تھے کہ قداور قوت میں وہ اور رافع برابر برابر ہیں۔ دوڑے دوڑے اپنے بزرگ  
 سُرّی بن رنان کے پاس گئے اور آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا کہ رافع جہاد میں شریک ہو  
 رہا ہے حالانکہ میں اسے کشتی میں پچھاڑ سکتا ہوں۔

معاملہ حضور تک پہنچا۔ دونوں کو بلایا گیا۔ کشتی ہوئی اور سمرہ بن جندب نے واقعی  
 رافع بن خدیج کو پچھاڑ دیا۔ نتیجہ یہ کہ ان کو بھی شرکت جہاد کی اجازت مل گئی۔

اس واقعہ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جنگ جیسی خوف ناک آگ جس سے لوگ  
 جانیں بچاتے ہیں، اس کے لیے اسلامی تحریک کے نوخیز جوان کیا جذبہ بیٹے تاب  
 رکھتے تھے۔ آخر ان کے سامنے تو جہاد فی سبیل اللہ کا راستہ تھا، نہ کہ کسی دنیوی جنگ کا!  
 (۵) مدینہ سے جہاد کے لیے نکلتے ہوئے رسولِ برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نابینا  
 صحابی حضرت ابن ام مکتوم کو قائم مقام مقرر کیا۔ اس سے جہاں حضور کی نگاہ میں حضرت  
 ابن ام مکتوم کا مقام ظاہر ہوتا ہے (اور وہ بعض دوسرے مواقع پر بھی نمایاں ہوتا رہا)  
 وہاں اصولی حقیقت یہ قابل توجہ تھی کہ حضور کی نگاہ میں نظم شدید اہمیت رکھتا تھا اور مدینہ

سے باہر جلتے ہوئے اس کے حالات و معاملات کو پراگندہ نہیں چھوڑ سکتے تھے۔  
 (۶) لشکرِ جبِ مقامِ شوط پر پہنچا تو رئیس المناقبین عبداللہ بن ابی اپنے تین سو  
 پیروکاروں کے ساتھ حضورؐ کے اسلامی لشکر سے الگ ہو گیا۔ وجہ علیحدگی اُس نے یہ بیان  
 کی کہ میری رائے نہیں مانی گئی تو پھر کیوں ہم لوگ بلا وجہ اپنی جانوں کو ہلاکت میں ڈالیں۔  
 یہ منافقانہ کردار تاریخِ اسلامی میں اپنی ایک مستقل نوعیت رکھتا ہے۔ اس کا معیار  
 تعلق دین کے اصول و احکام نہیں ہوتے بلکہ انقطاع کے لیے اتنی ہی بات کافی ہوتی  
 ہے کہ ہماری رائے پر عمل نہیں کیا گیا یا ہماری لیڈری نہیں مانی گئی۔ مصلحتوں اور تدبیروں  
 کے دائرے میں جہاں راہوں کا اختلاف ہر ہر قدم پر ہونا ضروری ہے یا اگر اجتماعی فیصلوں  
 اور امارت کے احکام کو نہ مانا جائے تو پھر کوئی شخص نظمِ جماعت میں نہیں چل سکتا اور اگر  
 سب لوگ ایسے ہی ہوں تو کوئی جماعت نہیں چل سکتی۔ کوئی بھی ایسا نظامِ جماعت جو اقامتِ  
 دین کے لیے کام کرنے کو قائم ہوا ہو اور مجموعی طور پر لوگ مخلص ہوں اور فیصلے نسوس  
 کے دائرے کے اندر مشورے سے ہوتے ہوں، اُس سے محض اختلافِ آراء کو بہانہ بنا  
 کر الگ ہو جانا ایک غیر ذمہ دارانہ حرکت ہے اور ایسی علیحدگی اگر نازک مراحلِ کشمکش میں  
 ہو تو پھر یہ علامتِ فتنہ بھی ہو سکتی ہے۔ کسی فریادگر، کی انا کا اتنا زور دار ہو جانا کہ  
 وہ تحریک اور جماعت کے مجموعی مفاد کی پروا نہ کرے، بہت بڑی بیماری ہے۔ اس  
 طرح افراد یا گروہوں سے شخصی طور پر رنجیدہ ہونے کا انتقامِ جماعت اور تحریک سے  
 لینا بڑی خطرناک حرکت ہے۔

عبداللہ بن ابی نے یہاں کیا کہ اپنی رائے کو اپنی انا کی سرستی میں اتنا اہم قرار دیا  
 کہ جماعت اور تحریک کے لیے عین میدانِ جنگ میں پہنچ کر نازک صورتِ حالات پیدا  
 کر دی۔ یہ ایک المرح سے حضورؐ کی ہم اقامتِ دین کی پیٹھ میں پھر اگھو پنا تھا۔ اُسے تو  
 دراصل مرضِ فتنہ لاسق تھا جس کا مریض کام خراب کرنے کے لیے بہانے ڈھونڈتا ہے۔  
 ایسے لوگ ایک ہی سمت مند اجتماعیت سے الگ تو ہو جاتے ہیں، مگر الگ۔۔۔ ہو کر عین  
 اپنے ہی قائم کردہ اصول و معیار پر کوئی کام کرنے کے دکھا نہیں سکتے۔ عبداللہ بن ابی

اور اس کے تین سو ساتھیوں کا کوئی کارنامہ تاریخ میں اس کے سوا محفوظ نہیں ہے کہ انھوں نے جب بھی موقع پایا، خدا کے رسول اور ان کے رفقاء کے کام میں خلل ڈالا۔ کسی سچے ایمان کا یہ کام نہیں کہ اقامتِ دین کے لیے کام کرنے والے کسی دینی نظامِ جماعت سے محسوس ذاتی رائے منوانے کے لیے الگ ہو، خاص طور پر ایسی بے معنی علیحدگی اگر کسی اہم مزید کشمکش میں اختیار کی جائے تو اس کا فائدہ تخریبِ اقامتِ دین کے مخالفین ہی کو ملتا ہے۔

دوسری طرف ان اصحابِ ایمان دین کے کاردار بھی بڑا مثالی ہے جو پہلے ہی اپنی قوت کو بحفاظت امدادِ اسلحہ دشمن سے کم پار ہے تھے اور عین آخری لمحے اس قوت کا بھی ایک تہائی حصہ ان سے الگ ہو جاتا ہے اس پر بھی وہ اپنے ایمانی موقف اور عزائمِ جہاد پر قائم رہتے ہیں۔

۱) جنگ کے آغاز سے پہلے جب دونوں لشکر تیار کھڑے تھے، مدینہ منورہ کا ایک مقبول عام شخص ابو عامر عبد بن عمرو بن صفی میدان میں آیا قبیلہ اوس کا یہ سابق سردار اپنی پارسی کی وجہ سے راہب کہلاتا تھا۔ مدینہ میں جب اسلام کو فروغ ہوا تو اس شخص کے مخالفانہ جذبات اسے کٹر لے گئے۔ یعنی اس شخص کا تقویٰ نبی اکرم کی اسلامی جماعت سے تو سازگاری نہ کر سکا، کٹر کے جاہلیت زدہ مشرکوں کے ہاں اسے تسکین ملی یہی وہ حرکت تھی جس کی وجہ سے اس کا سارا روحانی طلسم ٹوٹ گیا۔ آنحضرت کے سلقوں میں اسے ابو عامر راہب کے بجائے ابو عامر فاسق کہا جانے لگا۔

دراصل ابو عامر نے قریش کو یہ یقین دلایا تھا کہ قبیلہ اوس کے لوگ مجھ پر اتنا اعتماد کرتے ہیں کہ میں جب ان کے سامنے میدان میں نکلوں گا تو وہ سب میرے گرد جمع ہو جائیں گے۔ وہ میدان میں نکلا، مگر اوس کا کوئی آدمی اس کی طرف نہیں بڑھا، بلکہ اس کی پکار کے جواب میں یہ صدا گونجی کہ اے خدا کے فاسق، خدا کبھی تیری آنکھ ٹھنڈی نہ کرے۔ ابو عامر گردن جھکائے واپس چلا گیا اور قریش لشکر یوں سے یہ کہا کہ میرے بعد میرے قبیلے کی ذمیتیں بردار گئی ہیں۔

اس شخص پر شاید اصل حقیقت اُس وقت بھی واضح نہ ہوتی ہو کہ وہ خود ایک کھوٹا  
مگہ بن چکا تھا۔ ایسے تمام لوگ جو معتد علیہ دینی حلقوں سے نفور ہو کر لادینی عناصر کی صفوں  
میں جا شریک ہوتے ہیں، وہ ہمیشہ کھوٹے ہو جایا کرتے ہیں۔

(۸) باوجودیکہ اہل حدیث میں مسلمانوں کو مشکل حالات کا متابہہ کرنا پڑا، مگر انہوں نے ذرا  
گزداری نہیں دکھائی بلکہ شجاعت اور قربانی کی بڑی عظیم الشان مثالیں قائم کیں۔

مبارزت کے مرحلے میں حضرت علیؓ، سعد بن ابی وقاص، حضرت عاصم بن ثابت

اور حضرت حمزہؓ کے ہاتھوں شکر مشرکین کے علمبردار سمیت پانچ سردار جہنم رسید ہوئے۔

حضرت ابو دجانہؓ کو یہ اعزاز حاصل ہوا کہ انہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی

خاص تلوار اس شرط کے ساتھ عطا کی کہ اس کا حق ادا کرنا اور وہاں تک رہے کہ کوئی مسلمان

اس کی زد میں نہ آئے اور کوئی کافر اس سے پنج کے نہ جائے۔ اس شرف کو پانچ سردار سرخ

رد مال باندھے خاص ادا سے اٹھلاتے ہوئے حضرت ابو دجانہؓ آگے بڑھے۔ اس پر حضورؐ

نے فرمایا کہ خدا کو یہ چال نہایت ناپسند ہے، مگر اس وقت یہی مناسب ہے۔ یعنی میدان جنگ

میں دشمن کے سامنے انکساری دکھانے کے بجائے سرد سینہ کو تان کر ہی چلنا چاہیے پھر

حضرت ابو دجانہؓ نے واقعی اس تلوار کا حق ادا کیا اور میدان جلتے، دشمن کی سنبوں میں

یہ دریغ بڑھتے چلے جاتے اور جس طرف تلوار کو لہراتے مشرکین کے لاشے تڑپ جاتے۔

تقریباً یہی صورت حمزہؓ کی تھی۔ بڑیہ مسلم مجاہد بھی بے جگری سے لڑے، یہاں تک کہ دشمن

کے قدم اکھڑ گئے۔

حضرت مصعبؓ بن عمیر جیسے نوجوان نے علمبرداروں کا حق ادا کر دیا، ابن قمر کے

دار سے داہنا ہاتھ لٹ گیا تو فوراً بائیں ہاتھ میں علم بھٹام لیا۔ دشمن نے بائیں ہاتھ

کو بھی کاٹ دیا تو دونوں کٹے ہاتھوں کے سروں سے علم کو سینے کے ساتھ دبا لیا۔ آخر

جب ان کو شہید ہی کر دیا گیا تو باری باری دوسرے ساتھیوں نے علم کو سر بلند رکھا۔

یہ مصعبؓ بن عمیر کے ایک بانکے خوش پوش نوجوان تھے مگر اسلام لانے کے

بعد ایسے درویش بنے کہ کپڑے پھٹے ہوتے اور بال بکھرے ہوئے، شہادت کے معاثرے کے

رفت ان کی نعش کو دیکھ کر حضورؐ نے بڑے گہرے تاثر کا اظہار کیا۔ ان کے بدن کو ۸۰ کی چادر سے ڈھانکنا مشکل تھا۔ سر کو چھپاتے تو پیر کھلے رہتے، پیروں پر ڈالتے تو سر ابر ہوتا۔ آخر پیروں پر گھاس کی تہ رکھی گئی۔

(۹۱) لشکرِ مکہ کے لوگ جب بھاگنے لگے اور عورتوں نے پہاڑ پر جا پنا، لی تو مسلمانوں نے یہ سمجھ کر کہ کھیل تمام ہوا، مالِ غنیمت سمیٹنے پر اپنی توجہ مرکوز کر دی۔ یہ دیکھ کر دوسرے کی نگرانی کرنے والی جماعت جو حضرت عبداللہ بن جبیر کی کمان میں مامور تھی، اس کے کچھ افراد بھی مالِ غنیمت سمیٹنے کے لیے لپکے حضرت عبداللہ بن جبیر نے ان کو روکنے کی بڑی کوشش کی، مگر بے سود۔ یہ حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی سربراہی میں تھی۔ اور اس نادرمانی کی بہت بڑی سزا مسلمانوں کو ملی۔ اس دوسرے کے ا کے کو کمزور پا کر پیچھے سے خاہد اپنے دستے کے ساتھ حملہ آور ہوا اور عبداللہ بن جبیر اور ان کے ساتھیوں کا ناتمامہ کر کے میدانِ جنگ کی طرف بڑھا۔ قریش کی بھاگتی ہوئی فوج بھی پلٹ کر پھر حملہ آور ہو گئی۔ اس ناگمانی افتاد سے مسلمانوں کے ارمان خطا ہو گئے اور ان کا سارا نظم ٹوٹ گیا۔ آپس میں ایک دوسرے کا خون بہانے کی نوبت آگئی۔

یہ انتباہ تھا اس بات کا کہ خدا کے ہاں کوئی جماعت بھی ایسی چھیتی نہیں ہے کہ وہ جو غلطیاں چاہے کرتی رہے گزرت نہ کی جائے جو غلطی کرے گا اسے تانوںِ الہی کے تحت خمیازہ بھگتنا ہوگا۔ دولت کی حد سے بڑھی ہوئی حرص ایسی بنیادی کمزوری تھی جس کی وجہ سے جنگ کو تکمیل تک پہنچانے سے پہلے، بغیر سپہ سالار کے اذن کے سپاہی مالِ غنیمت کی طرف متوجہ ہو گئے اور اسی رد میں ناکے والوں نے اپنا ناکہ چھوڑ دیا۔

سزائیں ہی نہیں ملی، بلکہ اس کا دائرہ اور بھی وسیع تھا۔ خالد بن ولید کے حملے سے اگرچہ اچھے اچھے بہادروں کے پاؤں بھی سرا سیمگی کی وجہ سے اکھڑ گئے مگر آنحضرتؐ کا پائے ثبات اپنی جگہ جما رہا۔ اوسطاً ۱۴۰۰ اسحاب (۷ ہا جماور، انصار) حضورؐ کے ساتھ رہے۔ اس تعداد میں تھوڑی بہت کمی بیشی ہوتی رہی۔ ایسی حالت میں عقبہ بن ابی وقاص نے موقع پا کر ایک پتھر پھینکا جس کی ضرب سے حضورؐ کا نیچے کا ایک دانت شہید اور

پنجاب زخمی ہوا۔ پھر عبداللہ بن قثم نے اس زور سے حملہ کیا کہ رخسار مبارک زخمی ہوا اور خود کے دہلنے جھڑے کی ہڈی میں اتر گئے۔ تیسرا دار عبداللہ بن شہاب زہری کا تھا جس کے پتھر سے جبین مبارک زخمی ہوئی۔ اس تند و تیز ریلے میں حضور دد زہریوں کے بوجھ کی وجہ سے قریبی گڑھے میں گر گئے۔ حضرت علیؑ اور طلحہؑ نے سہارا دے کر اٹھایا اور حضور پہاڑ پر چڑھے۔

(۱۰) سزا کا تیسرا پہلو یہ تھا کہ علمبردارِ شکر حضرت مصعبؓ بن عمیر کے چہرے میں چونکہ کچھ اندازِ شباهت حضور کے رخ انور کے تھے، اس وجہ سے ان کی شہادت واقع ہونے پر یہ افواہ بدارت گئی کہ سرکارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم شہادت پا گئے۔ اس افواہ سے انتشار و اضطراب اور بڑھا۔ مسلمانوں کے اندر ایک جذبہ یہ پیدا ہوا کہ اب جب کہ خدا کے رسول ہم میں نہیں رہے، اب لڑ کر کیا لینا۔ یہ جذبہ بھی ایک لحاظ سے فطری تھا، کیونکہ دشمنوں میں گھرتے ہوئے مسلمانوں کی قوت کا بڑا مظہر رسول اکرمؐ کی ذات اور آپ کی رہنمائی ہی تھی۔ مگر کوئی بھی نقطہ نگاہ جو مایوسی اور ترکِ عمل کی طرف لے جائے اس کے پیچھے چاہے کوئی فطری جذبہ کام کر رہا ہو، اسلامی تحریک میں جگہ نہیں پاسکتا۔ لہذا اس کا دوسرا جواب مسلمانوں کے اندر یہ ابھرا کہ اب جبکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں نہیں رہے تو ہم جانیں بچانے کی فکر کیوں کریں۔ محمدؐ اگر نہیں رہے تو محمدؐ کا رب تو زندہ ہے۔ کیوں نہ پوری قوت سے لڑ کر شہید ہو جائیں۔ یہ بات انس بن نضر کی زبان سے لٹکار بن کر ابھری۔ جناب انسؓ خود بھی دشمنوں کے هجوم میں لڑتے ہوئے گھس گئے اور بہت سے دوسرے مسلمان بھی۔ یہاں تک کہ حضور کے زندہ موجود ہونے کی پُرسرت خبر پھیل گئی۔

اسی موقع کے متعلق آیت «وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ...» (آل عمران ۱۴۴)

نازل ہوئی جس میں مسلمانوں کو صاف صاف سنا دیا گیا کہ جناب محمدؐ دائمی حیاتِ دنیوی لے کر نہیں آئے، وہ خدا کے رسول ہونے کے ماسوا جسمانی لحاظ سے انسانی وجود ہیں، ان پر موت واقع ہو سکتی ہے، ان کو قتل کیا جاسکتا ہے۔ رسول کوئی مافوقِ جبلت مخلوق نہیں ہے۔ ان سے پہلے بھی رسول گزرے ہیں وہ سب وفات پا چکے (ان میں سے بعض

نوشمنوں نے قتل بھی کیا) پھر کیا تم رسولؐ کی حیاتِ عنصری کے ختم ہونے پر اس ایمان اور دین اور تحریک اور کشمکش کو چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہو گے جسے رسولؐ نے تم تک پہنچایا ہے۔ خدا اگر حسی و قیوم ہے۔ دین حق اگر باقی ہے۔ اقامتِ دین کی مہم اگر جاری ہے تو تمہاری پوری قومیں اس میں کھپ جانی چاہئیں۔ رسولؐ کی زندگی میں بھی، اور زندگی کے بعد بھی۔

معلوم ہوا کہ رسولوں کا کام خدا کے زندہ سے انسان کا تعلق اس دینی نقشے پر استوار کرنا ہے جس کے ہر نقطے اور شوٹے کو وہ اُمت پر وحی کی روشنی میں اپنے قول اور عمل سے پوری طرح واضح کرتے ہیں، اور خدا سے یہی تعلق، انسان کا انسان سے تعلق بھی ہر دائرے اور شعبے میں ایک خاص نہج سے جوڑتا ہے۔ یعنی عبادتِ خدا کی مطلوب ہے، کوئی رسول اپنی عبادت کرانے نہیں آتا اور یہ نہیں سکھاتا کہ میں اگر نہ رہا تو خدا کی عبادت و اطاعت کی مختلف لازم و مطلوب اشکال کو چھوڑ دینا۔ وہ اپنی تعلیم و دعوت اور اپنے اسوہ و سنت کی شکل میں خدا پرستانہ زندگی کے تمام تقاضے مرتب کر کے چھوڑ جاتا ہے اور جب تک اس کی یہ میراث باقی رہتی ہے اس کی رسالت کا دور بھی جاری رہتا ہے۔ یعنی اس کا دور رسالت اور اس کے حقوقِ رسالت اس کی جسمانی موت سے ختم نہیں ہوتے۔

(۱۱) پریشانی و اضطراب کے اس طوفان میں سب سے پہلے حضرت کعب بن مالک نے حضورؐ کو پہچانا۔ اُن کی نگاہ نے خود میں ستور چہرے کی جزوی جھلک ہی سے پہچان لیا۔ آواز لگائی کہ مسلمانو، بشارت ہو، حضورؐ زندہ ہیں۔ حضورؐ نے اشارے سے کعب کو منع فرمایا مگر یہ خبر پھیلتی گئی۔

(۱۲) بعض واقعات مسلمانوں کے عام شجاعانہ جذبات کے علاوہ محبتِ رسولؐ اور فداکاری برائے رسولؐ کے اُپنہ دار ہیں۔

مسلمانوں میں جب ابتری پھیلی اور حضورؐ چند ساتھیوں کے درمیان اکیلے رہ گئے اور ایسے وقت میں حملہ آوروں نے سخت ریل کیا تو حضورؐ نے پکارا "کون شخص ہمارے لیے اپنی جان فروخت کرتا ہے؟" یہ سن کر حضرت زیاد بن سکن پانچ انسا رسیٹ آئے اور حضورؐ کے



سامنے کھڑے ہو کر دشمن کے دارِ ستم اور دکتے ہوئے باری باری جان بحق ہوئے۔  
 دم آخر حضرت زیاد بن سکن کے خون میں لوٹتے جسم کو اپنے قریب طلب کیا قریب  
 لائے گئے تو گھسٹ کر اپنا رخسار حضور کے قدموں سے لگا دیا پھر خوشی خوشی جان دے  
 دی۔ حضرت طلحہ کا یہ حال ہوا کہ دشمنوں کے وار روکتے روکتے انگلیاں کٹ گئیں اور ان  
 کے بدن پر ستر زخم لگے۔ مگر وہ برابر ڈھال بن کر حضور کے سامنے کھڑے رہے۔ حضرت  
 ابو جہانہ اس موقع پر حضور کے سامنے دشمنوں کی طرف پیٹھ کر کے کھڑے ہو گئے اور آنے  
 والے تیروں کو اپنی پشت پر روکا۔ حضرت قتادہ بن نعمان اپنا چہرہ حضور کے چہرے سے  
 ملا کر کھڑے ہو گئے اور ایک تیران کی آنکھ میں لگا جس سے آنکھ جاتی رہی۔ سعد بن ابی  
 وقاص نامور تیرانداز تھے، دشمن پر سخت ناوک اندازی کی۔ حضور اکرم اپنے ترکش سے  
 تیر نکال نکال کر سعد کو دیتے اور فرماتے: "میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں، اے سعد!  
 تیر پھینکو" خود سربار رسالتاب نے بھی اپنی کمان نکال کر تیر چلائے، مگر بعد میں کمان کی  
 تانت ٹوٹ گئی۔

حضرت ام عمارہ جو بیعت عقبہ میں شریک تھیں، زخمیوں کو پانی پلانے کی خدمت  
 انجام دے رہی تھیں۔ جب حضور کی طرف دشمنوں کا ریلہ دیکھا تو مشک پھینک کر تیر کمان  
 لے کے کھڑی ہو گئیں۔ تیر چلائے۔ پھر حضور کے قریب تر جا کر لڑنے کا خیال ہوا۔ تلوار  
 سنبھالی اور دڑ کر پہنچیں۔ بیچ میں ابن قثمہ آگیا اور جب اس نے حضور پر وار کیا تو  
 ام عمارہ تڑپ کر اس پر ٹوٹ پڑیں۔ آخر میں قثمہ بھاگ گیا۔ اس خاتون کو سزا دے کر دن  
 پر ۱۲ زخم لگے۔ حضور نے بشارت دی کہ قیامت کے دن بھی ام عمارہ اسی طرف میرے  
 قریب ہوں گی جیسی میدانِ احد میں۔

(۱۳) خواتین کا جذبہ دیکھیے کہ ہند انصاریہ کو پہلے اطلاع ملی کہ تمہارے بھائی شہید  
 ہو گئے، پھر آگے بڑھیں تو بتایا گیا کہ تمہارے والد کو بھی خدا نے بلا لیا، پھر تیسری بات بتائی  
 گئی کہ تمہارے شوہر جنت سدھارے، آفرین ہے اس خاتون پر کہ آنھوں نے پورے سبر  
 سے کام لیا اور کسی کے سامنے کسی غم کا اظہار نہیں کیا۔ آخر پوچھا تو یہ پوچھا کہ کیا خدا کے

رسول خیریت سے ہیں؛ جب خیریت بتائی گئی تو فرمایا کہ اب اس اطمینان کے بعد ہر مصیبت آسان ہے۔ اسی طرح آمنہ بنت جحشؓ کے شوہر باپ اور ماموں شہید ہو گئے ہیں۔ انھوں نے اپنے ایمان کے بل پر اس سہ گونہ سدے کو سدہ لیا۔ ویسے مدینے میں جب احد کی مصیبت کی خبر پہنچی تو حضرت فاطمہؓ سمیت بہت سی خواتین اُسد تک آگئیں اور مدینے کا شاذ ہی کوئی گھر خالی رہ گیا ہو گا جس کا کوئی نہ کوئی شہید نہ ہوا ہو۔

(۱۴) دونوں فریقوں کے اخلاقی تقابلی کی بڑی اہمیت ہے۔ دوسرے حضرت ابو جہانہؓ کا یہ کہہ داتا کہ اُپی ہوئی تلوار ہند زوجہ سفیان کے سر کے اُپر ہی اُپر یہ کہہ کر روک لی کہ یہ رسول اللہؐ کی تلوار ہے اسے میں کسی عورت کے خون سے آلودہ نہیں کر دوں گا۔ دوسری طرف حضرت حمزہؓ پر حملہ کرنے والا جشتی غلام وحشی پتھر کی ادٹ میں چھپ کر بیٹھتا ہے اور بزدلانہ انداز سے خفیہ ناگہانی حملہ کرتا ہے۔

دوسرا فرق وہ ہے کہ زوجہ ابوسنیان اور بعض دوسرے مشرک مردوں اور عورتوں نے مسلمان شہداء کے لاشوں کو بگاڑا، یہاں تک کہ حضرت حمزہؓ کے جسد کا جو حال کیا گیا تھا اُسے دیکھ کر تڑپتے ہوئے میں بھی اس بندے نے کر دٹ لی کہ اگر ہمیں موقع ملے تو ہم بھی ایسا ہی کریں۔ مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاہ ہوا اور آپ نے مسلمانوں کو اس بات سے منع کر دیا کہ دشمن کی لاشوں کو بگاڑا جائے۔ اس فرمان کا اثر آج تک موجود ہے۔

(۱۵) ادھر ابو عامر کا جو کردار بیان ہوا، اس کے مقابلے میں دوسرا کردار بھی دیکھیے۔ یہ صاحب اُبیہ نام کے تھے اور یہود کے گروہ سے وابستہ چلے آ رہے تھے۔ مگر مزاجاً نیک سرشت تھے اور یہودیوں کو اکثر یہ احساس دلاتے رہتے کہ مشرکوں کے مقابلے میں تمہیں معاہدے کے مطابق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرنی چاہیے۔ یہ کھجوریں کھاتے کھاتے میدان احد کی طرف سے گزرے تو پہلے تو یہ سماں دیکھنے کے لیے آگے بڑھے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دو دو دریاؤں کی آواز میں آگے بڑھے اور ارا جہاڈا، تو مجھے کیا ملے گا؟ حضور نے فرمایا: "جنت" اور وہ شخص تلوار لے کر یہ کہتا ہوا بے جگر سے دشمن پر ٹوٹ پڑا کہ اگر میں نے اپنی بقیہ کھجوریں کھانے کی مہلت پالی تو گویا بڑی مہلت ہوگی۔ خدا کا کہہ م کہ وہ شخص شہید

ہوا اور حضورؐ کی بشارت پوری ہوئی۔ یہ ایک ایسے صحابی کی مثال ہے جس نے نہ کوئی نماز پڑھی، نہ روزہ رکھا، سیدھا جنت میں جا پہنچا۔

(۱۶) بلاشبہ بعض غلطیوں کی وجہ سے مسلمانوں کے ہاتھوں سے حاصل شدہ فتح چھن گئی، مگر یہ شکست بھی نہیں تھی، کیونکہ وہ میدان ہی میں تھے کہ ابوسفیان اپنی فوج کو لے کر چلا گیا۔ وہ بھی خوب سمجھتا تھا کہ یہ صورتِ حالات اتنا قی ہے۔ پھر جب مقامِ ردما میں جا کر سردارانِ قریش نے از سر نو معاملے کو سوچا تو ایک جوشیلی رائے یہ تھی کہ ہمیں واپس جا کر مدینے پر اچانک حملہ کرنا چاہیے، لیکن صفوان بن امیہ کی رائے اس کے خلاف تھی۔ وہ کہتا تھا کہ اصحابِ محمدؐ اس وقت جوشِ جہاد سے بھرے ہوئے ہیں، ممکن ہے کہ دوسرے نکلے ہیں ہمیں کامیابی نہ ہو۔ ادھر قریش کو معبدِ خزاعی کے ذریعے یہ اللامع ملے کہ نبی اکرمؐ تمہارے تعاقب میں نکلے ہیں اور حمراء الاسد تک آگئے ہیں۔ اس پر ابوسفیان نے لشکر کو لکے کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا۔ جنگی لحاظ سے حضورؐ کی تدبیر تعاقبِ مسلمانوں کی کمزوری کے تصور کا مخالف دُرُور گینے کا ذریعہ بنی۔

غزوہٴ احد کے ان چند اسباق سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس معرکے کو اس انقلابی جدوجہد میں کیا اہمیت حاصل تھی جو حضورؐ کی رہنمائی میں جاری ہوئی۔ غزوہٴ احد محمدؐ کی انقلاب کی تاریخ کا بہت اہم باب ہے جس میں محسنِ انسانیت کی شخصیت اور تعلیم کا حسن جھلکتا ہے۔

## غزوة اُحد کے بعد کے احوال

غزوة اُحد کے بعد قدرتی بات تھی کہ فتح بدر کے اثرات میں کسی قدر کمی آئی، اور بعض قدامت پسند قبائل ایک بار پھر قریش سے وابستہ ہونے لگے۔ جرائم پیشہ اور شر پسند عناصر میں سرکشی آنے لگی۔ اُحد کے بعد کے حالات کی پیچیدگی سے مدینہ اس وجہ سے بخوبی عہد برہنہ ہو سکا کہ مسلم جماعت چاق و چوبند اور اس کی قیادت بڑی مضبوط تھی۔ ہر شرارت کی جرأت سے سرکوبی کر کے لائینڈ آرڈر کو بحال رکھا گیا۔

سب سے پہلے خزیمہ کے بیٹوں طلحہ اور سلمہ نے اُسد بن خزیمہ کو مدینے پر ڈاکہ زنی کے لیے تیار کیا۔ محرم ۱۲ھ کا چاند ہوتے ہی اللہ راع علی حضور نے ابو سلمہ مخزومی کی سرکردگی میں ڈیڑھ سو افراد کا دستہ بھیجا۔ شر پسند فرار ہو گئے۔ ان کے پیچھے موشیوں کا لگہ رہ گیا، وہ بختی حکومت اسلام ضبط کر لیا گیا۔ ۵ محرم کو خبر پہنچی کہ خالد بن سفیان ہندلی نے جمعیت اکٹھی کی ہے۔ مدینے کی ہائی کمان نے عبداللہ بن انیس جہنی انصاری کو ہم پر بھیجا۔ وہ شر پسندوں کے سرغنہ کا سر کاٹ لائے۔

دو تین ہفتوں کے بعد ایک خوف ناک حادثہ پیش آیا۔ ماہِ صفر کے آغاز میں قبیلہ عضل و

قبیلہ تار کے لوگ سازش کر کے مدینہ آئے اور حضورؐ سے درخواست کی کہ ہمارے کچھ لوگ مسلمان ہو گئے ہیں ان کی تعلیم و تربیت کے لیے اپنے معلمین بھیجیے۔ دس اہل علم کا وفد روانہ کیا گیا۔ امیر مضر بن ابی ہریرہ مقرر ہوئے۔ مقام ریحہ پر پہنچ کر سازشیوں نے حضرت خبیثؓ اور حضرت زید الدثنهؓ کو چھوڑ کر باقی سب کو تیر تیغ کر دیا۔ ان دونوں کو قریش مکہ کے ہاتھ زبردستی کر دیا۔ جنھوں نے انھیں اپنا انتقام ٹھنڈا کرنے کے لیے قتل کر دیا۔

کتنا دردناک واقعہ ہے کہ تلیل التعداد مسلم جماعت میں سے حضورؐ چند قیمتی افراد کو تعلیمی مشن پر بھجواتے ہیں جو بلا کسی معاوضے کے علم کی شعاعیں پھیلانا چاہتے تھے۔ ان کو قتل کر دیا جاتا ہے۔ حضورؐ کو کتنا سدم ہوا ہوگا!

اب ذرا دوسری طرف توجہ کیجیے! مکہ کی قیادت نے پہلے حضرت زید کو تنعیم کے میدان میں قتل کر دیا۔ قتل سے پہلے ابوسفیان نے ان سے پوچھا کہ "اے زید کیا تم اس بات کو پسند کر دگے کہ تم کو چھوڑ دیا جائے اور تم اہل درعیال میں ہنسی خوشی رہو بسو، اور تمہاری جگہ محمدؐ کی گردن مار دی جائے؟" عاشق رسولؐ نے موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا کہ "بخدا ہمیں تو یہ بھی پسند نہیں کہ ہماری زندگی اور آزادی کے بدلے میں حضورؐ کو ایک کانٹا بھی چھبے؟" یہ سن کر ابوسفیان نے کہا "میں نے کسی کو کسی کا ایسا محب نہیں پایا جیسا کہ محمدؐ کو اصحابؓ محمدؐ محبوب رکھتے ہیں؟" کسے معلوم کہ حضرت زیدؓ کے اس جملے نے اور کتنے دلوں پر کیا اثر کیا ہوگا۔

حضرت خبابؓ کو سولی پر چڑھایا گیا۔ اس مرد خدا نے اس سے قبل دو رکعت نماز ادا کرنے کی اجازت مانگی جو دی گئی۔ ان کی یہ دو رکعت کی نماز بعد کی ساری تاریخیں مستولیٰ میں مظلوم کے لیے سنت بن گئی۔

ابھی حادثہ ریحہ کا زخم تازہ ہی تھا کہ علاقہ نجد سے ابو ہریرہؓ ابن مالک مدینہ آیا۔ اس نے بڑے ہی مخلصانہ انداز میں مشورہ دیا کہ آپ اپنے رفقا کو علاقہ نجد میں دعوت و تعلیم کے لیے روانہ فرمائیے۔ امید ہے کہ لوگ قبول کریں گے۔ چونکہ بہت وجہ سے اس علاقے میں دعوت کا پھیلنا مطلوب تھا، اس لیے حضورؐ نے، قیمتی اشخاص کی ایک جمعیت روانہ کی۔ ان میں اول درجے کے تار، مفسر، نقیب، معلم اور داعی شامل تھے۔ اتنی بڑی جماعت

غلاتے اور آبادی کی مناسبت سے بھیجی گئی تھی۔ تفصیلات سے قطع نظر، یہ دعوتی و تعلیمی وفد جب بحر معونہ کے مقام پر پہنچا تو بنی سلیم کے ذیلی قبائل نے اپنے سرداروں کے حکم سے اس پر حملہ کر کے ۱۶۹ افراد کو شہید کر دیا۔ شہر میں رکن دند جناب کعب بن زید تھے، جو لاشوں کے اندر اس طرح لہو لہان پڑے تھے کہ حملہ اور ان کو مردہ سمجھ کر چلے گئے۔ انھیں ہوش آیا تو یہ اٹھتے اور دینے روانہ ہو گئے۔

حضور کا قلب حساس اس واقعے سے بہت دکھا۔ مسلم جماعت پہلے ہی کثیر التعداد نہ تھی۔ یہ کمی بڑے نقصان کا باعث تھی اور پھر رضا کار معلمین کی منگولیا نہ شہادت، جس کے لیے دھوکا کیا گیا تھا، مزید بوجھ تھی۔ آپ نے مجروح دل کے ساتھ ایک مہینے تک نماز فجر میں اپنے معلمین کے قاتلوں کے لیے بددعا کی۔ اس بددعا کا اصطلاحی نام قنوت نازلہ ہے۔

یہ بددعا کا صرف ایک بڑا واقعہ حضور کی زندگی میں نمایاں ہے، مگر اس سے بھی خداوند عرش و فرش نے حضور کو روک دیا۔ دُعا و بددعا کو قبول کرنا نہ کرنا تو خدا کے اختیار میں ہے ہی، اس نے بددعا کرنے تک کی ممانعت کر دی۔ مصلحتِ خداوندی یہ بھی تو تھی کہ آگے چل کر ان قبائل میں اسلام کو پھیلانا تھا۔

ان جگہ خراش واقعات کی زد میں آکر بھی نہ حضور گھبرائے، نہ یایوس و بددل ہوئے، نہ دین و سیاست کی ضروری کارروائیوں میں فرق آنے دیا۔

ادھر خود مدینے کے اندر بھی شراکین عناصر موجود تھے جو اپنی دولت، زمینوں اور قلعہ بندیوں کے بل پر دم خم رکھتے تھے حضور کی مخالفت کرنے والوں میں بنو نضیر کا گڑھ بڑا مضبوط تھا۔ بنو نضیر کی اب تک کی حرکات شیعہ میں آخری چیز حضور کو قتل کرنے کی کوشش تھی، اس صریح غدارانہ فعل پر حضور نے معاہدہ مدینہ کے پیش نظر بنو نضیر کی شہریت سلب کرنے کا نوٹس دے دیا کہ وہ دس روز کے اندر اندر مدینے سے پر امن طریق سے چلے جائیں۔ لیکن بنو نضیر کو عبداللہ بن ابی نے بخانے کہاں سے بھاری فوجی مدد دلانے کا وعدہ کر کے پکڑا لیا۔ انھوں نے حضور کو چیلنج کے طور پر کہلوا دیا کہ ہم نوٹس کی تعمیل نہیں کرتے، آگے آپ جو چاہیں کریں۔ حالات کی اس پیچیدگی کی بنا پر ربیع الاول ۶ھ میں حضور نے فوج لے کر اقدام

کیا اور بنو نضیر کا محاصرہ کر لیا۔ کوئی مدد کو نہ آیا۔ آخر بے بس ہو کر انھوں نے بستی خالی کر دی۔ اور خیر چلے گئے۔ حضورؐ کی کہ یہاں نہ شان اس سے ظاہر تھی کہ وہ لوگ نہ صرف جانیں بچا کر لے گئے بلکہ اونٹوں پر اپنے قیمتی اموال کے علاوہ دروازوں کے کواڑ تک اکھیر کر لے گئے۔ کچھاؤ اور ٹکراؤ کے اس ماحول میں بھی بنو نضیر کے اندر سے دو سعید رو حیں ایسی نکلیں جنھوں نے سچائی کی روشنی کو پہچانا اور حضورؐ کے ہاتھ پر ایمان لائے۔ یہ تھے یامین بن عمیر اور ابو سعید بن وہب۔ غزوہ بنو نضیر کے بعد کچھ دن حضورؐ نے مدینے ہی میں قیام رکھا۔ اوائل جمادی الاول میں رپورٹ آئی کہ بنو غطفان کے قبائل بنی محارب اور بنی نعلیہ حملے کی تیاری کر رہے ہیں۔ حضورؐ نے فوراً چند نواسحابہ کے ساتھ مارچ کیا۔ نجد پہنچنے پر دشمن سامنے آیا تو ضرور، مگر جنگ نہیں چھیڑی۔ اتنے ہی میں معاملہ ختم ہو گیا۔

حضورؐ کی قائدانہ اور عسکری حکمتِ عملی کا یہ شاندار نمونہ ہے کہ مشکل حالات میں بھی آپؐ نے ہر چھوٹے سے چھوٹے چیلنج پر حرکت و اقدام کیا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ شریک قوتوں نے سر اٹھانے ہی اپنے آپ کو سمیٹ لیا۔ اگر ان کو ذرا ڈھیل ملتی تو پھر چو طرفہ سیلابِ بلا کو روکنا مشکل ہو جاتا۔ ابوسفیان احد کے میدان سے یہ چیلنج دے کر رخصت ہوا تھا کہ ہمارا تمہارا اُسذہ مقابلہ اگلے سال میدانِ بدر میں ہوگا۔ یہ بات اس نے کہہ تو دی تھی مگر بعد میں اسے اندیشوں نے گھیر لیا، اور وہ دل سے چاہتا تھا کہ اگلے سال مسلم قوت بدر میں نہ آئے، اور وہ ایک چکر اُدھر کا لگا کر کہہ سکے کہ کوئی مقابلے کو آیا ہی نہیں۔ ستم یہ کہ نعیم بن مسعود کو مدینے روانہ ہوتے ہوئے اس نے کچھ مال دے کر یہ کہا کہ وہاں جا کر یہ مشہور کر دو کہ اہل مکہ بڑی بھاری فوجی قوت لارہے ہیں۔ نیز مسلمانوں کو مشورہ دو کہ تم قریش سے لڑنے کے لیے نہ نکلو۔ یہ دیکھنے کے اس حربے کا نتیجہ اُلٹا نکلا۔ مسلم جماعت کے جوشِ ایمانی میں اضافہ ہو گیا۔ ساری انسانیت کا معلم تہذیبِ پندرہ سو جاں نازانِ حق کے ساتھ مدینے سے نکلا۔ راہِ اسلام حضرت علیؑ کے ہاتھ میں تھا۔ دوسری طرف سے ابوسفیان دو ہزار افراد کا لشکر ساتھ لایا۔ مگر مقامِ ظہران یا عسفان سے خشک سالی کا بہانہ کر کے واپس چلا گیا۔

حضورؐ آٹھ روز تک بدر میں کیمپ لگائے دشمن فوج کا انتظار کرتے رہے۔ اب سونے

اس کے اور کیا ہو سکتا تھا کہ آپ اپنی فوج کو لے کر مدینہ واپس آ گئے۔

یہ فوجی کارروائیاں تو ایک مجبورانہ نوعیت رکھتی تھیں کہ ان کے بغیر نوخیز اسلامی ریاست اور اسلامی معاشرہ کی بقا ہی ممکن نہ تھی۔ مگر دوسری طرف تعمیری و اصلاحی کاموں کا سلسلہ اپنی جگہ جاری تھا۔

چنانچہ شمشیر و سناں کی کھیل کے درمیان ہی حرمتِ شراب کا حکم نازل ہوا۔ شراب نوشی، اسلامی تحریک کے معیارِ کردار کے ساتھ چل نہیں سکتی تھی۔ ابتداءً سورہ بقرہ کی ایک آیت میں شراب اور جوئے کے متعلق یہ اشارہ ہو چکا تھا کہ ان کے فائدے سے ان کا گناہ زیادہ بڑا ہے۔ بعض صحابہؓ نے اسی اشارے کو سمجھ کر شراب ترک کر دی۔

پھر ایک دفعہ ایسا ہوا کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف نے دوستوں کی دعوت کی، کھانے کے بعد شراب کا دور چلا، بعد ازاں نمازِ مغرب کا وقت ہو گیا، ایک صاحب کو جماعت کا امام بنایا گیا، وہ سورہ کافرون غلط پڑھ گئے۔ اس واقعہ کے پس منظر کے ساتھ حکم آیا کہ نشے کی حالت میں نماز کے لیے نہ کھڑے ہو۔ یعنی نماز کے اوقات سے متصل شراب نہ پی جائے۔ پھر ایک اور واقعہ پیش آیا۔ حضرت عتبان بن مالک کے گھر میں دعوت تھی۔ پہلے کھانا ہوا، پھر شراب کا دور چلا، پھر شعر و شاعری میں مفاخرت ہونے لگی، نشے کی حالت میں سعد بن ابی وقاص نے ایک قصیدہ پڑھا جس میں اپنی قوم کی تعریف کے ساتھ انصارِ مدینہ کی ہجو بھی کی گئی تھی۔ اس پر ایک انصاری نوجوان نے مشتعل ہو کر اونٹ کے جبرے کی ہڈی حضرت سعد کے سر پر دے ماری۔ وہ شدید زخمی ہو گئے، حضرت سعد نے حضور کے سامنے شکایت کی۔ شکایت سن کر حضور نے دعا کی: "یا اللہ شراب کے بارے میں ہمیں کوئی واضح اور قطعی حکم و قانون عطا فرما"۔

کسی بھی حکم و قانون کے اجراء سے قبل اللہ تعالیٰ نے یہ چاہا کہ بعض واقعات سے ایسا ماحول پیدا ہو جائے کہ مسلم سوسائٹی ایسے حکم کی خود ضرورت محسوس کرنے لگے، یا حکم کی مصلحت کو آسانی سے سمجھ سکے۔ اسی کو شانِ نزول کہتے ہیں۔

سو حضور کی دعا کے جواب میں حرمتِ شراب کا قطعی حکم آیا۔ شراب اور جوئے



اور استھانوں کے چڑھادوں اور پانے کے تیروں کو یکبارگی ”رجس من عمل الشیطن“  
 کہا گیا۔ یعنی گندے شیطانی کام اور بتایا گیا کہ ان کے ذریعے شیطان تمہارے درمیان جھگڑا  
 فساد پیدا کرتا ہے اور خدا کے ذکر اور نماز کو خراب کرتا ہے۔ آخری جملہ تھا: فہل انتم منتہون۔  
 پھر کیا تم باز آؤ گے؟

یہ آیت سن کر بعض صحابہ نے چلا کر کہا: خداوند! ہم باز آ گئے، یہ ہے کسی بھی صاحب  
 ایمان کی شان کہ خدا کی طرف سے جو امر الہی بھی اسے پہنچے اس پر تسلیم خم کر دے۔  
 اسی وقت شراب کی حرمت کی منادی کرائی گئی حضرت ابو طلحہ کے گھر میں شراب کا  
 دور چل رہا تھا۔ جو نہی منادی کی آواز پہنچی، جام ہاتھوں سے الگ کر کے پھینک دیے گئے،  
 اور ٹنگے گلی میں لٹھا دیے گئے۔

مدینے کے مسلمان ایسے نہ تھے کہ ادھر تو خدا پر ایمان لائیں اور رسول کے ہاتھ پر  
 بیعت کریں اور قرآن کو قدیل ہدایت مانیں اور ادھر جو حکم دیا جائے، اسے بالائے طاق  
 رکھ کر اپنی روش میں لگن رہیں۔ جو کوئی رسول اللہ کی رسالت اور قیادت کو قبول کرتا ہے، وہ  
 اگر حضور کی لائی ہوئی ہدایت کی پیروی نہیں کرتا تو اس کی شخصیت میں کھوٹ موجود ہے۔  
 اب ذرا ایک طرف مدینے کے اس قانونِ امتناعِ شراب کی تعمیل کا عالم دیکھیے اور  
 دوسری طرف ددر جدید کی ایک بڑی مہذب ریاست امریکہ کے قانونِ امتناعِ شراب کے  
 تجربے کا جائزہ لیجیے۔ اس قانون کی امریکہ میں اتنے بڑے پیمانے پر خلاف ورزی کی گئی کہ  
 اس کی دھجیاں اڑ گئیں اور شراب اور دیگر اشیاء اتنا زور ہوا کہ یہ پینرز لازماً تریب  
 بن گئیں۔

## غزوة بنو مصطلق

۵ھ کا اہم جنگی واقعہ بنو مصطلق کے خلاف کارروائی کا ہے۔ یہ بہت بڑا جنگجو قبیلہ تھا۔ اطلاع ملی کہ یہ لوگ شراپنگیزی کے لیے پرتول رہے ہیں۔ بریدہؓ اسلمی کو بھیج کر حضورؐ نے تحقیقات کرائی تو خبر کی تصدیق ہوئی۔ ۳ شعبان کو حضورؐ فوج لے کر روانہ ہو گئے نہایت تیز رفتاری سے مریض کے مقام پر جا پہنچے۔ دشمن آمادہ جنگ تھا، مگر حضورؐ کے اچانک آپہنچنے کی وجہ سے بیشتر مخالف سپاہ بکھر گئی۔ صرف قبیلہ کے اپنے لوگ باقی رہے۔ پہلے ہی تلے میں قبیلہ کو شکست ہو گئی۔ بکثرت مویشی مال غنیمت میں آئے اور قبیلے کے سارے لوگ جنگی قیدی بنا لیے گئے۔ انھی لوگوں میں جو بریدہؓ بھی تھیں جنہوں نے کلمہ حق پکار کر کہا کہ میں اسلام لا کر حاضر ہوئی ہوں۔ حضورؐ نے ان کی رضامندی سے انھیں اپنے جرم میں لے لیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ مسلمانوں نے بنو مصطلق کے تمام قیدیوں کو اس بنا پر رہا کر دیا کہ رسول اللہ کے قرابت داروں کو اب ہم اسیر نہیں رکھ سکتے۔ جو بریدہؓ سردار قبیلہ حارث کی بیٹی تھیں۔ مسلمانوں کو یہاں جو فتح ایک بڑی طاقت کے مقابلے میں نہایت آسانی سے حاصل ہوئی، اس پر منافقین جل بھن گئے۔ پہلے انھوں نے پانی کے چشمے پر مہاجرین و انصار

میں جھگڑا پیدا کرایا۔ خود رسولِ خدا نے بروقت مداخلت کر کے حکمت کے ساتھ اس  
اگ کو ٹھنڈا کر دیا۔ مگر منافقین راستے بھر دونوں گروہوں کے درمیان ریشہ دو انیاں  
کرتے رہے۔

اس سفر کا سب سے بڑا واقعہ حضرت سیدہ عائشہؓ پر ایک گناہ تان لگانے کا ہے جس  
کی ذمہ داری منافقین ہی پر تھی۔

انسانی خیر و فلاح اور تعمیر اخلاق کے پروگرام کے ساتھ جو تحریکیں نمودار ہوتی ہیں،  
طرح طرح کے اثر اور نفس پرست اور گروہ پرست معاندان کے گردناک لگائے بیٹھے  
ہوتے ہیں کہ کب کدھر سے کوئی شرارت اٹھائی جاسکتی ہے۔ نیز ایسی تحریکوں کے لیے تیغ و  
سناہ کی جنگیں اتنی بھاری نہیں ہوتیں، جتنا کہ اخلاقی پہلو سے ان پر حملہ!

امیر واقعہ صرف اتنا تھا کہ غزوہ بنو مصطلق سے واپسی پر ایک جگہ لشکر نے پڑاؤ کیا۔  
ام المومنین حضرت عائشہؓ ضرورت سے ایک طرف کو تھڑی دوڑ چلی گئیں، اور بعض  
زویات کے مطابق وہاں ان کا ہار گہر گیا اور ریت میں اسے ڈھونڈتے ڈھونڈتے  
کچھ دیر ہو گئی۔ ادھر قافلے کے کوچ کا حکم ہوا، لوگ آئے اور حضرت عائشہؓ کے خالی کجاوے  
کو جس پر پردہ تھا، اٹھا کے اونٹ پر رکھ دیا۔ سیدہ عائشہؓ چونکہ بہت دہلی تھیں، اس  
لیے وہ جلدی میں یہ محسوس نہ کر سکے کہ اس کے اندر وہ تشریف نہ رہا نہیں ہیں۔ وہ نگاہیں  
پھیرے ہوئے تھے اس وجہ سے کوئی جھلک دیکھنے نہ دیکھنے کا سوال ہی نہ تھا۔

ام المومنین حضرت عائشہؓ جب پلٹ کر اپنی جگہ پہنچیں تو قافلہ در جا چکا تھا، کوئی  
تدبیر نہ سوچی تو ریت پر چادر تان کر لیٹ گئیں اور گرمی نیند طاری ہو گئی۔ لشکر کے پیچھے کچھ  
لوگ چلا کرتے تھے تاکہ کوئی چیز رہ جائے تو سنبھال لیں۔ ابکی یہ ڈیوٹی سفیران بن معطل  
کی تھی۔ ذرا دور سے انھوں نے ایک بیوی دیکھا تو ادھر آگئے حضرت سفیران چونکہ ہم جاہ  
سے پہلے حضرت عائشہؓ کو دیکھ چکے تھے اس لیے پہچان کر انھوں نے اناللہ وانا  
الیہ راجعون، پڑھا۔ یہ آواز سن کر حضرت عائشہؓ کی آنکھ کھل گئی اور انھوں نے چادر  
بہ ڈال لی۔ سفیران نے اونٹ کو بٹھایا اور منہ ایک طرف کر کے کہا کہ آپ سوار ہوئیے۔

درپہر کو لشکر نے پھر بڑا ڈکھا اور تختوڑی دیر میں کر ٹکتی دسویں میں سفوان نے حضرت عائشہؓ کو کیمپ میں پہنچایا۔

بس اس پر منافقین نے اس سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ ام المؤمنین سیدہ عائشہؓ کس ہستی کی ریتھ اور کس بزرگ کی صاحبزادی ہیں۔ ان کا گھرانہ کیسا ہے، وہ کس دین پر کاربند اور کس جماعت سے تعلق رکھتی ہیں اور ان کو لانے والا سفوانؓ خدا کے رسولؐ اور ان کے حرم کے متعلق کیا عقیدت رکھتا ہے، چہ میگوئیوں کا طوفان اٹھا دیا۔ یہ گندے لوگ کہنے لگے کہ ”کیسے ممکن ہے کہ پہنچ کر آئی ہوں“ اور یہ کہ ”ذرا دیکھیے تو سہی کہ بنے ہوئے ہیں داعیِ حق اور ساری انسانیت کی اصلاح کا ٹھیکہ لے رکھا ہے۔ اور اپنا یہ حال ہے“

سیدہ عائشہؓ کو جن کی طرف قرآن نے ”پاک دامن، محبوبی بھالی اور مومن خواتین“ کے الفاظ سے اشارہ کیا ہے، ایسی کسی بات کی خبر نہ تھی کہ کیا ہو رہا ہے۔ ان کا اپنا بیان ہے کہ ”مدینے پہنچ کر میں بیمار ہو گئی اور ایک مہینے تک صاحبِ فرشتہ رہی۔ مجھے اور کسی بات کا علم نہ تھا، صرف یہ دیکھتی تھی کہ رسول اللہؐ کی دیسی توجہ میری طرف نہ تھی جیسی بیماری کے زمانے میں ہوا کرتی تھی۔ بس جب تشریف لاتے تو سرسری طور سے پوچھتے ”کیف تیکر؟“ (کیسی ہیں یہ؟) اس زمانے میں گھروں میں بیت الخلاء تھے، ہم لوگ شہر سے باہر جنگل جایا کرتے تھے۔ میرے والد کی خالہ زاد بہن میرے ساتھ تھیں۔ راستے میں ان کو ٹھوکر لگن تو انھوں نے بیٹھے کا نام لے کر کہا کہ ”برا ہو مسلح کا! میں نے کہا، تم ماں ہو کر بیٹے کو کوستی ہو۔ پھر انھوں نے سارا قصہ سنایا کہ مسلح بن اثاثہ اور دوسرے لوگ میرے بارے میں کیا گندگی پھیلا رہے ہیں۔ میں نے کہا کہ میرا خون خشک ہو گیا اور وہ حاجت ہی بھول گئی جس کے لیے نکلی تھی۔ سیدھی گھر واپس آ گئی اور رات بھر رو کر کاٹی۔ ردنے کا یہ عالم رہا کہ اندیشہ ہوا کہ میرا بیٹھہ پھٹ جائے گا“

خیر یہ قصہ بہت بڑا قصہ ہے۔ اس کا اختتام اس پر ہوا کہ حضرت عائشہؓ کی پاک دامنی کی شہادت عرش سے آئی اور سورہ نور کی شاعروں نے نلمتوں کو پارہ پارہ کر دیا۔ حضرت مریمؑ کے بعد یہ دوسری خاتون ہیں جن کی عصمت و نعت کی تصدیق خود اللہ تعالیٰ نے کی

حضرت عائشہؓ کا تذکرہ کتاب میں شامل ہو گیا۔ حضرت عائشہؓ کی براءت کی وحی آنے پر ان کی والدہ نے جب کہا کہ اٹھو اور رسول اللہ کا شکر یہ ادا کر دو، تو حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کہ میں نہ ان کا شکر یہ ادا کروں گی، نہ آپ دونوں کا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا شکر کرتی ہوں جس نے میری براءت نازل فرمائی۔ آپ لوگوں نے تو بہتان کا انکار تک نہ کیا۔

پھر زنا اور اس کی تہمت اور معاشرتی زندگی کے متعلق دوسرے اہم قوانین نازل اور نافذ ہوئے۔ اور بلا شہرت بہتان لگا کر پردہ پگینڈا کرنے والے چند حضرات کی پیٹھوں پر قانون کے تازیانے برس گئے۔

## غزوة خندق یا جنگِ احزاب

ان حالات سے گزر کر، ہم پھر قریش کے پروگرام کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ قریش اور مدینے کی مسلم قوت میں ایک بڑا فرق تھا۔ اُدھر نظامِ باہلیت کی روح جاہل اور مضحل تھی اور اس سوسائٹی کا کوئی نہ کوئی جز ہر آن کٹ کر مدینے کی جھولی میں گر رہا تھا۔ مدینے کی مسلم طاقت مثبت، اصولی، نظریاتی، دعوتی اور عوامی طاقت تھی، لہذا وہ متحرک تھی، فعال تھی، سرگرم تھی اور برابر نشوونما پا رہی تھی۔ پس وقت کا گزرا مدینے کے لیے مفید اور نئے کپڑے نقصان دہ تھا۔ اب انھیں مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے پہلے سے بڑی قوت کی ضرورت تھی۔ قریش، یہود، احابیش، بنو غطفان مل کر جلد سے جلد اس قوت کو تیار کرنا چاہتے تھے؛ چنانچہ سب نے مل جل کر ایک منصوبہ بنایا۔

آخر قریباً دس ہزار سپاہ پر مشتمل لشکرِ مدینے پر حملے کے لیے تیار ہو گیا۔ حضور کو اطلاع مل چکی تھی۔ مشاورت منعقد ہوئی۔ فیصلہ ہوا کہ مدینے میں رہ کر ہی مدافعت کی جائے۔ حضرت سلمان فارسی کا یہ مشورہ قبول کیا گیا کہ مدینے کے شمالی کھلے حصے کی طرف خندق کھودی جائے۔ تین ہزار مسلم سپاہیں خندق کھودنے میں مصروف ہو گئے۔ دس دس آدمیوں کی ٹولیاں بنائی

گئیں اور ہر ٹولی کو تقریباً ۲ گز لمبا ٹکڑا سونپا گیا۔ طول  $\frac{1}{4}$  ۳ میل تھا۔ اندازاً چوڑائی اور گہرائی اگر ۵، ۵ گز سمجھی جائے تو تقریباً ۱۳ لاکھ چھپاسی ہزار مکعب فٹ مٹی کو کھودنا اور <sup>منتقل</sup> کرنا تھا۔ فی کس ۶۲ مکعب فٹ سے کچھ زیادہ مٹی آتی تھی۔ ٹوکریاں کم تھیں لہذا ابو بکرؓ وغیرہ جیسی ہستیاں چادروں اور دامنوں میں بھر بھر کر مٹی اٹھاتی تھیں۔

ادھر خندق کی تکمیل ہوئی اور ادھر شوال ۵ھ میں اسلامی ریاست کے متحدہ دشمنوں کی ٹڈی دل افواج مدینے آپہنچیں۔ مگر خندق کا معاملہ ان کے لیے نیا تھا۔ کچھ لوگوں نے گھوٹے دوڑا کر اسے پار کرنا چاہا، مگر اندر گر کر ختم ہو گئے۔ صرف ایک بار ایسا ہوا کہ ایک مناسب مقام تلاش کر کے قریش کا نامی شہسوار عمرو بن عبدود کچھ اور سواروں کے ساتھ خندق کے اس پار آگیا۔ آتے ہی اس نے لٹکارا، حضرت علیؓ جیسا پیکر شجاعت مقابلے میں آیا۔ حریف کا کام تمام کر دیا۔ اس طرح کی کچھ ٹولیوں سے جا بجا اُس دن جنگ ہوتی رہی۔ دشمن نے مسلمانوں کو اتنا مصروف رکھا کہ چار نمازیں قضا ہو گئیں۔ لیکن ایسی جھڑپوں سے جنگ کا نیشنلہ تو نہیں ہو سکتا۔

آخر قریش نے ایک شاطرانہ چال سوچی اور بنو قریظہ کو اس پر آمادہ کرنا چاہا کہ وہ مسلمانوں پر پھچھے سے حملہ کر دیں اور لیت و لعل کے بعد بنو قریظہ نے ہاں کر دی۔ بنو قریظہ کے پاس  $\frac{1}{4}$  ہزار مردان جنگی تھے۔

پیغمبرؐ برحق نے اس پچیدگی کے پیش نظر اس و خزرج کے سرداروں سے بات کی کہ اگر آپ پسند کریں تو بنو غطفان سے مدینے کی ایک تہائی پیداوار پر سمجھوتہ کر لیا جائے۔ سرداران انصاری نے کہا کہ جب ہم کفر کی حالت میں تھے تو یہ قبائل ہمارا مال نہ لے سکے، آج مسلمان ہو کر ہم ان کو کیسے اپنی دولت سونپ سکتے ہیں۔

اس موقع پر نعیم بن مسعود نے حضورؐ کے سامنے اپنے اسلام کا اعلان کیا اور پھر اجازت طلب کی کہ میں قریش اور بنو قریظہ میں پھوٹ ڈلوں اسکا ہوں، کیونکہ ابھی تک ان کو میرے اسلام لانے کا علم نہیں۔ حضورؐ نے اجازت دی۔ نعیمؓ کامیاب ہو گئے، اور دو دشمن طاقتوں میں پھوٹ پڑ گئی۔

دشمن ایک پہننے سے مدینے کا محاصرہ کیے پڑا تھا۔ سپاہیوں کا محاذ پر جا کر خالی بیٹھنا مشکل ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ رسد کا مسئلہ مشکل تر ہو رہا تھا۔ ان کی رسد کی ایک کھیپ راستے میں ایک مسلم فوجی دستے نے قبضے میں کر لی۔ پھر موسم ناسازگار ہو گیا۔ سردی ناقابل برداشت ہو گئی اور ایک رات بہت سخت آندھی چلی۔ حملہ آوروں کے خیمے اکھڑ گئے۔ ہانڈیاں اُلٹ گئیں، جانور بھاگنے لگے۔ جو اس باختگی چھا گئی اور فوجوں کے دل بادل آنا فنا چھٹ گئے۔ سب کوچ کر گئے، صبح کو میدان میں ہو کا عالم طاری تھا۔

اس موقع پر مدینہ میں مسلمانوں کے پاس سامانِ خوراک کی کمی تھی۔ چنانچہ لوگ پیٹ پر پتھر باندھ کر کام کرتے تھے اور حضورؐ نے درپتھر باندھے۔ مسلم جماعت اور اسلامی ریاست کا سربراہ عام مسلمانوں کے ساتھ ہر تکلیف میں شریک تھا۔

اس موقع کا خاص واقعہ یہ ہے کہ خندق کی کھدائی میں حضورؐ نے بھی شرکت کی۔ خاص طور سے جب کوئی مشکل مرحلہ آتا تو حضورؐ کو بلا یا جاتا۔ حضرت سلمان کا بیان ہے کہ ایک چٹان ایسی آگئی جو مجھ سے ٹوٹتی نہ تھی۔ رسولِ خدا قریب ہی تھے۔ انھوں نے مجھ سے کہا کہ اسے توڑا۔ پہلی ضرب لگائی تو فرمایا کہ میں میرے لیے نفع ہوا، دوسری ضرب پر فرمایا کہ شام اور المغرب میرے سامنے سرنگوں ہو گئے۔ تیسری بار فرمایا کہ شام مشرق (یعنی ایران) مفتوح ہوا۔ ہر ضرب پر چٹان کے ٹکڑے اُڑتے گئے۔

دیکھا آپ نے کتنے سنگین حالات میں حضورؐ کو ایسے روشن مستقبل کا یقین تھا اور خدا تعالیٰ نے کیا کیا باتیں آپ کو دے رکھی تھیں۔

اس غزوہ احزاب یا غزوہ خندق کے خاتمے پر دنیا کے سب سے بڑے بصیرت مند نے فرمایا کہ اب قریش مدینے آکر کبھی نہیں لڑیں گے، اب وقت آ رہا ہے کہ ہم ان پر چڑھائی کریں گے اور پیغمبر صادق و مصدق کی یہ بات سچی نکلی۔



## چند متفرق فوجی کارروائیاں

غزوہ خندق کے دوران میں یہود بنو قریظہ نے معاہدہ مدینہ کو پامال کر کے قریش کے ساتھ جو سانحہ گانٹھ کی تھی، وہ اگر عمل میں آجاتی تو گویا محسن انسانیت کی اسلامی جماعت، تحریکِ رحمت و عدل اور دینے کی خدا پرست ریاست کا خاتمہ ہی ہو جاتا۔ ایسے خوفناک غارِ میو کیسے نظر انداز کیا جاسکتا تھا۔

رسولِ بڑی حقیقت اور آپ کے بجا بدین سرنردش سخت تھکے تھکائے گھروں میں واپس آئے۔ حضورؐ نے ہتھیار رکھ لے اور غسل فرمایا۔ اسی دوران میں اٹارٹا غیبی ہوا، اور آپ نے حکم جاری کر کے خدائی فوج کے رنسا کاروں کو رزبارہ جمع کیا۔ بہت سے لوگوں نے اپنے ہتھیار رکھ لے بھی نہ تھے۔ اب وہ رسولِ خدا کی کمان میں بنو قریظہ کی طرف مارچ کر رہے تھے بنو قریظہ جلدی سے تلعہ بند ہو گئے۔ مسلم سپاہ نے محاصرہ کر لیا جو ۲۵ دن جاری رہا۔ آخر زچ ہو کر بنو قریظہ نے اپنے آپ کو اسلامی قوت کے حوالے کر دیا۔ حضورؐ نے ان سے گنت دشمنی کی، اور ان کی پسند کے مطابق حضرت سعد بن معاذ کو حکم ٹھہرایا، اور دونوں طرف سے فیصلہ ان پر چھوڑ دیا گیا۔ حضرت سعد بن معاذ نے تو رات کے قانون کے مطابق فیصلہ سنایا جس

کی سخت ترین شقی یہ تھی کہ تمام قابل جنگ نوجوان قوت کو قتل کر دیا جائے۔ اس طرح غلامی کا ایک محاذ ختم ہو گیا!

اب چند متفرق عسکری کارروائیوں کا اجمالاً ذکر کیا جاتا ہے۔

محمد بن مسلمہ انصاری ۳ سواروں کے ساتھ گشت کو نکلے تو نجد کے سردار ثمامہ بن اثال سے بڑھ پڑ ہوئی۔ وہ مدینے کے اس بااثر مخالف کو گرفتار کر لائے حضورؐ کے سامنے اسے پیش کیا گیا۔ ثمامہ کی بڑائی دیکھتے کہ اس نے حضورؐ سے صاف صاف عرض کیا کہ ”یا محمد! اگر مجھے قتل کر دو تو ایک واجب القتل آدمی کو قتل کر دو گے۔ اگر چھوڑ دو گے تو ایک احسان شناس کو چھوڑ دو گے۔ اور اگر مال چاہتے ہو تو مقدار بتاؤ، دیا جائے گا۔“ حضورؐ نے عزت مندانہ طریق سے اسے رہا کر دیا۔ ثمامہ نے حضورؐ کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کی اور کہا کہ ”آج سے پہلے حضورؐ کے چہرے سے بڑھ کر کوئی اور چہرہ مبغوض نہ تھا، اور آج اس سے زیادہ محبوب چہرہ کوئی نہیں۔“ مدینے سے جاتے ہی ثمامہ نے مکے میں جا کر قریش کو سنا دیا کہ اب تم کو نجد سے غلے کا ایک دانہ بھی نہ مل سکے گا۔

اہل رجب جو تعلیمی وفد کے ارکان کے قاتل تھے، ان کی سزا دہی کے لیے حضورؐ نے دوسو سواروں کے ساتھ اقدام فرمایا۔ وہ لوگ بھاگ گئے۔

مدینے سے ایک میل کی دوری پر ذمی فرد نامی چشمہ ہے، اس کے آس پاس سرکاری اونٹوں اور مویشیوں کی چراگاہ تھی۔ عسفان کا ایک شخص جانوروں کا گلہ بان تھا۔ رباح نامی غلام کو خبر گیری کے لیے بھیجا گیا۔ سلمہ ابن الاکوع فوجی محافظ تھے۔ یہ ڈیوٹی پر جا رہے تھے۔ کہ صبح صبح عیینہ بن حصین فزازی نے اونٹوں پر ڈاکہ ڈالا اور ان کو ہانک لے گیا۔ گلہ بان کو قتل کیا اور اس کی عورت کو بھی ساتھ لے لیا۔ سلمہ نے موقع پر جا کر غارت گری کا سماں دیکھا تو مدینے کی طرف رخ کر کے ”یا صبا جا“ کی پکار بلند کی اور رباح کو لگ لینے کے لیے دوڑایا۔ خود تن تنہا ڈاکوؤں کے تعاقب میں دوڑے۔ تیر اندازی کے ماہر تھے۔ ٹولی کے پیچھے سے تاک کر تیر پھینکتے اور بہ تیر ایک نہ ایک مجرم کو نشانہ بنا تا۔ راستہ پہاڑی تھا۔ ڈاکو متوجہ ہوتے تو یہ ٹیلوں اور درختوں میں چھپ جاتے اور موقع پا کر تیر پھینکتے۔ گوریلا جنگ

کی یہ ایک اعلیٰ مثال تھی۔ ڈاکوؤں نے پہلے تو اونٹ چھوڑے، پھر بوجھ گھٹانے کے لیے چادریں اور نیزے پھینکتے گئے۔ پیچھے سے لگائی اور حضور خود بھی تشریف لے آئے۔ کچھ جھڑپ دو بدو ہوئی، حضرت سلمہؓ نے عرض کیا کہ آپ ایک سو سپاہی میرے ساتھ روانہ کر دیں تو میں سب کا خاتمہ کر آؤں۔ حضور نے فرمایا: ”جب خدا نے تمہیں غلبہ دے ہی دیا ہے تو اب نرمی سے کام لو۔“

کیا شان تھی اسلامی تحریک کے جانبازوں کی جیسے رگ رگ میں بجلیاں بھری ہوئی ہوں! کچھ چھوٹی چھوٹی مزید فوجی پارٹیاں اس پاس کے علاقوں میں جاتی رہیں۔ مثلاً بنی اسد کی طرف، بنی ثعلبہ کی طرف، بطنِ نخلہ کے قریب جموح کی طرف، دوئمہ الجندل کی طرف، قبیلہ سعد بن بکر کی طرف۔

عُکَل اور عُرَیْنہ نامی قبائل کے کچھ افراد مدینے آ کر مسلمان ہوئے، یہ لوگ بیمار تھے۔ علاج کے لیے مدینے کے باہر ٹھہرائے گئے، جب اچھے ہو گئے تو سرکاری چرواہے کو پکڑ کر اس کی آنکھوں میں سلانی پھیری، اس کے اعضا کاٹ کاٹ کر اسے بے رحمی سے قتل کیا، اور میرٹھی ساتھ لے کر بھاگ گئے۔ گرز بن خالد فہری کی سرکردگی میں ۲۰ سواروں کا دستہ ان کی گرفتاری کے لیے بھیجا گیا۔ گرفتار ہوئے اور ان کو ٹھیک عدل کرتے ہوئے وہیں سزا دی گئی جو کچھ اُنھوں نے چرواہے کے ساتھ کیا تھا، یہ کارروائی تو ہو گئی مگر اُنہما کے لیے حضور نے حکم دے دیا کہ قصاص میں بھی کسی کے چہرے اور اعضا اور جسم کو بگاڑا نہ جائے۔ وہ عدل تھا اور یہ رحمت تھی۔

## صلح حدیبیہ

اب ہم ہجرت کے چھٹے سال کے اواخر میں بہت بڑے واقعے سے دوچار ہوتے ہیں جس نے حضورؐ کی تحریکِ اسلامی کی تاریخ پر بہت دور رس اثرات ڈالے۔ یہ واقعہ ہے صلح حدیبیہ! خدا پرستانہ تہذیب کے معمار حضورؐ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خواب میں دیکھا کہ آپؐ مع کچھ اصحاب کے مکے میں امن و امان سے داخل ہوئے اور عمرہ کیا۔ اس خواب کا ذکر آپؐ نے اپنے رفیقوں سے کیا۔ صحابہؓ یہ خواب سنتے ہی بیت اللہ کی زیارت کے لیے بے چین ہو گئے۔

آخر ایک روز رسولِ برحقؐ نے ۱۴ سو صحابہؓ کو ساتھ لے کر عمرہ کی نیت سے مکے کی راہ پر قدم رکھا۔ یہ ذی قعدہ ۶ ہجری کا واقعہ ہے۔ قربانی کے اونٹ ساتھ لیے۔ ذوالحلیفہ پہنچ کر عرفہ نامہ کے مطابق ان کے گواہوں کو خفیف زخمی کر کے خون آلود کیا گیا اور ان کے گلے میں تلوڑے ڈالے گئے تاکہ انہیں پہچانا جاسکے کہ قربانی کے اونٹ ہیں۔ عرب میں قربانی کے جانوروں کے ساتھ کوئی تعرض نہیں کیا جاتا تھا۔ سارے مسافرانِ راہِ حقؐ نے احرام باندھا اور صرف حفاظتی ہتھیار لیے گئے، جنگی نہیں۔

حضرت نے بنی خزاعہ کے ایک شخص بشر بن سفیان کو آگے روانہ کیا کہ وہ قریش کو حضور کے ارادہ عمرہ سے آگاہ کریں۔ بشر بن سفیان نے واپس آ کر عسفان میں حضور کو اطلاع دی کہ قریش نے اطلاع ملتے ہی اپنا لشکر جمع کر لیا ہے اور عہد کر لیا ہے کہ وہ آپ کو مکے میں داخل نہ ہونے دیں گے۔ نیز خالد بن ولید دو سو سو اربوں کو لے کر یہ مقام کو اداء الغیمہ میں پہنچ گیا ہے۔ حضرت نے ان معلومات کی روشنی میں اپنا راستہ تبدیل کر لیا۔ دوسری طرف سے تینتہ المزار میں پہنچے پاس بن حارثہ نامی کنواں تھا اور اسی نام کا گاؤں حضرت نے یہاں پڑاؤ کیا۔ کنوئیں میں پانی کم تھا۔ بطور معجزہ اللہ تعالیٰ نے اس میں یکایک حسبِ ضرورت اضافہ کر دیا۔ حضرت نے خزاعہ بن امیہ خزاعی کو اپنی مکہ سے بات کرنے کے لیے بھیجا۔ مکے والوں نے ان کے اونٹ کو ذبح کر دیا اور خود وہ خزاعہ کو بھی قتل کرنا چاہتے تھے، مگر پیچ پھاڑ بوجھا۔ پھر حضرت عثمان کو بھیجا گیا۔ انھیں واپس آنے میں دیر لگی۔ انواء اڑی کہ حضرت عثمان کو شہید کر دیا گیا۔ حضور کو سخت رنج ہوا۔ اور فرمایا کہ میں یہاں سے ہوں گا نہیں جب تک عثمان کے خون کا بدلہ نہ لے لوں۔ آپ نے ایک درخت کے نیچے سہاڑے سے جانفشانی کی وہ بیعت لی جو بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے۔ سورہ فتح کی آیات کے مطابق اس بیعت کے شریک کو اللہ کی رضا حاصل ہوگی۔ قریش کو اس بیعت کی اطلاع ملی تو مرعوب ہوئے۔ آخر حضرت عثمان واپس آگئے اور خوشی کی لہر دڑ گئی۔

قبیلہ خزاعہ کے بدیل بن ورقانہ نے خیر خواہانہ طریق سے رسولِ برحق کو قریش کے جذبات اور فوجی تیاریوں کا حال بتایا۔ جواب میں حضور نے فرمایا کہ ہم رطے نے نہیں آئے ہمارا ارادہ صرف تمہارے لئے ہے۔

پھر سزا یہ کہ قریش کو بڑائیوں نے بہت کمزور کر دیا ہے، کیوں نہ وہ ایک مدت پہلے ہم سے صلح کر لیں۔ اس مدت میں ایک دوسرے سے تعرض نہ کیا جائے۔ قریش میرے اور بقیہ عرب کے معاملے کو چھوڑ دیں۔ بدیل نے قریش سے باکر گشتگو کی۔ بس دوسرے اکابر کی نگرانی میں عمرو بن مسعود ثقفی نے کہا کہ محمد کی یہ بات پسندیدہ ہیں۔ میں خود جا کر لانا ہوں۔

اب عروہ بن مسعود حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضورؐ نے اس سے بھی وہی باتیں کہیں۔ وہ متاثر ہوا۔ ساتھ ہی اُس نے صحابہؓ کی طرف سے حضورؐ کی تعظیم کا وہ منظر دیکھا کہ حیرت زدگی کے ساتھ قریش کے سامنے بیان کیا۔ وہ کہتا ہے:

”اے معشرِ قریش! میں قینبر و کعبہؓ اور نجاشی کے پاس بھی گیا ہوں۔۔۔۔۔  
مگر بخدا کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا کہ اس کے اصحاب ایسی تعظیم کرتے ہوں  
جیسی محمدؐ کی تعظیم اصحابِ محمدؐ کرتے ہیں۔“

پھر کہا: اے قریش! محمدؐ نے کوئی ایسی بے جا بات تم سے نہیں کی۔ وہ جو کچھ کہتے ہیں  
مان لو۔“

پھر بنی کنانہ کا ایک شخص جلیس گیا۔ اسے دور سے دیکھ کر حضورؐ نے فرمایا: ”قربانی کے  
جانوروں کو کھڑا کر دو۔ یہ شخص قربانی کے جانوروں کی تعظیم کرتا ہے۔“ جلیس نے قربانی کے  
اونٹوں کی قطار کھڑی دیکھی تو وہیں سے واپس آ کر کہا کہ رب کعبہ کی قسم! یہ لوگ تو قتل  
عمرہ کرنے آئے ہیں، انہیں بیت اللہ سے نہیں روکا جاسکتا۔“ قریش نے اسے گنوار اور جنگلی  
کہہ کر اسکی بات کو مانا۔ اچانک اسے بھی جوش آ گیا۔ اس نے کہا: اگر تم نے محمدؐ کو بیت اللہ کی  
زیرت سے روکا تو میں تمام انہایش کو لے کر تم سے علیحدہ ہو جاؤں گا۔“

آخر میں سہیل بن عمروؓ آئے اور حضورؐ کی دیر کی بات چیت کے بعد معاہدہ کی شرائط  
پائیں۔ اب حضرت علیؓ معاہدہ کی دستاویز لکھنے بیٹھے۔

حضورؐ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھوایا تو سہیل نے کہا کہ تم رحمن درجیم کو نہیں بناتے، لہذا  
جو راجح طریقہ ہے اس کے مطابق لکھو۔ حضرت علیؓ نے ”باسم اللہ اللہم“ لکھا۔

دوسری شق میں فریقین معاہدہ کے نام لکھے گئے تو حضورؐ کے لیے حضرت علیؓ نے لکھا:  
”محمد رسول اللہ“ سہیل نے کہا کہ اگر ہم محمدؐ کو خدا کا رسول مانتے تو پھر جھگڑا ہی کیا تھا۔ یوں  
نہ لکھا جائے۔ اب ”محمد بن عبد اللہ“ لکھنے کا فیصلہ ہوا۔ حضرت علیؓ کو ادب مانع ہوا کہ وہ  
ان الفاظ کو کاٹیں۔ سورہ سورہ نے خود تباہی کر دی۔

شرائط جو طے ہوئیں ان میں سے اہم یہ ہیں:

(۱) دس سال تک فریقین باہم جنگ نہیں کریں گے۔  
 (۲) محمدؐ کے ساتھیوں میں سے جو حج یا عمرے یا تجارت کے لیے مکے آئے، اس کو جان و مال کی امان ہوگی اور قریش کا جو شخص تجارت کے لیے مصر یا شام جاتے ہوئے مدینے سے گزرے اسے بھی جان و مال کی امان ہوگی۔

(۳) قریش کا جو شخص اپنے ولی کی اجازت کے بغیر محمدؐ کے پاس پہنچے گا تو آپ اسے واپس کر دیں گے اور محمدؐ کے ساتھیوں میں سے جو شخص قریش کے پاس آئے گا، وہ واپس نہیں کریں گے۔  
 (۴) معاہدہ ذمہ داریوں میں کوئی چاہے تو محمدؐ کے ساتھ ہو، اور چاہے تو قریش کے ساتھ۔  
 (۵) اس سان محمدؐ بغیر عمرہ کیے واپس چلے جائیں گے البتہ آئندہ سال وہ تین دن رات کے لیے مکے میں آسکیں گے اور اس کے بعد شہر سے باہر چلے جائیں گے۔

ابھی یہ معاہدہ مکمل نہیں ہوا تھا کہ سہیل کے بیٹے ابو جندلؓ تیرے نکل کر پابہ زنجیر حاضر ہوئے مسلمان ہو چکے تھے اور قریش کی ایذا رسانیوں کا شکار تھے۔ سہیل نے انہیں دیکھتے ہی کہا کہ یہ پہلا شخص ہے جو معاہدے کے مطابق واپس ہونا چاہیے حضورؐ نے فرمایا کہ ابھی تو تحریر مکمل نہیں ہوئی۔ سہیل نے کہا کہ اس صورت میں کسی بات پر قطعاً صلح نہیں ہو سکتی۔ آخر بادل نخواستہ حضورؐ نے اس نوجوان کو واپس کر دیا اور ابو جندلؓ کو تسلی دی کہ اللہ تعالیٰ تمہاری نجات کی کوئی صورت نکالے گا۔

ابو جندلؓ کی واپسی کا مسلمانوں پر سخت جذباتی اثر پڑا۔ حضرت عمرؓ نے حضورؐ سے مکالمہ کرتے ہوئے کہا کہ کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ اگر ہیں تو کفار کے سامنے ایسی ذلت کیوں گوارا کریں؟ حضورؐ نے ٹھنڈے طریق سے جواب دیا کہ ”ہیں اللہ کا رسول برحق ہوں، اس کے حکم کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا“

تکمیل صلح کے بعد حضورؐ پاک نے صحابہ کو قربانی کرنے اور سر منڈانے کا حکم دیا۔ مگر صحابہ صلح کے ظاہری واقعات سے اس طرح شک و ظن رکھتے تھے کہ کوئی بھی نہ ہلا جلا۔ اس موقع پر حضرت ام سلمہؓ نے مشورہ دیا کہ یا رسول اللہؐ ایہ صلح مسلمانوں پر بہت شاق گزری ہے، آپ ان سے کچھ نہ کہیں، خود قربانی کر کے اپنے بال اتروائیں۔ صحابہ خود بخود اتباع کریں گے اور بالکل ایسا ہی ہوا۔

دو ہفتے قیام کرنے کے بعد مدینہ سے رسول پاک اور دین حق کے ۱۴ سو علمبردار  
 واپس روانہ ہوئے۔ راستے میں سورہ فتح کا نزول ہوا۔ حضور نے صحابہ کو جمع کر کے ارشاد  
 الہی سنایا کہ یہ فتح مبین ہے تو تعجب سے کسی حسرت نے پوچھا ”یا رسول اللہ! کیا یہ فتح ہے؟“  
 آپ نے جواب دیا ”قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضے میں میری جان ہے،  
 بے شک یہ عظیم الشان فتح ہے“ بعد کے واقعات نے بتا دیا کہ اشاعت اسلام کے لحاظ سے،  
 قریش سے امن میں رہ کر دوسرے دشمنوں کی سرکوبی کے لحاظ سے، اور فتح مکہ کا محرک مہیا  
 کرنے کے لحاظ سے واقعی یہ فتح مبین تھی۔

بعد میں حسرت عمرؓ کو ساری عمر حضور سے جذباتی انداز میں گفتگو کرنے پر شرمساری  
 رہی اور رزت رکھ رکھ کر اس کا کنارہ ادا کرنے میں لگے رہے۔



## بین الاقوامی دعوت کا آغاز

یکم محرم ۱۰ھ ہجری، چہار شنبہ کا دن ہے حضورِ قائدِ انسانیت کے تمام صحابہ مسجد میں جمع ہیں۔ آپِ خصوصی خطاب فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے :-  
 ”اے لوگو! مجھ کو خدا نے تمام دنیا کے لیے پیغمبرِ رحمت بنا کر بھیجا ہے۔  
 دیکھو، عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کی طرح اختلاف نہ کرنا۔ جاؤ اور  
 میری طرف سے حق کی دعوت کو پھیلانے کا فریضہ ادا کرو۔“

یہ خطبہ دراصل تمہید تھا، مدینے میں بین الاقوامی دعوت کی نئی مہم کا۔ دینِ برحق کی انقلابی تحریکِ فلاح کو اب تک مقامی کشاکش نے عالمِ انسانی کے وسیع دائرے میں کام کرنے کا موقع ہی نہ دیا تھا اور یہ صورت ہر دعوت، جماعت اور تحریک کو پیش آتی ہے۔  
 ادلاً وہ مقامی، ملکی اور قومی سطح پر کام کرتی ہے۔ اس مرحلے سے اگر وہ کامیاب نکلے  
 تو کام کو آگے بڑھایا جاتا ہے۔

صلح حدیبیہ نے قریش کے حملوں سے حبیبِ رسولِ عدل و رحمت کو فارغ کر دیا تو آپؐ نے فوراً اپنے جہانی پیغام کو ملک سے باہر پہنچانے کی مہم شروع کر دی۔ اس کام کی ابتدا

منا تیب سے ہوئی جو مختلف بادشاہوں اور سرداروں کو لکھے گئے۔  
 حضور پاک نے صحابہ کے مشورے سے خطوط پر لگانے کے لیے ایک مہربانہ کرائی  
 جس کے نگیٹے پر ”محمد رسول اللہ“ کے الفاظ کندہ تھے۔

خدا پرستانہ بنیادوں پر قائم ہونے والی انقلابی ریاست کے سربراہ اور داعی حق  
 ہونے کی حیثیت سے حضور نے قیصر روم، شہنشاہ عجم، عزیزِ مصر اور روسائے عرب کے نام  
 خطوط روانہ فرمائے جنہیں آپ کے مامور کردہ صحابی لے کر روانہ ہوئے۔

ہرقل قیصر روم کو جو خط بھیجا گیا اس کا اہم حصہ یہ تھا۔  
 ”اللہ کے نام سے جو رحمن اور رحیم ہے، یہ خط محمد کی طرف سے جو خدا کا بندہ  
 اور رسول ہے، ہرقل کے نام ہے جو روم کا رئیس اعظم ہے، سلامتی ہو اس  
 کے لیے جو ہدایت کی راہ اختیار کرے۔ اس تمہید کے بعد میں تم کو اسلام کی  
 طرف بلاتا ہوں۔ اسلام قبول کر لو تو تم سلامت رہو گے۔ اور خدا تمہیں  
 دگنا اجر دے گا اور اگر تم نے یہ دعوت نہ مانی تو تمام اہل ملک کا گناہ تمہارے  
 سر ہوگا۔۔۔“

یہ خط جب بیت المقدس میں قیصر روم کو ملا تو اُس نے حکم دیا کہ عرب کا کوئی آدمی  
 ادھر آیا ہوا ہو تو اسے پیش کیا جائے۔ اتفاق سے ابوسفیان تجارت کے لیے ادھر گیا ہوا  
 تھا۔ اسے اس کے ساتھیوں سمیت دربار میں پیش کیا گیا اور قیصر نے اس سے چند سوالات  
 کیے۔ ابوسفیان کو ساتھیوں کے روبرو ہونے کی وجہ سے جھوٹ بولنے کی ہمت نہ ہوئی۔  
 اس نے بحیثیت ایک مخالف رسول کے جو جواب دیے، ان سے ہرقل بہت مطمئن ہوا۔  
 اور بہت اچھے تاثرات ظاہر کیے۔ آخر میں یہ کہا کہ جو شخص آدمیوں سے جھوٹ نہیں بولتا  
 وہ خدا پر بھی جھوٹ نہیں باندھ سکتا۔ اور یہ پیغمبر ہی کی شان ہے کہ وہ نماز، تقویٰ اور عرفان  
 کی ہدایت کرتا ہے۔ پھر کہا کہ ہاں وہ ضرور ”نبی“ ہے، ہمیں پہلے سے انتظار تھا کہ ایک  
 نبی کا ظہور ہونے والا ہے، مگر یہ معلوم نہ تھا کہ وہ تم لوگوں میں سے اُٹھے گا۔ کاش میں  
 ان کی زیارت کر سکتا۔ پاس ہوتا تو ان کا پیرو ہوتا۔ ایک دن ان کی حکومت اس مقام تک

پہنچے گی جہاں اس وقت میرا قدم ہے۔ سیرت نگاروں کی روایات کے بموجب اُس نے حضور کو لکھا کہ ”میں تو مسلمان ہوں“ اس فقرے پر حضور نے فرمایا کہ ”جھوٹا کتاب ہے وہ تو اپنی نصرانیت پر ہے“

ایران کے شہنشاہ خسرو پر ویزہ کو جب حضور کی طرف سے دعوتِ اسلامی کا خط پہنچا تو غصے میں آکر اُس نے خط کو پارہ پارہ کر دیا اور کہا کہ ”میرا غلام ہو کر مجھ کو یوں لکھتا ہے“ حکمتِ خداوندی کو دیکھیے کہ قلیل مدت میں خود سلطنتِ عجم کے پرنس اڑ گئے۔ روایت یہ بھی ہے کہ خسرو نے یمن کے گورنر باذان کو لکھا کہ اس مدعی نبوت کو گرفتار کر کے میرے دربار میں بھیج دو۔ باذان نے دو افراد کی یہ ڈیوٹی لگائی۔ وہ بارگاہِ رسالت میں آکر کہنے لگے کہ اس حکم کی تعمیل نہ ہوئی تو خسرو آپ کے ملک کو برباد کر دیگا۔ حضور نے فرمایا: واپس جا کر کہہ دو کہ اسلام کی حکومت کسری کے پایہ تخت تک پہنچے گی۔ دوسری روایت کی رُو سے رسوا خدا نے ان سے کہا کہ واپس دہاں جا کر دیکھو کہ خسرو اپنے بیٹے کے ہاتھوں قتل ہو چکا ہے۔ یہ باتیں جب حاکم یمن باذان کو معلوم ہوئیں اور حضور کی تعلیم و دعوت اور عادات و اخلاق کا نقشہ سامنے آیا تو وہ خود بھی مسلمان ہو گیا، اور اس کے درباری اور ملک کے اکثر عوام بھی مسلمان ہو گئے۔

یہ اسلام کی بین الاقوامی دعوت کی پہلی بڑی کامیابی تھی! مقوقس بادشاہ مصر نے نامہ مبارک کو پڑھ کر بہت اچھے تاثرات کا اظہار کیا اور خط کو احترام کے ساتھ ہاتھی دانت کی ایک ڈبیہ میں محفوظ کیا۔ جو اب بہت موڈبانہ انداز سے خط لکھا، در معزہ کیتیزس، سواری کا ایک خچر اور کچھ پارچات ہدیہ میں روانہ کیے۔ رسول اللہ کے تاسد حضرت حاطب کو پورا لباس اور سوشال سونا دیا۔

جشن کے نماں رواشاہ نجاشی نے نامہ مبارک کے جواب میں اپنے قبولِ اسلام اور حضور کی رسالت پر ایمان لانے کا ذکر کیا ہے۔

ہو ذہ بن علی سردارِ پیامہ نے ادب و احترام سے نامہ مبارک کو سنا اور جواب بھی اچھا دیا، مگر اتباع کرنے کی شرط یہ رکھی کہ اختیارات میں سے مجھے بھی حصہ دیکھیے۔ حضور نے

اس شرط کو ناپسند فرمایا۔ ہودہ کا جلد ہی انتقال ہو گیا۔

ایک خطِ عارث ابن شمر غسانی رئیس مدوہ شام کو موسول ہوا۔ پہلے تو وہ خط اس کو بہت بگڑا۔ بعد میں قاسد کو بڑے اعزاز کے ساتھ رخصت کیا۔

اس تخریری طریقِ دعوت سے محسنِ انسانیت کا تعارف اس پاس کے بڑے اور چھوٹے درباروں میں ہو گیا۔ آپ کی دعوت و تعلیم اور آپ کے منسوب نبوت کا چرچا مختلف علاقوں میں ہونے لگا۔ بیرونی علاقوں کے کچھ اہم اشخاص اور متعدد عوام آپ پر ایمان لائے، بعض نے اچھے تاثرات اپنے سینوں میں محفوظ رکھے اور سوچ میں پڑ گئے، بعض نے مخالفانہ ردِ عمل دکھایا، مگر یہ بھی حضور کے تعارف کو عام کرنے کا ذریعہ بنا۔ ساتھ ہی ساتھ اردگرد کی حکومتوں کو یہ محسوس ہوا اور پایا گیا کہ اب ایک نئی منظم ریاست عرب کی اس سرزمین میں موجود ہے، جہاں پہلے قبائل الموالف الملک کی کاشکار تھے۔

مختصر یہ کہ چند دنوں میں محسنِ انسانیت کی دعوتِ فلاح و سعادت بین الاقوامی دائرے

میں داخل ہو گئی! ﴿﴾

## غزوة خیبر

اب بین الاقوامیت سے پھر داخلیت کی طرف!  
 پیغمبر آخر الزماں ذی الحجۃ میں جدیہ میں سے واپس تشریف لائے۔ کچھ دن مدینے ہی میں  
 گزارے۔ مجرم کے اداہل میں خیبر کی طرف روانہ ہو گئے۔  
 ذرا یہ بات ذہن میں تازہ کر لیجئے کہ یہود حضور پاک اور مسلم قوت اور اسلامی ریاست  
 کے خلاف مسلسل غدارانہ کارروائیوں کے مجرم تھے۔  
 معاہدہ مدینہ کی بار بار خلاف ورزیاں، مسلمانوں کے دشمنوں سے سائہ باز، مسلمانوں میں  
 تفرقہ کی کوشش، پیغمبر خدا کے خلاف جذبہ توہین انیر حضور کی محفلوں میں ہنس مینا  
 کر ہر شب ان کی رپورٹوں پر غور کر کے سازشیں تیار کرنا، نظام انصاف میں رخنہ اندازی،  
 منافقین کے گرز، کی سرپرستی، جنگ کے موقعوں میں ذمہ داریوں سے روزگردانی، مسلمانوں  
 کو نقصان پہنچانے کی ماسعی، حضور کے گھر کی فنا کو شراب کرنے کے لیے بعض عورتوں کے  
 ذریعہ فتنہ پروری، یہ سارے واقعات بڑی تفصیل چاہتے ہیں۔ ان کو الگ رکھ کر اگر صرف  
 قتل کی سازشوں اور اقدامات کو دیکھا جائے جو حضور کی جان لینے کے لیے کی گئیں تو ہر کوئی

اندازہ کر سکتا ہے کہ یہودی قوت کے ہاتھوں پیغمبر اسلام، اسلام، اسلامی تحریک اور اسلامی ریاست کو کتنا بڑا خطرہ درپیش تھا۔ آخر ایک دن حضور پاک ۱۲۰۰ اپریل اور ۲۰ سواروں کے ساتھ خیبر کی راہ پر گامزن ہوئے۔ مدینے میں سیاح بن غزطہ غفاری کو قائم مقام مقرر کیا گیا۔ علم اسلام حضرت علی ابن ابی طالب کے مبارک ہاتھوں میں تھا۔ ام المومنین حضرت ام سلمہ اور چند دوسری خواتین بھی لشکر کے ساتھ گئیں۔ مقدمہ لشکر کے سردار عثمان بن عفان اور بیمنہ کے سردار حضرت عمر فاروقؓ تھے۔

یہ لشکر مجاہدین مقام بقیع میں جا اُترا۔ یہ جگہ بنو غطفان اور ابن خیبر کے درمیان تھی۔ پہلے تو موسم فوج کی آمد کا حال سن کر بنو غطفان خیبر والوں کی مدد کے لیے نکلے، مگر پھر خیال آیا کہ ہمارے اپنے گھر خالی ہوں گے۔ سو بچا رہے نوٹ گئے۔ حضور نے لشکر کے لیے طے کیا کہ پڑاؤ اس جگہ رہے گا۔ اور مختلف دستے جا کر اطراف میں کارروائی کریں گے۔ حضرت عثمانؓ غنی کو اس مرکزی کیمپ کا کمانڈر یا نگہبان مقرر کیا گیا۔ خواتین اور سامانِ رسد کو یہاں رکھا گیا۔

پہلا حملہ حضرت محمود بن مسلمہ نے قلعہ ناعم پر کیا۔ مگر قلعہ کے فتح ہونے سے پہلے ایک دن محمود بن مسلمہ قلعے کی دیوار کے سایہ میں سستانے کے لیے جا بیٹھے۔ اُدھر سے یہودیوں نے چمکی کا پاٹ گرا کر آپؐ کو شہید کر دیا۔ پھر ان کے بڑے بھائی محمد بن مسلمہ نے مجاہدین کی قیادت کی اور قلعہ فتح ہو گیا۔ اس دوران میں قلعہ صعب بھی قبضے میں آ گیا جس کا محاصرہ حضرت خبابؓ ابن المنذر کیے ہوئے تھے۔ اس قلعے سے مسلمانوں کو بہت سا اسلحہ اور سامانِ رسد ملا۔ قلعہ نطاہ جس کا ایک حصہ قلعہ زبیر بھی تھا، اس کی فتح آسان نہ تھی، مگر ایک یہودی خود ہی لشکر اسلام میں آیا اور اس نے بتایا کہ قلعہ کے اندر جس زمین دوز نالے سے پانی جاتا ہے، اسے بند کرنے سے قلعہ بہت جلد فتح ہو جائے گا۔ یہی ہوا۔ پانی بند ہوتے ہی یہودی قلعے سے باہر آ گئے۔ اسی طرح قلعہ مشن اور قلعہ بڑ بھی مفتوح ہوئے۔ کچھ مشکل قلعے قموص کے متعلق پیش آئی۔ ۲۰ روزہ محاصرہ کا کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ تب حضور نے مجمع میں فرمایا کہ کل ہم اس قلعہ کے لشکر کا علم اس شخص کو دیں گے جس سے اللہ اور اس کا نبی خاص محبت کرتے ہیں۔ یہ علم حضرت

سیدہ عائشہ کی چادر سے بنایا گیا تھا۔ اگلی صبح کو حضورؐ نے حضرت علیؑ کو پکار کر علم دیا اور فرمایا جاؤ اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ پہلے اسلام کی دعوت دو، پھر لڑو، اور اسلامی حکومت کی بنیادی پالیسی کا یہ کلیہ بیان فرمایا: ”تمہارے ذریعے ایک شخص کا اسلام لانا، بے شمار مال و دولت کے لانے سے بہتر ہے“ یہ فقرہ گواہ ہے کہ مطلوب فتوحات و اموال نہ تھے، بلکہ انسانوں کی صلاح و فلاح تھی۔

اب ہم سرسری طور پر حضورؐ کے خلاف یہود کی طرف سے قتل کی ناکام کوششوں کا جائزہ لیتے ہیں۔ ۲۴ھ میں حضورؐ بنو نضیر کے ہاں تشریف لے گئے، وہاں چھتے سے چلی کا پاٹ کرانے نے انہیں بنائی گئی۔ کعب بن اشرف نے بھی کچھ آدمیوں کو مامور کیا تھا کہ حضورؐ جب ادھر نہیں تو کاسرہم کر دو۔ بنو قریظہ سے تجدید معاہدہ کے زمانے میں بنو نضیر نے معاملہ طے کرنے کے لیے آپؐ کو بلوایا اور دوسری طرف تلواروں سے مسلح یہود کو تیار کر دیا کہ وہ پیغمبر کو قتل کر دیں۔ کچھ واقعات ذرا بعد کے دور سے متعلق ہیں۔ وہ تو اللہ کی حفاظتِ خاص تھی۔ جیسا کہ قرآن میں ہے: وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ۔ چنانچہ حضورؐ پر معاندین کا کوئی وار کارگہ نہ ہوا۔ ورنہ انہوں نے کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔

حضورؐ جب حدیبیہ سے واپس آئے تو وہاں کے احوال سن کر یہودیوں نے یہی سمجھا کہ پسپا ہو کر آئے ہیں۔ پھر خیبر کے یہودی ارادہ کرنے لگے کہ اس وقت مسلمان کمزور حالت میں ہیں، کیوں نہ ان پر حملہ کر دیا جائے۔ خیبر ان کا مضبوط گڑھ تھا، علاقہ زرخیز تھا، مالی حالت اچھی تھی۔ تمام بستیوں کی اپنی اپنی قلعہ بندیوں کا ایک سلسلہ تھا۔ خیبر والوں نے بنی غنفلان کے چار ہزار نوجوانوں کو اس شرط پر مدینے پر حملہ کرنے کے لیے تیار کر لیا کہ فتح مدینہ کے بعد زمین خیبر کی نصف پیداوار ان کو دیں گے۔

ادھر رسولؐ برحق اہل خیبر کی ان تیاریوں سے برابر آگیا، تھے۔ اب بجائے اس کے کہ آپؐ یہود کے حملے کا انتظار کرتے، خود آگے بڑھ کر ان کی سرکوبی کرنا مناسب سمجھی۔

کے دنار کے لیے خیبر کی طرف فوجی اقدام ضروری تھا۔

مسلمانوں کے حق میں اس پہلے ہی موقع پر معاہدہ حدیبیہ کی ایک برکت سامنے آئی۔

یعنی اب قریش اس طرح بندھ گئے تھے کہ یہود ان سے کوئی مدد حاصل کرنے کی امید نہیں کر سکتے تھے اور مسلمان ایک بڑی دشمن طاقت کی طرف سے بالکل پختہ تھے۔

دینے سے سلم فوج جب اقدام کرنے لگی تو ہائی کمان نے ہدایت جاری کی جو لوگ

سفر حدیبیہ میں شریک نہیں ہوئے تھے، وہ خیبر کی مہم میں بھی شریک نہ ہوں۔ مطلوب یہ تھا کہ

خطرہوں سے بھاگنے اور عذرات پیش کرنے والے منافقین کو ساتھ نہ لیا جائے۔ یہ لشکر صرف

بیعت رضوان سے مشرف ہونے والوں پر مشتمل ہوا۔ یہ وہ ہستیاں تھیں جن کے لیے خدا نے

قرآن میں فرمایا: لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ

التَّيْبَةِ۔ خدا مؤمنین سے راضی ہوا جبکہ وہ درخت کے نیچے تمھارے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے

یہ سعادت حضرت علیؑ کے حصے میں آئی کہ قلعہ تموس جس کا سردار مرحب تھا تائید ایزدی

سے مسلمانوں کے زیر نگیں ہوا۔ اسی طرح انکیبہ، الوطیح اور السلام نامی قلعے جن میں یہود کی

آخری قوت سمٹ گئی تھی، یکے بعد دیگرے فتح کر لیے گئے۔ اب یہودیوں نے ہتھیار ڈال دیے

اور صلح کی درخواست کی جسے امن و سلامتی کے پیغام برنے کشادہ دلی سے قبول کیا۔

یاد رہے کہ اس موقع پر یہودی سردار مرحب کی بہن نے حضورؐ اور آپ کے صحابہ کی

دعوت کی اور گوشت میں زہر ملا دیا۔ حضورؐ پاک نے ایک لقمہ لیتے ہی کھانے سے ہاتھ روک لیا۔

صحابہ نے بھی تقلید کی۔ صرف ایک حضرت بشر بن براد پر زہر کا اثر ہو گیا اور وہ انتقال کر گئے۔

حضورؐ کے عفو و رحمت کا کمال دیکھئے کہ سارا معاملہ ثابت ہو جانے کے باوجود زہر خورانی کی

مجرم عورت سے کوئی انتقام نہیں لیا۔

غزہ، خیبر میں ۱۸ مسلمان شہید اور ۵۰ زخمی ہوئے۔ دشمن کے مقتولین کی تعداد ۹۳ تھی۔

یہود بازی ہر گئے تو ان کو رعیت کی حیثیت دی گئی اور ان کی زمینوں اور باغوں پر



پر حکومت مدینہ کا استحقاق قائم کر دیا گیا اور پیداوار کے نصف پر معاملہ طے ہوا۔  
 چند یہودی افراد اس موقع پر اسلام لائے۔ ان میں سے ایک حبشی چہرہ والا اسود راعی  
 تھا۔ اُس نے یہود سے پوچھا کہ لڑائی آخر کس بات پر ہے؟ انہوں نے حضور کے دعوائے نبوت  
 کا ذکر کیا۔ پھر وہ حضور سے آکر بلا اور آپ سے پوچھا کہ آپ کی دعوت کیا ہے؟ آپ نے  
 اسلام کا نظریہ توحید اور اسلام کے اخلاقی تصورات بیان کیے تو وہ فوراً مسلمان ہو گیا۔  
 اسی موقع پر حضرت بعقر بن ابی طالب کئی ساتھیوں سمیت حبشہ سے یہاں آ پہنچے۔

خیبر کے بعد یہود کا دوسرا ایک گروہ دادی القرئی میں تھا۔ اسے بھی چند روز میں  
 مسلم قوت نے فتح کر لیا اور ان سے بھی وہی شرائط طے پائیں جو خیبر والوں کے لیے تھیں۔  
 بعد ازاں بنو غطفان، بنو مخارب، بنو ثعلبہ اور بنو انمار کے متعلق اطلاع ملی کہ حملہ  
 کے لیے تیار ہو رہے ہیں حضور پاک ۴۰۰ کا لشکر لے کے نکلے۔ دشمن منتشر ہو گیا۔ یہ ہم غزوہ  
 ذات الرقاع کہلاتی ہے۔

صلح حدیبیہ کے تحت قریش کے لیے شامی شاہ راہ تجارت کھل گئی۔ مگر ابو جندل قریش  
 کی قید سے نکل کر آئے اور معاہدے کی وجہ سے مدینہ میں پھرنے کا موقع نہ پا کر ساحل کے  
 متصل ایک پہاڑی پر متمیم ہو گئے۔ انہوں نے قریش کے ایک قافلے پر حملہ کر کے مال چھین  
 لیا۔ بعد میں حضور کی سفارش سے واپس کیا۔ ان کے ساتھ اور نوجوان بھی بھاگ بھاگ کر  
 جمع ہونے لگے۔

اب قریش پچھتائے کہ جس شرط کو انہوں نے اپنے لیے منبذ سمجھا تھا، وہی مصیبت  
 کا باعث ہو گئی۔ یوں مسلمانوں کے حق میں معاہدہ حدیبیہ کا ایک اور منبذ پہلو سامنے آیا۔

## عمرۃ القضا

۶۰ کے معاہدہ حدیبیہ میں شرط طے ہوئی تھی کہ آئندہ سال رسولِ برحقؐ اور صحابہ کرامؓ مکے آکر عمرہ ادا کریں گے اور تین دن کے قیام کے بعد واپس چلے جائیں گے۔

معاہدے کے ایک سال بعد ذی قعدہ ۶۰ کو نبی اکرمؐ عمرہ کے لیے روانہ ہوئے، آپؐ نے اعلان کیا کہ ان رفیقوں میں سے کوئی رہ نہ جائے جو صلح حدیبیہ میں شریک تھے۔ سوائے ان چند افراد کے جو اس دوران میں انتقال فرما چکے تھے، بقیہ تمام غازیانِ سفر حدیبیہ حضورؐ کے ہم سفر ہوئے۔ ساتھ یا اسی جانور قربانی کے لینے ساتھ لے جائے گئے۔

معاہدہ کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ مسلمان مکے میں ہتھیار لے کر داخل نہ ہوں۔ اسے ملحوظ رکھتے ہوئے حضورؐ نے اپنا اسلحہ جنگ مکے سے آٹھ میل دور بطن یا حج میں دس سو سواروں کی نگرانی میں چھوڑ دیا۔ پھر رسولِ رحمت کی امارت میں یہ قافلہ زائرینِ حرمِ پاک کی طرف گامزن ہوا۔ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ اونٹ کی مہار پکڑے آگے آگے تھے، اور رجزیہ اشعار پڑھتے جا رہے تھے۔ مفہوم یہ تھا!

”اُس ہستی کا نام لے کر ہم داخل ہوتے ہیں جس کے دین کے علاوہ کوئی دین نہیں۔“

اس کے نام کے ساتھ جس کے رسول محمدؐ ہیں۔

اے اولادِ کفار! راستے سے ہٹ جاؤ، ہمیں اللہ رحمن نے اپنی نازل کردہ کتاب میں یہ تعلیم دی کہ بہترین جنگ وہ ہے جو اللہ کے راستے میں لڑی جائے۔ اے خدا! میں تیری کتاب کے فرمان پر ایمان رکھتا ہوں۔“

اس رجز سے ظاہر ہے کہ مسلمان جن کے ذہنوں میں پچھلے سال کے واقعات کا پس منظر تازہ تھا۔ بڑے جوش میں تھے۔ نکتے میں مشہور ہو گیا تھا کہ مدینے کی آب و ہوا نے مسلمانوں کو کمزور کر دیا ہے۔ اس اثر کو مٹانے کے لیے حضورؐ نے صحابہ کو حکم دیا کہ وہ طواف کے پہلے تین پھیروں میں اکڑ کر چلیں۔ ریل کی یہ چال آج تک بطور سنت قائم ہے۔

سردارانِ مکہ میں تو یہ تاب ہی نہ تھی کہ وہ اس منظر کو دیکھ سکیں کہ حضورؐ مع صحابہ کے مکے میں داخل ہو کر عمرہ کریں، یہ لوگ شہر چھوڑ کر پہاڑوں پر چلے گئے تھے۔ تین دن گزرنے پر قریش نے دو قاصدوں کے ذریعے حضورؐ تک یہ پیغام پہنچایا کہ اب مسلمانوں کو مکے سے چلے جانا چاہیے۔ پیغام ملتے ہی حضورؐ نے روانگی کا اعلان کیا، اور مکے کو خالی کر دیا۔

غور کیجیے کہ دورانِ نشانیہ وعدے کی بنا پر حضورؐ نے ایک ہی سال بعد یہ مقام حاصل کیا کہ مکے بھی تین دن تک آزادی سے اپنے صحابہ سمیت چل پھر رہے ہیں اور قریش بے بسی سے یہ منظر دیکھ رہے ہیں۔

اس واقعے کے چند اہم پہلوؤں پر نظر رہنی چاہیے۔

اول یہ کہ حضورؐ نے مکے میں داخلے کے وقت جماعت کو حکم دیا کہ خوب مونڈھے کھول کر سینے تان کر چلو اور پھیل پھیل کر طواف کرو۔

اس حکم میں ایک مصلحت تو عسکری نوعیت کی ہو سکتی ہے کہ سپاہ کو دشمن کے سامنے جاتے ہوئے کس صورت میں جانا چاہیے۔ دوسرا نشانہ یہ تھا کہ اس پروپیگنڈے کی تردید ہو جائے کہ مسلمان کمزور ہو گئے ہیں۔ اس سے سبق یہ ملتا ہے کہ دشمن کے سامنے کبھی اپنی کمزوری واضح نہیں ہونے دینی چاہیے بلکہ قوت کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ ایسے موقعوں پر اکڑنا اور زور دکھانا سب کچھ نیکی ہے۔ اور بخلاف اس کے انکسار کا مظاہرہ کرنا نیکی نہیں ہے۔

دوم یہ کہ ذرا اُس وقت کے منظر کو نگاہوں میں لائیے کہ مسلمان تو وسط شہر میں طواف کر رہے ہوں گے اور شہر کے عوام اور عورتیں اور بچے چاروں طرف کی بلندیوں سے اس منظر کو دیکھ رہے ہوں گے، ساتھ ہی تاریخ کا گزشتہ سیاہ ورق بھی ان کے سامنے ہوگا کہ یہی وہ قوت تھی جسے کچلنے کے لیے اسی حرم میں اور اسی مکے کی گلیوں میں ہر ظلم ڈھایا گیا تھا اور آج یہ روشن ورق بھی دکھائی دے رہا ہوگا کہ کل جو قوت یہاں کجلی جا رہی تھی وہ اب اتنی مضبوط ہو کر مکے میں آئی ہے کہ کوئی اسے دلخے سے روک نہیں سکتا، کوئی اس سے تعرض نہیں کر سکتا۔

سوم یہ کہ اتنی بڑی تعداد دشمنوں کے شہر میں آکر تین، دو، ایک رہی، مگر نہ کوئی لوٹ مار ہوئی، نہ کوئی مکان ڈھایا گیا، نہ کوئی سامان اٹھایا گیا، نہ کسی خاتون پر دست درازی ہوئی، نہ کسی مرد پر ہاتھ اٹھایا گیا۔ یہ وہ خوبی تھی جس کی مثال پچھلے جاہلی دور کی کوئی قوت کبھی پیش نہ کر سکی ہوگی۔ اور آج کی جدید جاہلیت نے بھی کب ایسی کوئی مثال ہمارے سامنے رکھی ہے؟

چہاں یہ کہ جب اس پورے واقعہ کانگے کے حوالی اور عرب میں چرچا ہوا ہوگا تو کتنی اہمیت بڑھ گئی ہوگی لوگوں کی نگاہ میں مسلم جماعت کی اور گتھی قیمت کم ہو گئی ہوگی قریش مکہ کی۔ بہت سے لوگوں نے صاف طور پر سمجھ لیا ہوگا کہ مستقبل کی قوت مسلم قوت ہے۔

## فتح مکہ

صلح حدیبیہ کی پیدا کردہ فضا سے فائدہ اٹھا کر رسولؐ برحق نے ایک طرف تو مدینے کے مرکز کو فتنہ پسندوں سے پاک کر لیا۔ دوسری طرف شمال میں یہودی قوت کے جوہر اکثر سازشوں کا گڑھ بنے ہوئے تھے، ان کا زور توڑ دیا۔ تیسری طرف قبائل کی چھوٹی چھوٹی شوخوں اور فتنہ پردازیوں کا پے درپے ایسی سرگرمی سے نوٹس لیا کہ حکومت کی گرفت در درتک مضبوط ہو گئی۔ معرکہ خندق کے بعد اہستہ آہستہ اسلامی ریاست کی دھاک بیٹھ گئی، ہر طرف محسوس ہونے لگا کہ سپاہی اور انصاف کی یہ نئی طاقت جو ابھر رہی ہے، یہ کوئی ایسا غبار نہیں ہے جو ہوا کے جھونکے کے ساتھ غائب ہو جائے۔

اب مدینے کی تحریکِ اسلامی کے سامنے سب سے بڑا جنگی مرحلہ ہی رہ گیا تھا کہ دشمن کی قوت کے اصل مرکز کو ختم کیا جائے، ورنہ جنگ و جدل کا سلسلہ کہیں رک نہ سکے گا۔ قریش کی شامتِ اعمال کہ انھوں نے خود ہی اس کی وجہ فراہم کر دی۔ پس منظر یہ تھا کہ مکے کے آس پاس کے دو بڑے قبائل بنو بکر اور بنو خزاعہ کے درمیان مدتوں سے محاصرت تھی۔ وقتی طور پر یوں ہوا کہ اسلام جب ایک چیلنج بن کے ابھرا

تو قریش نے اس کے خلاف اپنا مہماد تیار کرتے ہوئے بنو بکر اور بنو خزاعہ دونوں کو ساتھ لیا۔ ان کا باہمی عناد عارضی طور سے دب گیا۔ مگر جب معاہدہ حدیبیہ طے پایا اور دس برس کے لیے لکے اور مدینے کے درمیان جنگی فضا ختم کر دی گئی تو بنو بکر اور بنو خزاعہ نے اپنے آپ کو اسی مقام پر پایا جہاں وہ نسوں سے چلے آ رہے تھے۔ معاہدے کی ایک شرط کے مطابق بنو بکر نے قریش سے حیلنازہ تعلق جوڑا اور بنو خزاعہ نے ان کے خلاف پیغمبرِ آخر الزمانؐ اور آپ کی حکومت سے پیمانہ وفا باندھا۔ کچھ مدت تک خاموشی طاری رہی۔ پھر ایسا ہوا کہ بنو بکر نے بنو خزاعہ پر بھڑ بھڑ حملہ کیا۔ جن لوگوں نے حرم میں جا کر پناہ لی ان کو بھی نہ بخشا، اور تم یہ کہ قریش نے بنو بکر کی مدد کی۔ بنو خزاعہ کی طرف سے عمر بن سالم نے حضورؐ کی ہرمت میں جا کر فریاد کی۔ حضورؐ نے قاصد کے ذریعے قریش کے سامنے تین سو تیس رکھیں! ایک یہ کہ بنو خزاعہ کے مستولین کا خون بہا ادا کرو، دوسری یہ کہ بنو بکر کی حمایت سے الگ ہو جاؤ اور تیسری یہ کہ معاہدہ حدیبیہ کے خاتمہ کا اعلان کر دو۔ قریش تو ازن تو کھو ہی بیٹھے تھے، قاصد کے ذریعے کہلا بھیجا کہ صرف تیسری شرط منظور ہے۔ بعد میں سوچا تو پچھتاؤ۔

قریش کے حلقہ قیادت میں قاصد بھیجنے کے بعد سخت تشویش پھیلی، کیونکہ فوجی قوت تباہ ہو چکی تھی اور معیشت کا دامن پارہ پارہ تھا، ان کے حمایتی یہود کچلے جا چکے تھے، مدینہ کی حکومت مضبوط ہو چکی تھی، اور دور درت تک اس کی گرفت محکم تھی۔ اب تو قریش کا جو کچھ بھی بچاؤ تھا۔ معاہدہ حدیبیہ کے ذریعے تھا۔ یہ ردک بھی خود ہی ہٹا دی۔ اب گویا مدینے کو دعوت دی گئی تھی کہ آؤ اور ہم پر حملہ کرو۔

آخر کے کا سب سے بڑا لیڈر ابوسفیان اس غرض کے لیے مدینے روانہ ہوا کہ معاہدے کی تجدید کرے۔ پہلے وہ اپنی دختر ام المومنین حضرت اتم حبیبہؓ کے گھر گیا۔ بستر پر بیٹھنے لگا تو بیٹی نے پک کر بستر لپیٹ دیا کہ یہ رسول اللہ کا بستر ہے اور تم مشرک ہو کر اس پر نہیں بیٹھ سکتے۔ پھر اس نے حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم سے ملاقاتیں کیں۔ حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا کے دروازے پر بھی پہنچا۔ کہیں بات نہ بنی، آخر ایک سورت سوہی اور اس پر حضرت علیؓ سے مشورہ کیا اور پھر یک طرفہ طور پر اعلان کر دیا کہ

معاهدہ حدیبیہ کی ذمہ داری قائم ہے۔ واپس مکے پہنچ کر داستان سنائی تو لوگوں نے کہا کہ حضرت علیؑ نے تمہارے ساتھ مذاق کیا ہے۔

ادھر انسانیت کے سچے خیر خواہ اور مرتبی اور محسن حضرت محمد مصطفیٰ کا اشارہ ہوا کہ سر فرشتانِ جادہٗ حق تیاری کریں۔ یہ کسی کو نہ بتایا کہ کدھر کا پروگرام ہے۔ حتیٰ کہ حضرت عائشہؓ کو بھی علم نہ ہو سکا۔ بعد میں جب کچھ لوگوں کو اندازہ ہو گیا تو حضرت حاطب بن ابی بلتعنہ نے مکے میں مقیم اہل و عیال کو بچانے کے لیے قریش کو ایک خط میں مدینے کی تیاریوں کا حال لکھ دیا۔ حضورؐ کو اللہ تعالیٰ نے اس سے آگاہ کر دیا۔ یہ خط مکے جاتی ہوئی ایک عورت کے بالوں کی چوٹی سے برآمد کیا گیا۔ حضرت حاطب کو ان کے ایمان و اخلاص اور بدری صحابی ہونے کی وجہ سے معاف کر دیا گیا۔

عجیب اتفاق ہے کہ حق و باطل کا ابتدائی معرکہ بھی رمضان کے مہینے میں ہوا اور اب تک میلی معرکہ بھی رمضان ہی میں پیش آ رہا تھا۔

۱۔ رمضان کو حضورؐ کے ساتھ دس ہزار سپاہ نے مدینے سے کوچ کیا اور قدیم نوشتوں کی وہ بات پوری ہو گئی کہ وہ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا۔ آپؐ نے کچھ ایسے پیر پھیر کا راستہ اختیار کیا کہ قریش کی جو گشتی پارٹی دیکھ بھال کے لیے نکلی تھی وہ کسی اور طرف گھومتی رہی، مسلم فوج نے یکایک مکے کے سامنے جا پڑاؤ ڈالا۔

حضورؐ مجحف پہنچے تو آپ کے چچا عباس مع اہل و عیال زیارت کے لیے تشریف لائے۔ پھر کچھ گفتگو ہوئی حضورؐ نے اپنا سفید خچر حضرت عباس کو دے کر کہا کہ ابوسفیان کو ساتھ لیتے آئیے۔

پھر مڑا نظر ان کے مقام پر پہنچ کر رات کو کیمپ لگا یا گیا تو فوجی مصلحت سے رسولؐ برحق نے حکم دیا کہ تمام سپاہی اپنے لیے الگ الگ روشن کریں۔ ابوسفیان بن حرب اور دوسرے اکابر دیکھ بھال کے لیے نکلے تو بلندی سے دس ہزار چولہوں کو روشن دیکھ کر کہے تیس آگے۔ حضرت عباس کا گزر ہوا۔ انھوں نے ابوسفیان سے کہا کہ محمدؐ بڑی فوج لے کر آئے ہیں، اب قریش کی خیر نہیں۔ ابوسفیان نے پوچھا کہ اب چارہ کار کیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اذ میرے

ساتھ خچر پر بیٹھ جاؤ اور مل کر حضور سے بات کریں۔ ابوسفیان کو اسلامی کیمپ میں دیکھ کر حضرت عمرؓ کا خون کھول گیا۔ حضور سے قتل کرنے کی اجازت طلب کرنے لگے۔ پیچھے سے حضرت عباسؓ پہنچ گئے اور انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! میں ابوسفیان کو پناہ دیکر لایا ہوں۔ انکی صبح کو ابوسفیان نے حضور کے سامنے اسلام قبول کر لیا۔

حضرت عباسؓ نے حضور کے ارشاد کے مطابق اسلامی لشکر کی گزرگاہ سے متصل ایک اڑبچے ٹیلے پر ابوسفیان کو کھڑا کیا تاکہ وہ سارا منظر دیکھ سکے، فوج نے کد کے راستے مارچ کیا۔ مختلف قبیلوں کے الگ الگ جیش ترتیب دیے گئے تھے۔ ابوسفیان ہر جیش کے متعلق کچھ پوچھتا جاتا۔ جب سعد بن عبادہ اس مقام سے گزرے تو جوش میں پکار اٹھے: آج گھمان کا دن ہے، آج کے دن کعبہ کے ارد گرد جنگ ردا ہوگی۔ حضور کو اس نعرے کا علم ہوا تو ذرا ان سے غم لے لیا گیا اور ان کے بیٹے کے سپرد دیا گیا۔ اس وقت حضور نے فرمایا: آج کا دن کعبہ کی عظمت کا دن ہے، اور بردنا کا دن ہے۔ لشکر کے مارچ کے ساتھ حضور نے یہ اعلان نہ کیا کہ جو شخص حرم میں داخل ہو جائے اسے امان ہے، جو شخص ابوسفیان کے گھر میں پہنچا جائے اسے بھی امان ہے، جو شخص اپنے گھر میں بیٹھ رہے اسے بھی امان ہے، اور جو کوئی ہتھیار لے کر نہ نکلے اسے بھی امان ہے۔ ماسوا اس کے بنو اپنے کسی جرم کی تعزیر کا سزا دے۔ ابوسفیان نے اس اعلان کو کئے میں پھیلایا۔

۲۰ رمضان کو مکے میں ناتحانہ داخلے کے وقت نہ ڈھوں ڈھمکے تھے، نہ کوئی اچھل کود،

نہ کوئی تکبرانہ نعرہ بازی، بلکہ دنیا کا سب سے بڑا انسان جب فاتح مکہ بن کر شہر میں داخل ہوا تو حال یہ تھا کہ حضورؐ سواری پر بیٹھے سر پہ سجدہ تھے، شکر تھا، کبر و نخوت تھا، زبان سورہ فتح کی تلاوت میں مشغول تھی، کچھ قریشی سرداروں کی کوتاہی بصیرت کہ انہوں نے نہ تو انوں کو آمادہ شہرت کیا اور نہ مردہ پیار کی جانب انہوں نے دو صحابیوں کو شہید کر دیا۔ مسرت خالد کو اطلاع ملی تو انہوں نے فوراً ان کی سرکوبی کی اور ۱۲ آدمیوں کو ڈھیر کر دیا۔ ایسی ہی ایک ٹولی شہر میں بھی مزاحمت کے لیے نکلی۔ حضور نے انصار کا ایک دستہ طلب کیا اور ان کو یہ منظر دکھایا کہ ایک طرف تو فاتح مسلم قوت ایک نظر خون بھی بہانا نہیں چاہتی، اور دوسری طرف یہ کینہ لوگ



ہماری نیام کردہ تلواروں کو باہر نکلنے کی دعوت دے رہے ہیں۔ فرمایا کہ یہ مزاحمت کریں تو صفایا کر دو۔ ابو سفیان کو اطلاع ملی تو دوڑا دوڑا آیا اور کہا: یا رسول اللہ! قریش پہلے ہی تباہ ہو چکے ہیں، ایسا نہ ہو کہ ان کا نام و نشان ہی دنیا سے مٹ جائے۔ خیر وہ اشرار تھوڑی مار کھا کے فراد ہو گئے۔

حضرت کے اس عفو و کرم کو دیکھ کر انصار میں بعض لوگوں نے یہ چہ میگوئیاں پھیلائیں کہ آخر حضور پر اپنی قوم کی محبت غالب آرہی ہے۔ اطلاع ملنے پر حضور نے انصار سے خطاب فرمایا اور کہا: "خدا کی قسم! ایسا نہیں ہے، میں خدا کا بندہ اور رسول ہوں۔ میں نے خدا کی طرف اور تمہاری طرف ہجرت کی ہے۔ اب میرا جینا مرنا تمہارے ساتھ ہے؛ انصار پر قریب قریب ہو گئی اور طالب عفو ہوئے۔ حضور نے معاف فرمایا۔"

لوگوں نے پوچھا کہ اب آپ اپنے آبائی مکان میں قیام فرمائیں گے۔ فرمایا کہ عقیل نے ہمارے لیے گھر چھوڑا ہی کہاں ہے۔ حضور کا علم حجوں میں نصب ہوا اور یہی قیام گاہ طے پائی۔ اس تاریخی مقام کی طرف تشریف لے گئے جہاں قبیلے کے ساتھ نظربندی کا دور گزارا تھا۔ پھر حرم پہنچے۔ حضرت بلالؓ نے کعبے کی بلند یوں سے اذان کہی۔ حضور نے حجر اسود کا استلام کیا۔ ہاتھ میں کمان لیے حرم میں نصب شدہ ایک ایک بت کے پاس جا کر لکارتے جَاءَ الْحَقُّ وَذَهَقَ الْبَاطِلُ، إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا۔ توس کے اشارے سے بت گرتے جاتے۔ پھر کعبہ کی کنجی منگوا کر دروازہ کھلوا یا۔ اندر حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمعیلؑ کی تصویریں بنی تھیں، اور ان کے ہاتھوں میں پائے کے تیر دکھائے گئے تھے جو اس پاس جگہوں پر نصب تھے۔ پھر آپ نماز و ذکر میں مصروف رہے۔ مسجد کے سامنے ہجومِ غام تھا۔ آپ نے خطاب فرمایا:

”ایک خدا کے سوا کوئی اللہ نہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا، اسی اکیلے نے تمام لشکروں کو شکست دی۔“

آج کبر و غرور اور خون کے تمام دعوے، مالوں کے تمام مطالبے میرے قدموں کے نیچے ہیں البتہ حرم کی تولیت اور حجاج کی آب رسانی کے عہدے مستثنیٰ ہیں۔

اے قریش! اب خدا نے تمہارے جاہلیت کے غرور اور نسب کے فخر کو مٹا دیا۔ تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم سٹی سے پیدا کیے گئے تھے۔ سارے انسان ایک ہیں۔ تم میں سے معزز وہ ہے جو تقویٰ میں پیش پیش ہے۔“

پھر ایک ثانوی اعلان کیا کہ خدا نے شراب اور اس کے خرید و فروخت کو حرام کر دیا ہے۔ پھر سوالیہ انداز میں فرمایا کہ تمہیں کچھ معلوم ہے کہ میں تم سے کیا سلوک کرنے والا ہوں؟ ان الفاظ کے گونجتے ہی ظلم اور مکر اور تشدد اور خونخواری کی وہ ساری گندی تاریخ قریش کی نگاہوں کے سامنے سے ایک فلم کی طرح گزر گئی ہوگی جسے انہوں نے ۲۱،۲۰ برس میں تیار کیا تھا۔ پھر ان کی جنگی کارروائیوں کے مناظر ان کے ذہنوں کے پردوں پر تازہ ہو گئے ہوں گے۔ ان کے ضمیر پھٹ جانے کو ہوں گے۔ بے بسی اور ندامت کے عالم میں وہ پکار اٹھے:

”تو شریف بھائی ہے اور شریف بھائی کا بیٹا!“

جواباً آواز آئی: لَا تَشْرِبُ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ۔ اِذْ هَبُوا فَاَنْتُمْ اُطْلَقَاءُ۔ اَج تم پر کوئی گرفت نہیں۔ جاؤ تم آزاد ہو۔“

کیا قریش کی تاریخ مکر و ظلم کو سامنے رکھ کر کوئی شخص اس جواب کی توقع کر سکتا ہے۔ مگر اس جواب نے یہ ثابت کیا کہ حضور ایک دنیوی بادشاہ نہ تھے، خدا کے پیغمبر تھے۔ آپ کوئی سیاسی ارمان لے کے نہیں اٹھے تھے، بلکہ ساری انسانیت کی تعمیر نو کا کام سامنے تھا۔

یہ بھی محسن انسانیت ہونے کی شان تھی کہ مہاجرین مکہ سے فرمایا کہ وہ اپنے اپنے متروکہ مکانوں اور املاک سے بالکل دست بردار ہو جائیں۔ اور قریش ہی کے تصرف میں رہیں۔ پھر کعبے کی کنجی قیامت تک کے لیے انہی عثمان بن طلحہ کو تفویض فرمائی جن سے ابتدائی دور میں ایک بار در کعبہ کھلوانا چاہا تو انہوں نے سختی سے انکار کر دیا۔ اس موقع پر فرمایا تھا: ایک دن آئے گا کہ یہ کنجی میرے اختیار میں ہوگی اور میں جسے چاہوں گا تفویض کروں گا۔ حضور کے علاوہ کوئی دوسرا ہوتا تو واقعی آج اس کنجی کو وہ ضرور کسی اور کے حوالے کر دیتا۔ مگر حضور نے تو اس کنجی کے لیے بنو ہاشم کی طرف سے حضرت علیؓ کی پیش کردہ درخواست بھی منظور نہیں کی۔ کنجی دیتے ہوئے آپ نے فرمایا: آج کا دن نیکی اور دنا کا دن ہے۔“

پھر حضور نے ام ہانی کے مکان پر غسل کر کے ۸ رکعت نماز بطور شکرانہ فتح پڑھی۔  
 فتح کے دوسرے روز کو و صفا پر سے خطاب فرما کر حرم کی حرمت کو بحال کیا۔ عام معافی  
 کے اعلان سے چند افراد مستثنیٰ تھے۔ وہ کہ جن کے جرائم نہایت درجہ سنگین تھے۔ ان کے لیے  
 فرمایا کہ ان کو جہاں پاؤ قتل کر دو۔ واضح رہے کہ فوجی کارروائی کے دوران میں فوجی قانون  
 ہی کے تحت کمانڈر احکام جاری کرتے ہیں۔ لیکن ان میں سے زیادہ تر افراد نے معافی مانگ  
 لی۔ تاہم شدید مجرم افراد یہ تھے: (۱) حُوَیْرِیْتُ بن لُقَیْدِ بن وہب بن عبد بن قصی، (۲) مَقِیْسِ بن  
 جُبَابِہ (۳) سارہ (بہنی عبدالمطلب میں سے کسی کی لونڈی) (۴) عکرمہ بن ابی جہل (۵)  
 عبداللہ بن خَطَل (۶) ابن خَطَل کی دو موسیقارائیں (قرنتی اور اس کی ہم نوا)۔  
 کہتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ چار افراد ایسے تھے کہ جن کے لیے موت کا فیصلہ ناند ہوا۔ لیکن  
 محققین نے یہ رائے بھی دی ہے کہ صرف ایک شخص عبد العزیٰ ابن خَطَل کو اس کے سنگین  
 جرائم کی وجہ سے قتل کیا گیا۔ عبداللہ اور عبد العزیٰ (بن خَطَل) ایک ہی شخص ہے۔

فتح مکہ سے متعلق واقعات و احوال کا بڑا وسیع سلسلہ ہے۔ بہت سی باتیں درکار رہ  
 گئیں۔ سب بڑی بات جو اس فتح کے متعلق کہی جاسکتی ہے کہ دنیا کی کسی اور قوت نے پھلی  
 چودہ صدیوں کے دوران میں ایسی فتح کی ایک مثال بھی پیش نہیں کی۔ نہ کسی کی تذلیل کی گئی،  
 نہ کسی کے مال پر ہاتھ صاف کیا گیا، نہ کسی خاتون کے ناموس کو تاراج کیا گیا، نہ لوگوں کے حقیقی  
 جرائم تک کا کوئی انتقام لیا گیا۔ یہ مثال صرف اُس ہستی نے پیش کی جو ساری انسانیت کی  
 محسن ہے۔

اور پھر یہ اعلان مساوات کہ تمام انسان آدم کی اولاد ہیں، پورے عالم انسانیت کی فلاح  
 کے لیے تھا۔

## غزوة حنین و اوطاس

قریش مکہ کی جنگی قوت کی جرّیں ملحقہ علاقے میں بنو ہوازن اور بنو ثقیف تک پھیلی ہوئی تھیں۔ طائف ان کا شہر تھا۔ ان کے تعلقات قریش مکہ سے جلیفانہ تھے۔ معاشی طور پر بھی گہرا رابطہ تھا۔ ان حالات میں فتح مکہ نامکمل رہتی، اگر قریش مکہ کی جرّوں کو نہ اکیٹر دیا جاتا۔

ہوایہ کہ پیغمبر صادق و مصدوق نے اعلیٰ درجے کی عسکری حکمتِ عملی سے کام لے کر قریش مکہ کو اس طرح اچانک آپکڑا کہ ان کو جلیفوں سے کوئی مدد نہ مل سکی۔ اکیلے مارے گئے۔

ادھر قبیلہ ہوازن کے بیٹروں کو اندازہ تھا کہ معاہدہ حدیبیہ جس سلسلہ واقعات کے تحت ٹوٹا ہے اس کا نتیجہ کیا ہو سکتا ہے۔ سرداروں نے پہلے ہی سے جنگی قوت اکٹھی کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا اور قبائل میں ددرہ کر کے مسلم قوت کے خلاف اشتعال پھیلایا۔ اب جو آنھوں نے فتح مکہ کی خبریں سنیں تو اپنی ساری قوت حنین یا اوطاس نامی وادی میں لاجم کی۔ فی الحقیقت وہ خود جارحانہ پیش قدمی کر کے مسلم قوت پر حملہ کرنا چاہتے تھے۔ اس موقع پر بنی کعب اور بنی نکلاب نے شرکت نہیں کی، اور یہ بہت بڑی کمی رہ گئی۔

ادھر رسولِ برحق کو جو نہی اطلاع ملی، آپ نے عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی کو تحقیق

حال کے لیے روانہ کیا۔ انھوں نے واپس آ کر تفصیلات حضورؐ کے سامنے رکھ دیں۔  
مسلم فوج کے کمانڈر (سلی اللہ علیہ وسلم) نے دینے سے بہت زیادہ اسلحہ ورسد کا انتظام  
نہیں کیا تھا: کیونکہ قریش کی قوت کو سامنے رکھ کر فتح مکہ کے لیے جو منصوبہ بنایا گیا تھا وہ بس  
ایک مختصر معرکہ کا تھا۔ ضرورت بھی زیادہ پیش نہیں آئی۔ مگر اب جو ہوازن اور بنو ثقیف کا  
معاملہ سامنے آنے پر فوری انتظام حضورؐ نے یہ کیا کہ عبداللہ بن ربیعہ سے ۳۰ ہزار درہم  
اور لکے کے رئیس صفوان بن امیر سے سوز رہیں اور دیگر اسلحہ مستعار لیں۔

شوال ۸ھ کو لکے سے ۱۲ ہزار کی تعداد میں ایک بڑا لشکر روانہ ہوا۔ بعض صحابہؓ  
میں اپنی تعداد کے متعلق فخر کا احساس ہوا اور یہ الفاظ بھی زبانوں پر آئے کہ ”آج کون ہم  
پر غالب آسکتا ہے؟“ خدا کو یہ بات ناپسند ہوئی اور اس کا کفارہ میدان جنگ میں دینا پڑا۔  
تعداد تو بڑھ گئی لیکن کمزور پہلو بھی نئے تھے۔ مقدمتہ الجیش میں خالدؓ کے زیرِ کمان  
نوسلم نوجوان تھے جنھوں نے جو شیلے پن میں پوری طرح مسلح ہونے سے بھی غفلت کی۔ پھر  
لکے کے دو ہزار طلقاء تھے جو اسلامی حکومت کے مطیع تو ہو چکے تھے، اور کچھ نے اسلام بھی  
قبول کر لیا تھا، مگر ایسا تو نہ تھا کہ ان کے ذہن اور کردار اسلام کے سانچے میں ڈھل گئے ہوں۔  
دوسری طرف مخالف فریق کی وجہ فوجیت یہ تھی کہ وہ زبردست جنگجو اور تیر بھینکنے میں  
قادرا نڈاز تھے۔ نیز انھوں نے پہلے سے میدان جنگ میں اپنے لیے بہتر جگہ حاصل کر لی تھی اور  
ٹیلوں اور پہاڑیوں میں اپنے رتے پھیلادیںے تھے۔

ادھر مسلم فوج صبح سے ذرا پہلے حنین پہنچی اور ایک وسیع وادی کے ڈھلوان میں  
اترنا شروع کیا تو دشمن سپاہ نے کئی اطراف سے یکایک پر زور حملہ کر دیا۔ مسلم لشکر میں انتشار  
پھیل گیا اور مجاہدین پیچھے کو پلٹے۔ حتیٰ کہ ایک دوسرے کو مڑ کر دیکھنے کی بھی کسی کو مہلت  
نہ تھی۔ اس افراتفری کے عالم میں حضورؐ کا غیر معمولی کردار نمایاں ہوتا ہے کہ آپؐ سواری  
سے اتر کر ایک طرف کھڑے پکار رہے تھے کہ ”لوگو! کدھر جاتے ہو؟ ادھر میرے پاس آؤ،  
میں اللہ کا رسولؐ اور محمد بن عبداللہ ہوں“ پھر آواز دی کہ:

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبُ أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ

بس تھوڑے سے ہماجرین، چند انصار اور آپ کے گھرانے کے لوگ آپ کے پاس کھڑے رہے۔ حضرت عباسؓ نے آواز دی۔ یا معشر الانصار! یا اصحاب الشجرہ! اتنا سنا تھا کہ مسلمان ہر طرف سے لپکے اور اپنے مرکز شجاعت کے گرد جمع ہو گئے! پھر جو لڑے تو آناً زنگ بدل گیا۔ دشمن کے، آدمی مارے گئے اور جب ان کا علمبردار ہلاک ہو گیا تو ان کے قدم اکھڑ گئے۔ شکست خوردہ فوج کا ایک حصہ قلعہ اوطاس میں جا چھپا، ابو عامر اشعری نے مختصر سا دستہ ساتھ لے کر کئی ہزار دشمنوں کے خلاف معرکہ آرائی کی۔ خود شہید ہو گئے لیکن ان کا دستہ کامیاب رہا۔

دوسرا نشانہ طائف تھا۔ طائف بڑا ہی محفوظ مقام تھا۔ اس کے گرد فصیل موجود تھی۔ اور اس کی تازہ مرمت کی گئی تھی۔ سال بھر کا سامانِ رسد جمع تھا۔ اسلحہ دافر تھا۔ طائف پر حضورؐ نے ایسے رُخ سے حملہ کیا جدھر سے اہل طائف کو گمان بھی نہ گزرا ہوگا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ قلعہ شکنی کے لیے مسلم فوج نے منجیق اور دبا بے استعمال کیے۔ فصیل کے اندر سے مسلمانوں پر ناوک اندازی بھی شدت سے ہوتی رہی اور قلعہ شکن آلات کو نقصان پہنچانے کے لیے گرم آہنی سلاخیں بھی برساتی گئیں۔ مجبوراً فوج کو پیچھے ہٹنا پڑا۔

حضورؐ نے نوفل بن معاویہ سے مشورہ طلب کیا۔ پھر فیصلہ یہ کیا کہ چونکہ طائف اسلام کے زیر نگیں آئے ہوئے عرب کے درمیان ایک جزیرہ اختلاف بن کر نہیں رہ سکتا اس لیے اگر اسے اس وقت چھوڑ دیا جائے تو طرفین کا نقصان کم ہوگا اور بعد میں اہل طائف نئے حالات کے زیر اثر رضا کارانہ جذبے سے اسلام قبول کریں گے۔ اُحد کی طرح اس غزوہ کے سخت مراحل میں بھی حضورؐ سے چاہا گیا کہ دشمن کے لیے بددعا کریں۔ مگر آپؐ نے یہ دُعا کی: "اے اللہ تو ثقیف کو راستی کی ہدایت دے، اور ان کو ہمارے ساتھ لا دے"۔

اس غزوہ کے بعد حِمْیَرانہ میں بے شمار مالِ غنیمت جمع تھا۔ ۲۴ ہزار اونٹ، ۴۰ ہزار بکریاں، ۴ ہزار اوقیہ چاندی۔ اس مال میں سے پانچواں حصہ مقررہ مدت کے لیے بیت المال میں رکھ کر بقیہ فوج میں تقسیم کر دیا گیا۔

قرآن نے تالیف قلب کی جو مد رکھی ہے اس کے تحت حضورؐ نے مکے کے باشندوں اور لیڈروں کو دل کھول کر بہت سا مال دیا۔ مقصود یہ تھا کہ ان کے زخموں پر مرہم رکھا جائے۔ ان سے زیادہ حرمیاں نصیب اُس وقت آسمان کے نیچے اور کون رہا ہوگا۔ وہ سرور عالم کے قرابت دار ہوتے ہوئے پھلی صفوں میں سمٹے سکڑے کھڑے تھے اور انصار اور مہاجرین حضور کے دست و بازو بنے ہوئے تھے۔ کیا سماں ہوگا جب مکے کے وہ لیڈر جو پیروں پر پانی نہ پڑنے دیتے تھے، آج اُس ہستی کے ہاتھ سے عطیات وصول کر رہے تھے جس کے ساتھ ہر زیادتی مکے میں روا رکھی گئی تھی۔

انصار نے جب دریائے کرم کو قریش کے حق میں اس طرح اٹھتے دیکھا تو ان کے بعض عناصر بے تقاضائے بشریت ادنیٰ جذبات کی لپیٹ میں آگئے۔ یعنی یہ کہ کہیں حضورؐ نسلی اور دطنی تعلق کی بنا پر تو قریش کو نہیں نواز رہے ہیں۔ کسی نے یہ تک کہہ دیا کہ حق کی حمایت میں جانیں ہم لڑاتے ہیں اور اس وقت بھی ہماری تلواروں سے خون ٹپک رہا ہے، لیکن داد و دہش کے وقت قریش کیوں مقدم ہو جائیں!

انسان بہ ہر حال انسان ہیں، کبھی نہ کبھی کوئی لمحہ ایسا آجاتا ہے کہ کوئی ناموزوں خیال یا جذبہ قلب و ذہن سے آگے رتا ہے۔ برے لوگ غلط خیالات کو کپڑے کے بیٹھ جاتے ہیں، اچھے لوگ جو نہی حقیقت سمجھتے ہیں، مانا پسندیدہ جذبات و احساسات کو اپنے ہاں سے چلنا کرتے ہیں، حضرت سعد بن معاذ کے ذریعے بات حضورؐ کے کانوں تک پہنچی۔ حضورؐ نے ایک شامیانہ لگوا یا۔ انصار کو جمع کیا گیا اور ان کے سامنے دل ہلا دینے والی تقریر کی:

”اے گروہ انصار! آخر یہ کیا چہ میگوئیاں ہیں جن کی سُن گن مجھے لگی ہے۔ یہ کیا احساسات ہیں جو تم میرے بارے میں اپنے اندر پاتے ہو۔ کیا تم گمراہ نہ تھے۔ اور میرے ذریعے اللہ نے تم کو ہدایت دی؟ تم تنگ دست تھے اور اللہ نے تم کو کشائش دی، تم آپس میں دشمن تھے اور اللہ نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا۔“

پھر تقریر کا دھارا پلٹتا ہے۔ فرمایا:

”بجائے اس کے خدا کی قسم تم یہ کہہ سکتے ہو اور تمہارا یہ کہنا ٹھیک ہوگا کہ تم ہمارے

پاس آئے جبکہ تمہیں دوسروں نے جھٹلا دیا اور ہم تھے جنہوں نے تمہاری تصدیق کی۔ تم بے یار و مددگار آئے اور ہم نے تمہاری مدد کی، تم دطن سے نکالے ہوئے ہمارے پاس آئے اور ہم نے تم کو جگہ دی، اور تم ہمارے پاس تھی دست آئے۔ اور ہم نے تمہیں سب کچھ دیا۔ پھر دوسرے پہلو سے بات کی۔

”اے معشر انصار! کیا تم اپنے دلوں میں اس متاعِ دنیا کا شوق رکھتے ہو جس میں نے اس خیال سے گروہِ قریش کو دیا کہ وہ اطاعت کا راستہ اختیار کریں، اور میں نے انہیں تمہاری طرف سے دین اسلام تک لانے کی کوشش کی ہے۔“

”اے معشر انصار! کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ لوگ بکریاں اور اونٹ لے جائیں اور تم خدا کے رسولؐ کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔“

قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار میں ایک شخص ہوتا۔ اگر تمام لوگ ایک دادی میں جانا پسند کریں اور انصار دوسری دادی میں تو میں انصار کی پسندیدہ دادی میں جاؤں گا۔

یا اللہ! انصار پر اور انصار کے بیٹوں پر اور آگے ان کی اولادوں پر

رحم فرما!

اس تقریر نے انصار کو تڑپا دیا۔ لوگ اس طرح رو رہے تھے کہ دارِ ٹھیاں آنسوؤں سے بھیگ گئیں اور انصار چیخ اٹھے کہ ہم اپنے حصے میں رسولؐ کو لے کر راضی ہیں۔

ادھر ہزار ایرانیان جنگِ قسمت کے فیصلے کے منتظر تھے۔ حضورؐ پورے ۲ ہفتے تک منتظر رہے کہ کوئی ان کے متعلق بات کرے۔ کوئی نہ آیا تو ان کو سپاہ میں تقسیم کر دیا گیا تاکہ ہر قبیلے کا انتظام ہو جائے۔ تقسیم ہو چکنے کے بعد حلیمہ سعدیہ کے قبیلے کے معززین کا وفد آیا۔ نہ ہیز بن ابی سُرْد نے حضورؐ کی خدمت میں بڑی پرسوز موثر تقریر کی:

”جو عورتیں چھپروں میں محبوس ہیں، ان میں تیری چھو پھیاں ہیں، ان میں تیری خالائیں ہیں۔ اگر ملاطینِ غرب میں سے کسی نے ہمارے خاندان میں دُردھ پیا ہوتا تو ان سے بہت کچھ امیدیں ہوتیں۔ تجھ سے ہمیں اور بھی



زیادہ توقعات ہیں۔“

حضورؐ نے وضاحت کی کہ میں تو نمود منتظر رہا کہ کوئی آکر بات کرے، مگر اب جب کہ تقسیم ہو چکی ہے، بنو ہاشم کے قیدی تمہیں واپس کرتا ہوں۔ باقیوں کے لیے نماز کے بعد بات کرنا۔ نماز کے بعد زہیر نے مجمع کے سامنے پھر بات کی۔ آپؐ نے فرمایا! مجھے صرف اپنے خاندان پر اختیار ہے۔ اہل بیت میں تمام مسلمانوں سے سفارش کرتا ہوں۔ فوراً ہاجرین و انصار بول پڑے کہ ہمارا حصہ بھی حاضر ہے۔ صرف نبی سلیم اور نبی فزارہ نے ایسا نہیں کہا۔ آخر حضورؐ نے ان کو ۶ اونٹنی قیدی قیدی میں دے کر تمام قیدی رہا کر دیے۔ متعدد قیدیوں کو رخصت کرتے ہوئے اپنے پاس سے کپڑے بھی دیے۔

رسولؐ خدا چاہتے تو تمام مسلمانوں کو سکم دے سکتے تھے۔ مگر آپؐ نے کبھی اقتدار کو اپنے ذاتی رجحانات کے تحت استعمال نہیں کیا اور نہ مسلمانوں سے ان کے حقوق کبھی سلب کیے۔ اس موقع پر بھی سفارش ہی کی۔

حضورؐ کی سفارش کو بھی جن دگر دہوں نے نہ مانا، ان کے خلاف نہ ناراضگی ظاہر کی، نہ کارروائی کی، نہ دل میں کوئی تکدر رہا!

ان معاملات سے فارغ ہو کر حضورؐ نے مکے سے واپسی کا قصد کیا اور عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کا گورنر مقرر کرتے ہوئے ایک درہم روزانہ ان کی تنخواہ مقرر فرمائی۔

## فتح مکہ و حنین کے بعد

فتح مکہ و حنین کے بعد فی الحقیقت اسلامی انقلاب کی مخالف قوت کا سرکچلا  
جا چکا تھا۔ کہیں کہیں بچے کھچے شریک عناصر کی محدود سی حرکات کو دبانے کے لیے  
چھوٹی چھوٹی کارروائیاں کی گئیں۔

قبیلہ بنو تمیم، قبیلہ خثعم، قبیلہ بکر، اور جہدہ میں جیشہ سے آئے ہوئے ڈاکوؤں  
کے معاملے میں مہمات بھیجی گئیں۔

ربیع الآخر ۹ھ میں حضرت علیؓ کو قبیلہ بنی طی میں ڈیڑھ سو سواریوں کے ساتھ بھیجا  
گیا۔ حکم یہ تھا کہ وہاں کے بڑے صنم خانے کو ڈھادیں۔ مدینے کی اعتقادی اور مقصدی ریاست  
عقیدہ مند عرب کی انفرادی آزادی تو غیر مسلموں کو دے سکتی تھی، مگر وہ ایسے منظر اور  
ایسے اداروں کا وجود گوارا نہ کر سکتی تھی جو اس کی بنیادوں سے ٹکراتے ہوں۔ انہی بتوں کی عقیدت  
کی زد میں لوگ مشتعل ہو کر لڑائیاں لڑتے اور شرانگہ زبیریاں کرتے تھے۔ کوئی وجہ نہ تھی کہ  
جاہلی بت خانوں اور مشرکانہ نظام اعتقاد کو ایک متوازی قوت کی حیثیت سے چلنے دیا جاتا۔  
یہ بت دراصل ایک باطل نقشہ زندگی کی علامت قرار پا چکے تھے اور اس علامت کا نقش مٹا

دینا ضروری تھا۔ قبیلہ طے بت پرستانہ جذبات سے بدست ہو کر مدینے پر چڑھائی کرنا چاہتا تھا۔ تاریخ گوہ ہے کہ عدی بن حاتم نے اسی مقصد کے لیے سواری اور اسلحہ کا انتظام کیا تھا۔ بہر حال حضرت علیؑ نے قس کے مقام پر پہنچ کر علی الصباح حملہ کیا۔ عدی بن حاتم بھاگ گیا، قبیلے والوں نے معمولی مزاحمت کے بعد ہتھیار ڈال دیے۔ بت خانہ توڑ دیا گیا۔ قیدی اور جانور اور اسلحہ مسلمانوں کے قبضے میں آئے، قیدیوں میں عدی بن حاتم کی نعیف العمر بہن بھی تھیں۔ انھوں نے حضورؐ سے اپنی بے چارگی کا حال بیان کر کے رہائی کی درخواست کی۔ حضورؐ نے ان کے لیے سواری کا انتظام کیا اور آزاد کر کے واپس کر دیا۔ انھوں نے بھائی کر جا کر بتایا کہ میں تو مدینے میں تیرے باپ حاتم کی سی فیاضی کے مناظر دیکھ کے اٹی ہوں۔ اٹنے کا خیال چھوڑ اور جا کر فیض حاصل کر۔

بلکہ ہی عدی بن حاتم نے مدینے آکر اسلام قبول کیا۔

## غزوة مؤتہ اور تبوک

انسانیت کے عظیم محب و محسن نے جب اپنی دعوت و تحریک کے بین الاقوامی رد و رکاز کا آغاز کیا تو ایک سفیر عارف بن عمیر ازدی کو شام یا بصری کی طرف روانہ کیا۔ اسے ہر قتل کے نائب حاکم شرجیل بن عمرو غسانی نے راستے میں قتل کر دیا۔ یہ بنیادی انسانی اخلاق اور سفیروں کے مسلمہ حقوق کے خلاف تھا۔ ایسی حرکات کو اگر کوئی حکومت چپ چاپ سہار لے تو پھر اس کا کوئی وزن باقی نہیں رہتا۔

غزوة مؤتہ پہلے ہو چکا تھا جس کی تفصیل یہ ہے کہ جہاد الی الاخر سلسلہ بھرتی کو زید بن حارثہ کی کمان میں تین ہزار سپاہ حضور نے تفویض کر کے انھیں شام کے علاقہ بلقاء کی طرف روانہ کیا۔ اس فوج کو حضور نے نفس نفیس الوداع کہنے کے لیے مدینے کے باہر لے گیا۔

یہ فوج حیب معان نامی ایک مقام پر پہنچی تو معلوم ہوا کہ ان دنوں ہر قتل و درے پر آیا ہوا ہے۔ اس کے ساتھ بہت بڑی فوج ہے۔ اور بنی لخم، بنی جذام اور بہراؤ کے عیسائی جمع ہیں۔ مجموعی تعداد کا اندازہ ایک لاکھ تھا۔ فوجی افسروں نے مشورے کے بعد طے کیا کہ دشمن کی قوت کو دیکھ کر واپس نہیں جائیں گے۔ آگے بڑھیں گے۔ مشارف کے مقام پر پہنچے تو دشمن

کی بہت بڑی فوج موجود تھی۔ گھسان کی لڑائی ہوئی۔ زید بن حارثہ شہید ہوئے۔ علم حضرت جعفر نے نبیہالا دونوں ہاتھ کٹ گئے اور ۹۰ زخم کھا کر وہ بھی اپنے فرض کی تکمیل کر گئے۔ عبداللہ بن رواحہ نے علم نبیہالا، مگر وہ بھی شہید ہو گئے۔ آخر حضرت خالد بن ولید بڑھے اور اس بے جگری سے لڑے کہ ۹۰ تلواریں ان کے ہاتھ میں ٹوٹیں۔ آخر دشمن کی فوج پیچھے ہٹی۔ مسلم فوج کی ۱۲ قیمتی شخصیتیں شمع اسلام پر تار ہو گئیں۔

تھوڑی سی فوج، غیر علاقہ، نہ ملک نہ رسد، اسی ایک کامیاب معرکے کے بعد یہ مہم واپس آگئی۔ اسی موقع پر حضرت خالد کو سیف اللہ کا خطاب دیا گیا۔ یہ تھا معرکہ موتہ! اور اس کی دوسری کڑی تھا غزہ تبوک!

غزہ تبوک بہت سے وجوہ سے اسلامی تاریخ اور سوانح نبوت کا بڑا اہم باب ہے۔ فتح مکہ کے بعد جب ۹ھ میں اطلاع پہنچی کہ قیصر کی فوجیں مدینے پر حملہ کرنے کے لیے شام میں تیار ہو رہی ہیں۔ قیصر ایک بڑی سلطنت کا فرماں روا تھا اور قریب ہی میں اس نے ایران جیسی حکومت کو شکست دی تھی۔ ادھر حسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں ساری وقعت ایمان و اخلاق کی روشنی پھیلانے والے اس مینار کو حاصل تھی جو مدینے میں کھڑا جگمگا رہا تھا۔ آخر حضور کی مسلم جماعت سالہا سال کی قربانیوں کے اس ما حاصل کے نقصان کو کیسے گوارا کر سکتی تھی۔ فیصلہ ہوا کہ قیصر کی فوج کو عرب میں گھسنے نہ دیا جائے۔ اور اس سے ملک سے باہر ہی جنگ کی جائے۔ فوراً جنگی تیاری شروع ہو گئی۔ سخت گرمی کا موسم تھا۔ قحط اور عسرت کا عالم تھا۔ حضور نے جنگی ضرورت سے چندے کی اپیل کی۔ اس اپیل کا ایسا قابل یادگار جواب مسلم جماعت نے دیا کہ اس کے تھوڑے ہی سے انسانیت کی روح شاداب ہوتی رہے گی۔ حضرت عثمان نے ۹ سواؤں اور ایک سو گھوڑے سازدساں سے آراستہ پیش کیے، نقد چندہ کے طور پر ایک ہزار دینار حاضر کر دیے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف نے ۴۰ ہزار درہم لاکے ڈھیر کر دیے۔ حضرت عمر نے اپنے مال کا نصف یا بیشتر حصہ چندے میں دیا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ گھر کا سارا اثاثہ اٹھالائے اور مقابلہ انفاق میں لڑنے لگے۔ لیکن شاید در بھی زیادہ ادا پڑا۔ جس سے غریب محنت کش انصاری کو ملا ہوگا

جس نے دن بھر پانی کے ڈول کھینچ کھینچ کر ۴ سیر چھوہارے کماٹے تھے اور دو سیر چھوہارے اہل و عیال کے لیے رکھ کر بقیہ حضورؐ کی خدمت میں پیش کر دیے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ان چھوہاروں کو اموال کے سارے ڈھیر پرہ بکھیر کر رکھو۔ خواتین نے جہاد فتنہ میں اپنے زیورات دیے۔ آخر ۳ ہزار سپاہی، دس ہزار گھوڑوں کے ساتھ روانہ ہوئے اس فوج کو جیشِ عسرت کا نام دیا گیا ہے، کیونکہ یہ زمانہ عسرت میں روانہ ہوئی۔ بینۃ الوداع میں دستوں کو ترتیب دیا گیا۔ کمانڈر مقرر کیے گئے اور علم تقسیم کیے گئے۔

تبوک پہنچے تو معلوم ہوا کہ دشمن نے عرب پر حملہ کرنے کا ارادہ ترک کر دیا ہے۔ دراصل حکامِ شام کو کسی نے غلط خبر دی کہ حضورؐ کا انتقال ہو گیا ہے، اور حملہ کے لیے یہ بہترین وقت ہے۔ اب جب معلوم ہوا کہ نبیؐ بھی زندہ ہے اور مدینہ بھی زندہ ہے تو ان کے عزائم پر اس پر گئی۔

تاہم حضورؐ نے تبوک میں ایک مہینے تک کیمپ قائم رکھا۔ اس دوران میں کسی کام انجام پائے۔ ایلہ کا حاکم پیش ہوا اور جزیرہ دے کر مصالحتات کا آغاز کیا۔ جزیرہ اور اذرج کے لوگ بھی جزیرہ ساتھ لے کر پیش ہوئے۔ حضرت خالد بن ولید کو دو متہ الجندل کے حاکم اکیدر کی طرف چار سو سپاہیوں کے ساتھ بھیجا گیا۔ اکیدر کا بھائی مارا گیا اور وہ خود قیدی بن کر پیش ہوا۔ جزیرہ پر اس سے مصالحت ہوئی۔ پورے شمالی علاقے میں مسلم قوت کی دھاک بیٹھ گئی۔

حضورؐ واپس مدینہ پہنچے تو بہت پر جوش طریق سے استقبال کیا گیا۔

اس مشکل غزوے سے بچنے کے لیے ۸۰ سے زائد منافقین مدینہ ہی میں بیٹھے رہے۔ حضورؐ نے واپس آکر ان سے باز پرس کی تو انھوں نے جھوٹے عذر گھڑ کر بیان کیے۔ حضورؐ سب کچھ جانتے ہوئے درگزر کرتے گئے۔ لیکن کچھ اہلِ اخلاص بھی ایسے تھے جن سے کوتاہی ہو گئی۔ جیک مثال ابو خنیثہ کی ہے یہ فوج میں شامل ہونے سے رہ گئے۔ بعد میں ایک دن شدید گرمی کے وقت، ٹھنڈی چھاؤں میں بیویوں کے ساتھ بیٹھے تھے۔ پانی کا چھڑکاؤ کیا گیا تھا۔ کھانے پینے کا انتظام تھا۔ یکایک انھیں خیال آیا اور ازواج سے انھوں نے کہا

کہ ”ہائیں! رسول اللہ تو دُھوپ اور لُؤ میں سفرِ جہاد کر رہے ہوں اور ابو خنیثمہ ٹھنڈی چھاؤں میں حسین بیویوں کے ساتھ بیٹھا مزے دار کھانے کھا رہا ہو“ یہ کہہ کر اُونٹ تیار کر لیا اور سوار ہو کر روانہ ہو گئے۔ بہت دُور جا کر شکر سے ملے۔ ان کے علاوہ تین اصحاب ایسے تھے کہ یونہی سستی میں پڑے رہ گئے۔ حضرت کعب بن مالک سے حضور نے سوال کیا کہ تم کیسے رہ گئے؟ انھوں نے کہا کہ یا رسول اللہ میں آپ کے سامنے جھوٹ نہیں بول سکتا۔ یہی خیال کرتا رہا کہ صبح جاتا ہوں، شام کو لوٹوں گا، اور اس طرح دن گزر گئے۔ ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع نے بھی اسی طرح کوتاہی کا اترار کیا۔ حضور نے حکیم الہی کے آنے تک ان کو جماعتی زندگی سے الگ اور بیویوں سے بے تعلق رہنے کا حکم دیا۔

ان تینوں نے رضا کارانہ طور پر حکم رسول کو اپنے اوپر ناند کر۔ نے کی ایسی مثال قائم کی کہ وہ ساری امت کے لیے ہمیشہ روشنی دیتی رہے گی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو کجا، کوئی مسلمان ان سے بات نہیں کر سکتا تھا۔ اس مرحلہ آزمائش میں غسانی حاکم کا خط حضرت کعب بن مالک کو موصول ہوا۔ اس نے لکھا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تمہارے آقا نے تم پر جفا کی ہے۔ تم بڑے قابلِ قدر آدمی ہو۔ ہمارے پاس چلے آؤ۔ ہم تمہارا مرتبہ بڑھا دیں گے۔ حضرت کعب نے خط کو توڑ میں ڈال دیا۔

آخر ۵ دن بعد وحی الہی نے ان کی توبہ قبول کی۔ مدینے میں خوشی کی لہر دوڑ گئی مبارک سلامت کی صدائیں گونجنے لگیں حضرت کعب بن مالک نے قبولیت توبہ کی خوشی میں اپنے مال کا ایک بڑا حصہ صدقہ کر دیا۔

یہ تھا نمونہ انسانیت جو حسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریک کو مطلوب تھا!

اس غزوه کا ایک اہم واقعہ یہ ہے کہ اس کے دوران میں اس نوجوان نے شہادت

پائی جو اپنی طرز کا ایک خاص ردشن کردار تھا۔

یہ تھے عبداللہ ذوالبجا دین۔

نوعمری ہی میں اسلام کی دعوت ان تک پہنچی۔ دن متاثر ہو گیا۔ مگر چچا قبول اسلام

میں مانع تھا۔ آخر جب فتح مکہ سے حضور واپس آئے تو نوجوان اپنے چچا سے کہنے لگا کہ:

”پیارے چچا! مجھے برسوں انتظار کرتے گزر گئے کہ کب آپ کے دل میں  
اسلام کی تحریک پیدا ہوتی ہے۔ لیکن آپ کا حال جوں کا توں ہے۔ اب تو مجھے  
اجازت دیجیے کہ میں اسلام قبول کر لوں۔“

سنگدل چچا نے جواب دیا کہ اگر تم کو محمدؐ کا ساتھ دینا ہے تو میں نہ صرف تم کو اپنے  
سارے مال سے محروم کرتا ہوں، بلکہ تن پر کپڑا بھی نہ رہنے دوں گا۔ عبداللہ نے کہا: ”چچا!  
آپ جو چاہیں کریں، میں تو اب بت پرستی سے بیزار ہو چکا ہوں، اور اب میں ضرور مسلم بنوں گا۔  
آپ اپنا سارا مال لے لیجیے، یہ کہہ کر بدن سے کپڑے اتار دیے، اور برہنگی کی حالت میں  
مال کو آواز دے کر کہا کہ میں نے توجیر کو قبول کر لیا ہے اور محمدؐ کی خدمت میں جانا چاہتا  
ہوں۔ مجھے تن ڈھانکنے کو کچھ دیجیے۔ مال نے ایک کبیل دیا۔ پھاڑ کر آدھے کا تہ بند بنایا اور  
ادھا اوپر لیا۔ اسی حالت میں مدینے پہنچا، حضورؐ کے ہاتھ پر بیعت کی اور اصحابِ صفہ میں  
داخل ہوا۔

یہ انقلابی نوجوان شوقِ جہاد اور شوقِ شہادت میں حضورؐ کے ساتھ تبوک روانہ ہوا۔  
وہاں بخارا آنے سے انتقال ہوا۔ راست کی تاریکی میں تدفین ہوئی۔ حضرت بلالؓ چراغ اٹھائے  
ہوئے تھے، نبی اکرمؐ خود قبر میں اترے، ابو بکرؓ و عمرؓ ساتھ دے رہے تھے۔ ان سے فرمایا!  
”اپنے بھائی کا ادب ملحوظ رکھو“ حضورؐ نے اپنے ہاتھ سے اینٹیں رکھیں۔ پھر دعا کی۔ ”الہی! آج  
کی شام تک میں اس سے راضی ہو رہا ہوں تو بھی اس سے راضی ہو جا!“

یہ سماں دیکھ کر حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا: ”کاش اس قبر میں مجھے دفن کیا گیا ہوتا۔“



## غزوة تبوک کے بعد کے دو اہم واقعات

رسول برحق، محسن انسانیت، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوة تبوک پر روانہ ہونے سے قبل چند اشخاص نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہم نے ضعیف اور معذور لوگوں کی سہولت اور خصوصاً بارشوں کے دنوں کے لیے مسجد قبا کے نزدیک محلہ بنی سالم بن عوف میں ایک مسجد تعمیر کی ہے، حضور چل کر اس میں نماز پڑھائیں تاکہ افتتاح ہو جائے۔ اُس وقت چونکہ حضور کی ساری توجہ غزوة تبوک پر لگی تھی، اس لیے فرمایا کہ غزوة تبوک سے واپسی کے بعد دیکھیں گے۔

یہ مسجد ۱۲ منافقین کے ایک گروہ نے تیار کی تھی جن کو پٹی پڑھانے والا ابو عامر تھا۔ اس نے سازش کے طور پر اپنے جتنے سے کہا کہ جس قدر ممکن ہو، قوت اور اسلحہ جمع کر دیں، قیصر کے پاس جانا ہوں اور وہاں سے ایک فوج لا کر محمدؐ اور ان کے ساتھیوں کو مدینے سے نکلوانا ہوں۔ اس نے منافق جتنے کو یہ بھی کہا کہ میں اپنے متعلق ساری اطلاعات تم کو کسی نہ کسی ذریعے سے پہنچاتا رہوں گا۔ مگر تم ایک مسجد تعمیر کر رکھو جس میں میرا بھیجا ہوا خیر رسال ایک مسافر کی حیثیت سے رہ سکے اور کسی کو اس پر شبہ بھی نہ ہو۔

حضور تبوک سے واپسی پر جب مقام ذی اذان پر پہنچے جو مدینے سے ایک گھنٹہ

کی ہمانت پر تھا، اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو بذریعہ وحی مسجد منانفقین کے بانیوں کی نیت سے آگاہ کر دیا۔ اس موقع پر حضورؐ نے دو معزز رفیقوں کو بلا کر حکم دیا کہ جاؤ اور منافقین کی تعمیر کردہ مسجد کو منہدم کر کے تمام سامان کو آگ لگا دو۔ دونوں حضرات نہایت عجلت سے محلہ بنی سالم بن عوف میں پہنچے اور مسجد کو گرا کر سامان کو آگ لگا دی۔ اس مسجد کے متعلق وحی الہی کے الفاظ بڑے سخت ہیں:

”جن لوگوں نے مخالفت کے اڈے کے طور پر مسجد بنائی، اسے اہل

ایمان میں کفر پھیلانے اور تفرقہ ڈالنے کا ذریعہ بنانا چاہا اور اسے اللہ اور اس

کے رسولؐ کے خلاف لڑنے والوں کے لیے ایک کین گاہ کی حیثیت دی“

ساتھ ہی حضورؐ کو حکم دے دیا گیا کہ:

”اس میں تم کبھی جا کر قیام نہ کرنا“

اسوولی بات، اس واقعہ سے یہ سامنے آئی کہ مسجد کا ڈھانچہ بنا دینے سے کوئی عمارت تقویٰ اور پاکیزگی کا مرکز نہیں بن جاتی، بلکہ اسے بنانے اور اس کا انتظام کرنے والوں کے عزائم کے مطابق وہ نتائج دے گی۔ نیز مساجد کو نہ صرف اللہ اور اس کے رسولؐ کی مخالفت اور کفر پھیلانے کی مساعی سے پاک ہونا چاہیے، بلکہ انہیں مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرنے کا ذریعہ بھی نہیں ہونا چاہیے۔

دوسرا واقعہ نظام زکوٰۃ کے قیام کا اقدام تھا:

ہجرت کے نویں سال محرم ۲ چاند ہوا ہی تھا کہ اس کے ساتھ ہی ساتھ ساری انسانیت کے خیر خواہ و محسن نے ملا۔ بھیریں زکوٰۃ کی منظم و سوولی کا انتظام قائم کر دیا۔ یہ مہینہ گویا تنظیم زکوٰۃ کی یاد تازہ کرنے کا مہینہ بھی ہے۔

دور و نزدیک کے مختلف قبائل کی طرت بھینچنے کے لیے اپنے نمائندے نامزد فرمائے جو اصطلاحاً محصلین زکوٰۃ کہلائے۔ آج کی زبان میں ہم ان کو اموال زکوٰۃ کے تحصیل کار بھی کہہ سکتے ہیں۔ ان تمام افسروں کو جمع کر کے حضورؐ نے یہ ہدایت دی کہ لوگوں کے اموال میں سے بہترین اور مرغوب ترین چیزیں حاصل کرنے کی کوشش نہ کریں۔

یہاں یہ اشارہ کر دینا ضروری ہے کہ اسلامی ریاست، جو خدا پرستانہ بنیادوں پر قائم ہوتی ہے۔ وہ معاد کے ساتھ معاش کی فکر بھی کرتی ہے۔

دلوں کی پاکیزگی کے ساتھ غوام کے پیٹ بھرنے کا اہتمام بھی کرتی ہے۔ جس طرح آج معاشِ بلا معاد یا دنیا بلا عقیدہ آخرت یا اقتدار بغیر خدائی ہدایت کے، ہزار مصیبتوں کا باعث ہے، اسی طرح معاملاتِ دنیا سے بے تعلق کر دینے والی عبادت گزاروں کی، اور فکرِ معاش سے غافل کر دینے والی خدا پرستی بھی آدمی کو غیر متوازن بنا کر رہبانیت میں مبتلا کرتی ہے جسے اسلام سیدِ قبولیت نہیں دیتا۔

اسلام کی ابتدائی دعوت جب حضور نے شروع کی تو توحید اور صلوٰۃ کے ساتھ مساکین کو کھانا کھلانے کی تلقین کی۔ صلوٰۃ کے ساتھ شروع ہی سے صدقہ شامل رہا ہے۔ بعد میں صدقہ و انفاق کی ایک خاص نوعیت، یعنی ایٹائے زکوٰۃ کو فرض کر دیا گیا اور اقامتِ صلوٰۃ کے ساتھ ساتھ ایٹائے زکوٰۃ کا حکم دیا جاتا رہا۔

لیکن ایٹائے زکوٰۃ کو محض لوگوں کی رضا کارانہ ایمانی اسپرٹ پر نہیں چھوڑا گیا بلکہ معاملہ چونکہ پوری جماعت کے محتاجوں اور معذوروں کی کفالت کا تھا، اس لیے سرکاری انتظام سے اس کی وصولی کا باقاعدہ سسٹم قائم کر دیا گیا۔ اس کا نصاب اور اس کی شرح مقرر کی گئی تاکہ ہر سال خوشحال لوگوں کی طرف سے ایک بڑی مقدار نقد جس معاشی طور پر کمزور لوگوں کی طرف منتقل ہوتی رہے۔

دراصل اسلامی معاشرے کا سارا ڈھانچہ نظامِ اخوت پر مشتمل ہے۔ اور اسلامی معیشت کو ہم "اقتصادی اخوت" کا نام دے سکتے ہیں، یہ نظام نہ تو سرمایہ داری کی طرح از خود ایک خاص شکل اختیار کرتا گیا تھا کہ چند بلیں ہیں جو اگنی بڑھتی ہیں اور اس پاس کی ساری نباتات پر لپٹ جاتی ہیں۔ اور نہ یہ سوشلزم کی مانند تھا کہ غریبوں کے طبقے نے خوش حال لوگوں کے خلاف پورے کینہ و نفرت کے ساتھ حقوق کی لڑائی لڑ کر انقلاب برپا کیا ہو۔ بلکہ یہ زندگی کی دلدل میں پھیر رہے جانے والے یا گم ہونے والے لوگوں کو سہارا دینے کا ایک انتظام تھا جس کی ررب ہڈی اخوت تھی۔

ذکوٰۃ کے ایک جامع ہو کر سرکاری انتظام سے مستحقین تک پہنچنے میں یہ مہمکت بھی  
تھی کہ زکوٰۃ لینے والے پوری شانِ خودداری کو قائم رکھتے ہوئے یہ سمجھ کر زکوٰۃ لیں کہ یہ ان کا  
حق ہے اور دینے والے بھی اسی جذبے سے دیں کہ ان کے زائد اموال میں درحقیقت  
دوسرے کمزور انسانوں کا حصہ اللہ تعالیٰ نے شامل کر دیا ہے جسے ادا ہونا چاہیے۔ نظام  
ذکوٰۃ قائم ہو جانے پر زکوٰۃ کے محصلین مختلف اطراف میں پھیل گئے۔

دسویں زکوٰۃ کے سلسلے میں ایک جگہ ناگوار صورت پیش آئی۔ حضرت بشر بن سقیان عدوی  
کو بنو تمیم کی طرف سے مزاحمت پیش آئی۔ وہ کہنے لگے کہ "خدا کی قسم یہاں سے ایک اذنب بھی  
نہ جائے گا" حضرت بشر واپس آگئے۔ حضورؐ کو یہ حالات معلوم ہوئے تو حضرت عیینہ بن  
حسن فزاری کو پچاس سواروں کے ساتھ بنو تمیم کی طرف روانہ کیا۔ یہ لوگ حجفہ سے، ایل  
کے ناسلے پر مقام سقیان میں رہتے تھے۔ حضرت عیینہ نے رات کو پہنچ کر چھا پہ بارہ گیارہ  
مرد، ۲۱ عورتیں اور ۳ بچے گم ہار کر کے مدینے لائے گئے۔ آخر بنو تمیم نے دس آدمیوں پر  
مشمول ایک وفد حضورؐ بنی اکرم کی خدمت میں روانہ کیا۔ جیب یہ لوگ مدینے پہنچے تو حجرہ نبوی  
کے پاس کھڑے ہو کر بڑے غیر شائستہ انداز سے اونچی آواز میں پکارنے لگے "یا محمد! یا محمد!  
ذرا باہر تو آؤ۔ ہم مفاخرہ اور شاعری میں مقابلہ کرنا چاہتے ہیں"۔

رسولؐ برحق شائستگی اور تہذیب کے معلم و مربی تھے۔ آپؐ کو اس طرح پکارا جانا خدا  
کو ناپسند ہوا اور سورہ حجرات کی آیت نمبر ۴ اور ۵ نازل ہوئیں۔

تاہم حضورؐ حجرے سے باہر تشریف لائے۔ حضرت بلالؓ نے ظہر کی اذان کہی۔ نماز سے  
فارغ ہو کر حضورؐ صحن مسجد میں تشریف فرما ہوئے۔ آنے والوں سے مقصد پوچھا۔ انھوں نے  
کہا کہ ہم مساکرت کے لیے آئے ہیں۔ مفاخرت غزولوں کے کلچر کا جزو تھی۔ یہ ایک طرح کا مقابلہ  
تھا۔ ایک فریق کا خطیب، اور دوسرے فریق کا خطیب اپنے اپنے آیات اور نسلی مفاخر بیان  
کرتے۔ دند والوں نے کہا کہ آپؐ ہمارے خطیب اور شاعر کو موقع دیں۔ وفد بنو تمیم کی  
طرف سے عطار بن حاجب نے خطبہ پڑھا۔ اب حضورؐ کے حکم سے حضرت ثابت بن قیس  
انصاریؓ اٹھے اور انھوں نے روایتی مفاخرت کے انداز سے ہٹ کر پہلے خدا کی حمد

بیان کی، پھر رسولؐ اور قرآن کا ذکر کیا، پھر مہاجرین اور ان کے بعد انصار کی خوبیوں کو بیان کیا۔ یہ ایک طرح کا دعوتی خطبہ تھا۔

پھر بنو تمیم کا شاعر زبیر بن عبد کھڑا ہوا اور اپنی قوم کی شان میں قصیدہ پڑھا۔ ادھر سے بحکم رسالتِ مآب حضرت حسانؓ نے فی البدیہہ ایک قصیدہ خدا در رسولؐ اور علمبردارانِ دین کی شان میں پڑھا۔

دن کے ایک اہم رکن اقرع بن حابس نے کہا، خدا کی قسم رسول اللہؐ کا خلیب اور شاعر ہمارے خلیب، اور شاعر سے زیادہ بہتر ہے۔ پھر سب نے اسلام قبول کیا۔ رسولؐ نے ان کے تمام قیدی ان کو واپس کر دیے۔

## حج میں سورۃ براءت کا اعلان

غزہ تبوک سے واپسی کے بعد محسن انسانیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے چند ماہ مدینے ہی میں مسلسل پیام رکھا۔ اسی زمانے میں جناب صدیق اکبرؓ کو اپنے نائب کی حیثیت سے تین سو صحابہ کے قافلہ حجاج کا امیر بنا کر مکے روانہ کیا۔ واضح رہے کہ بموجب روایات یہ حج فرضیت حج سے پہلے ہوا۔

حضرت صدیق اکبرؓ کی روانگی کے بعد سورۃ براءت کی آیات نازل ہوئیں جن میں نفسِ عہد کے سلسلے میں رہنمائی دی گئی تھی۔ سورۃ براءت میں جو پیغام مخالفین اسلام کے لیے تھا اسے حج کے اجتماع میں پہنچانے کے لیے حضورؐ نے اپنے ذاتی نمائندے کی حیثیت سے حضرت علیؓ کو روانہ کیا کہ وہ سورۃ براءت کو مخالفین کے سامنے پڑھ کر سنادیں۔

راستے میں جب حضرت علیؓ قافلہ حج سے جا کر ملے تو قاعدے کے مطابق حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ آپ امیر قافلہ کی حیثیت سے بھیجے گئے ہیں یا نامور کی حیثیت سے۔ انھوں نے جواب دیا نامور کی حیثیت سے یعنی حج کا سارا پردہ گرام تو حضرت ابوبکرؓ کی امارت کے تحت رہا۔ حضرت علیؓ کی ڈیوٹی صرف اتنی تھی کہ وہ حضور پاک

کی طرف سے سورہ براءت سنا دیں۔

یہ پہلا موقع تھا کہ عبادت حجِ اصلی اور ایسی سنت کے مطابق ادا کی گئی۔ قرآن نے حج کے متعلق جو اصلاحات نافذ کیں وہ یہ تھیں :-

حج سے تعلق رکھنے والے میلے ٹھیلے بند کر دیے گئے۔ اور ان موقعوں پر شاعری اور منافرت کے جو مقابلے ہوتے تھے ان کو ختم کر کے عبادت کا رنگ اُبھار دیا گیا۔

دورانِ حج میں رقت، نسوق اور جدال کی ممانعت کر دی گئی۔ یعنی ازدواجی تعلق پر پابندی لگ گئی، گالم گلوچ اور دزدگاہِ ساد کو ممنوع کر دیا گیا۔

باپ دادوں کی شان بیان کر کے ان پر فخر کرنے کا جو طریقہ جاہلی دور میں حج کے ساتھ رائج ہو گیا تھا، اسے ختم کر کے ذکرِ الہی کی ہدایت دی گئی۔

قربانی کرنے کا حکم دینے کے ساتھ، اس امر کی ممانعت کی گئی کہ قربانی کا گوشت کبے سے لٹکایا جائے یا دیواروں پر خون ملا جائے۔

مشرکانہ ردائیت کے مطابق غریباں ہو کر طواف کرنے کی ممانعت کر دی گئی اور بے حیائی سے رد کا گیا۔ مثبت طور پر قرآن میں تاکید کی گئی کہ ہر عبادت کے وقت لباس سے آراستہ ہونا چاہیے۔

”نسی“ کے رواج کو یکسر ختم کر دیا گیا، جس کا مطلب یہ تھا کہ حج کے لیے جن چار مہینوں کو واجب الاحترام قرار دیا گیا تھا، ان میں مشرکانہ نظام کے اکابر جب چاہتے تبدیلی کر لیتے کہ اس مرتبہ فلاں حرام مہینہ فلاں سے بدل دیا جائے گا۔ دوسرے لفظوں میں ہر سال غور و خوض کر کے کیلنڈر سسٹم کو اپنے مفاد کے مطابق بدل لیا جاتا۔ مثلاً کوئی جنگا کرنی ہے، یا تجارت کے لیے نکلنا ہے، تو جیسی ضرورت ہوئی تبدیلی کر لی جاتی۔ کیلنڈر میں گڑبڑ کرنے کی ممانعت کر دی گئی۔

ان اصلاحات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ کوئی بھی تعمیر و اصلاح چاہنے والی حکومت اور خاص طور پر اسلامی حکومت مختلف اداروں اور معاملوں کے خراب پہلوؤں کو جوڑوں کاٹوں پلٹنے نہیں دے سکتی۔ بلکہ وہ عبادات اور رسموں اور روایوں اور انسانی

لابطوں اور اداروں کی ہیئت اور قدروں کی ترتیب میں جہاں کہیں جاہلیت یا باطل یا فسق و فجور کے اثرات پائی ہے، چیتے کی آنکھ سے وہ ایک ایک ذرہ فاسد کو نشان زد کر کے اسے نوچ کر الگ کر دیتی ہے۔ خدا کا تو سراحت سے بیان کر رہے متصددین یہ ہے "طیب" سے "خبیث" کو الگ کر دیا جائے۔

خیر، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جب واپس مدینے پہنچے تو حضورؐ کی زیارت کرتے ہوئے دریافت کیا کہ "یا رسول اللہ! کیا میرے خلاف کوئی حکم نازل ہوا؟" حضورؐ نے فرمایا! "نہیں ہرگز نہیں" چونکہ متصدد سوال نبی اکرمؐ پر واضح تھا۔ اس لیے مزید یہ فرمایا کہ "یہ مناسب نہ تھا کہ میرے اہل کے سوا کوئی اور شخص معاہدے کے متعلق اعلان کرے" اس وقت حضرت سے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو اطمینان ہو گیا۔

سرت علیؓ نے حضورؐ کے ارشاد کے مطابق سورہ توبہ کا اعلان برائت بھی پڑھ

کر لیا اور حسب ذیل چار باتوں کا بھی اعلان کیا:

۱۔ جنت میں کوئی ایسا شخص داخل نہ ہوگا جو دین اسلام کو قبول کرنے سے انکار کرے۔

۲۔ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کے لیے نہ آئے۔

۳۔ بیت اللہ کے گرد برہنہ طواف کرنا ممنوع ہے۔

۴۔ جن لوگوں کے ساتھ رسول اللہؐ کا معاہدہ باقی ہے، یعنی جو نقض عہد کے مرتکب

نہیں ہوئے ان کے ساتھ مدت معاہدہ تک وفا کی جائے گی۔

اصل سورہ میں یہ حیثیت مجموعی مشرکین کے وجود کو ایک طرح سے خارج از قانون

(OUT LAW) قرار دے دیا گیا اور ان کو چار مہینے کی مدت دی گئی کہ وہ سوچ لیں کہ

آیا ان کو حضورؐ کے خلاف لڑنا ہے، ملک چھوڑ دینا ہے یا اسلام لاکر امن و سلامتی کی

زندگی گزارنی ہے۔



## مدینے میں وفود کی آمد

اللہ کی شان ہے کہ ایک وقت تھا، جب محسن انسانیت جناب محمد مصطفیٰ ایک ایک آدمی کو تلاش کر کے دعوت پہنچانے کی کوشش کرتے اور اس کوشش میں بھی مزاحمتیں پیش آتیں۔ اب دوسرا مرحلہ یہ سامنے آیا کہ عرب کے مختلف علاقوں سے وفود کی آمد کا تانا باندا لگایا جو خود مدینے حاضر ہو کر اسلام کی تحریکِ فلاحِ انسانیت میں شریک ہوتے۔

تاریخ کی بے شمار مثالیں گواہ ہیں کہ ہر دینی دعوت یا تحریک یا جماعت جب نمودار ہوتی ہے تو اگر وہ انقلابی روح رکھتی ہو، یعنی انسانی کردار اور معاشرے کے اجتماعی نظم کا جو ڈھانچہ پہلے سے موجود ہو، اسے توڑنا یا بدلنا چاہیے تو اسے پہلے کی قائم شدہ قیادت اور اہل مناد کی صفوں کی طرف سے سخت کش مکش پیش آتی ہے۔ یہ کش مکش دراصل دو اہل سنتی نگر فعال عناصر کے درمیان ہوتی ہے۔ اگر پہلے سے قائم شدہ قوت نئی اٹھنے والی دعوت کو کچل دے تو عوام وہیں رہتے ہیں جہاں تھے، لیکن اگر نئی قوت مسلسل زور پکڑتی چلے جائے تو آہستہ آہستہ جمود پسند عوام بھی اپنا وزن اُدھر ڈالتے چلے جاتے ہیں۔ خاص طور پر جب ایسا مرحلہ آجائے کہ یہ حقیقت محسوس ہونے لگے کہ اب پرانی قیادت ختم ہو رہی ہے اور مستقبل نئی

قوت کا ہے تو پھر لوگ تیزی سے نئے مرکز قوت کے گرد جمع ہو جاتے ہیں۔  
یہی صورت عرب میں پیش آئی۔ قریش مکہ اور ان کے حامیوں نے محمدی تحریک کے خلاف جنگ و  
تصادم کا جو سلسلہ شروع کر رکھا تھا اس میں وہ مسلسل پسپا اور کمزور ہوتے چلے گئے۔ یہاں  
تک کہ فتح مکہ کے بعد ان کی بالکل کمر ٹوٹ گئی۔ اس حالت کا نتیجہ یہ ہوا کہ عرب کے لوگ چاروں  
طرف سے حضورؐ کے ہاتھ پر اسلام اور اطاعت کی بیعت کرنے کے لیے اُٹھ پڑے۔ دند پر دند  
آنے لگے۔ اسی لیے سنہ ہجری کا نام ہی سالِ دند ہے۔ ویسے سلسلہ وفود ۹ھ ہی میں شروع  
ہو گیا تھا۔ دین وفود کا ذکر پہلے ہو چکا۔ اب چند اہم وفود کا اجمالی بیان ہو جائے۔ عام الوفود  
کا ذکر بھی اسی عنوان میں شامل ہے۔ یہاں تمام وفود کا ذکر کرنا ممکن نہیں۔

### یک نفری وفد ثقیف

فتح مکہ و خین کے بعد جب حضورؐ واپس مدینہ آئے تھے تو عمرو بن مسعود ثقیفی راستے  
ہی میں آکر رسولؐ پاک کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ نام معاہدہ حدیبیہ کے سلسلے میں سامنے آ  
چکا ہے۔ عمروؓ نے حضورؐ کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کی اور اپنی قوم میں تبلیغ کی اجازت چاہی۔  
حضورؐ نے اندیشہ ظاہر کیا کہ تمہاری درشت مزاج قوم تم کو کہیں قتل نہ کرے۔ وہی ہوا انہوں  
نے جا کر گھر کی چھت پر کھڑے ہو کر سب کو اسلام کی دعوت دی۔ لوگوں نے ان پر تیر چلائے۔  
وہ شہید ہو گئے۔

پھر لوگ ایک ماہ تک اس سوچ میں پڑے رہے کہ کیا کریں۔ آخر ایک سردار عبد اللہ  
۵ رکنی وفد لے کر مدینہ روانہ ہوا حضورؐ سے ملاقات کے وقت وفد نے تین عجیب شرائط  
پیش کیں۔ پہلی یہ کہ نماز ہمیں معاف کر دی جائے۔ دوسری یہ کہ ہمارے بت لاء کو ۳ سال  
تک منہدم نہ کیا جائے۔ تیسری یہ کہ ہمارے بت ہمارے ہاتھوں سے نہ توڑائے جائیں۔  
حضورؐ نے پہلی دو شرائط کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، البتہ تیسری کے متعلق فرمایا  
کہ یہ ہو سکتا ہے۔ پھر سب نے اسلام قبول کیا اور واپس ہوئے۔

بعد میں حضورؐ نے صحابیوں کی ایک جماعت کو بھیج کر ان کے ذریعے لات نامی بت

کو منہدم کرایا۔

### وفد بنی حنیفہ

یمامہ سے بنو حنیفہ کے افراد ثمامہ بن اثال کی دعوت سے متاثر ہو کر آئے اور اسلام لائے۔ مسیلمہ کذاب بھی ساتھ تھا۔ اس نے حضور کے اقتدار میں سے حصہ بٹانا چاہا۔ وہ کج ذہن دین کو بھی محض ایک دکانداری سمجھ کر کہنے لگا کہ اگر حضور اپنے بعد مجھے قائم مقام مقرر کرنے کا فیصلہ کریں تو میں بیعت کروں۔ حضور کے ہاتھ میں کھجور کی ایک شاخ چھڑی کے طور پر تھی۔ اس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ تم اگر یہ بھی مانگو تو میں تمہیں نہیں دے سکتا۔ ساتھ ہی فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جو کچھ تیرے لیے مقدر فرمایا ہے۔ اس میں سرمو فرق نہیں آسکتا۔ اور غالباً تو وہی ہے جسے مجھے خواب میں دکھلایا گیا ہے۔ حضور کو خواب میں دو کذابوں کے بارے میں اشارہ دیا گیا تھا۔

بعد میں مسیلمہ کذاب نے حضور کو خط لکھا جس کا اصل مضمون یہ تھا کہ ”میں تمہارے ساتھ شریک مقرر کیا گیا ہوں۔ نصف زمین ہمارے لیے، نصف قریش کے لیے۔“  
حضور نے جواباً لکھوایا کہ ”زمین اللہ کی ہے، وہ اپنے بندوں میں جسے چاہے عطا کرے۔“

### وفد بنی عامر

ایک وفد بنی عامر بن صعصعہ کی طرف سے حاضر ہوا۔ باتوں باتوں میں وفد کے ایک رکن عامر بن طفیل نے مدینے پر حملہ کرنے کی دھمکی دی۔ حضور نے فرمایا: اللہ تجھ کو اس کی قدرت نہیں دے گا! اس شقی آدمی نے اپنے ایک ساتھی کو اسکا یا کہ کسی ملاقات کے دوران میں حضور کو قتل کر دے۔ وہ کہتا ہے کہ دو ایک بار میں نے ارادہ بد کیا تو ایک دفعہ آہنی دیوارِ حال نظر آئی اور دوسری دفعہ اوتبٹ جو منہ پھاڑے میرے سر کو کپڑا چاہتا ہے۔ جب یہ لوگ اٹھے تو حضور نے دعا فرمائی: اے اللہ! مجھے عامر بن طفیل کے شر سے محفوظ رکھ!۔

وفد واپس چلا گیا۔ راستے ہی میں عامر بن طفیل طاعون کا شکار ہو گیا، دوسرے ساتھی

اربد بن قیس پہ بجلی گری۔ بقیہ اراکین وفد نے خلوص دل سے اسلام قبول کیا۔

### وفد فزارہ

بنی فزارہ کے ۱۴ آدمیوں کا وفد حاضر ہو کر اسلام لایا۔ حضورؐ نے علاقے کا حال پوچھا تو وفد والوں نے عرض کیا کہ فحط کی وجہ سے تباہ حال ہیں۔ حضورؐ نے بارانِ رحمت کی دعا فرمائی۔

### وفد عبد القیس

قبیلہ عبد القیس کے ۱۴ افراد کا ایک وفد ۵ ہجری میں مدینے آیا تھا۔ ۸ یا ۹ ہجری میں دوسری بار ۴۰ افراد کا بڑا وفد آیا۔ حضورؐ نے ان لوگوں کا خیر مقدم ان الفاظ سے کیا: ”مرحبا ہے اُس قوم کو جو نہ ذلیل ہوئی، نہ شمسار!“ یہ لوگ حلقہٴ اسلام میں داخل ہوئے اور اُنھوں نے عرض کیا کہ ہمارے رستے میں چونکہ قبیلہ مُضر کے مشرکین حائل ہیں اس لیے حرام مہینوں کے علاوہ ہم حاضر نہیں ہو سکتے۔ ہمیں کوئی جامع نصیحت فرمائیے۔ حضورؐ نے فرمایا: **وَلَا خَدَائِعَ وَاحِدَةٍ إِلَّا يَمَانُ لَادٍ**۔ گواہی دو کہ اللہ ایک ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اور محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کے رسول ہیں۔ نماز قائم کرو۔ زکوٰۃ ادا کرو، مالِ غنیمت میں سے پانچواں حصہ بیت المال کے سپرد کر دینا، پھر فرمایا، کہ جو لوگ تمہارے پیچھے رہ گئے ہیں، ان کو بھی انھنی باتوں کی دعوت دو۔

### وفد بنی مرہ

بنی مرہ کے ۱۳ افراد کا وفد حاضر ہوا۔ اسلام قبول کیا۔ قحط سالی کی تباہ کاریوں کا ذکر کیا۔ حضورؐ نے بارش کی دعا فرمائی۔ یہ لوگ واپس گئے تو معلوم ہوا کہ عین اسی روز بارش ہوئی جس روز حضورؐ نے دعا کی تھی اور تمام علاقہ سرسبز و شاداب ہو گیا۔ حضورؐ نے وفد کے ارکان کو سفر خرچ کے طور پر دس دس اوقیہ چاندی دی اور ان

کے سردار کو ۱۲ اوتیہ۔

اب ہر طرف سے لوگ آکر خود اسلام قبول کرنے لگے۔

### وعدت قبیلہ طے

قبیلہ طے کے ۱۵ آدمی حاضر خدمت ہوئے۔ ان کا سردار زید الخلیل تھا جس کے اسلام لانے پر حضور نے اس کا نام زید الخیر رکھا اور اس کی خوبیوں کی تعریف کی۔

### وفد ہمدان

قبیلہ ہمدان کے ۱۲۰ آدمیوں کا بیڑا وفد حاضر ہوا۔ بہت خوش پوش تھے۔ انھوں نے بڑی وضاحت کے ساتھ حضور سے گفتگو کی۔ ان کی ہر درخواست کو حضور نے منظور کیا۔ ایک مخیران کو لکھوادی۔ نیز ان میں سے ایک ابن نمنہ کو یہ پانچ سالوں کے لیے امیر مقرر کیا۔ واضح رہے کہ ایک سال پہلے رسول برحق نے حضرت خالد بن ولید کو ان لوگوں کی طرف دعوت اسلام دینے کے لیے بھیجا۔ چھ ماہ انھوں نے کام کیا مگر کوئی شخص مسلمان نہ ہوا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا گیا۔ انھوں نے لوگوں کو جمع کر کے حضور کا خط پڑھ کر سنایا اور اسلام کی دعوت دی۔ ایک ہی دن میں سب لوگ مسلمان ہو گئے۔ سب یہ اطلاع حضور کو ملی تو جہے میں سر رکت کر شکر ادا کیا۔

قبیلہ بنی اسد کے دس آدمی آئے۔ اسلام قبول کیا اور حضور سے کہا کہ ہم آپ کے بلائے بغیر ہی آگئے ہیں۔ اس پر سورہ حجرات کی وہ آیت اتری جس میں کہا گیا ہے کہ لَا تَتَّبِعُوا عَلٰیٰ اِسْلَامِکُمْ (اپنے مسلمان ہونے کا احسان مجھ پر نہ رکھو) کہانت اور رٹل پرائیوں نے سوال کیا۔ حضور نے ممانعت فرمائی۔

### وفد بنی عیس

بنی عیس کے ۲۰ آدمی آئے حضور سے عرض کیا کہ اسلام ہجرت کے بغیر معتبر نہیں۔ اگر

یہ صحیح ہے تو ہم اپنے مال مولیٰ فریخت کر کے حضورؐ کے پاس آجائیں۔ فتح مکہ کے بعد ہجرت کی فریخت ختم ہو گئی تھی حضورؐ نے ان کو جواب دیا کہ جہاں بھی رہو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، وہ تمہارے نتائج اعمال میں کوئی کمی نہ کرے گا۔

بنی مُتَنَفِقِیْن کا ایک وفد عین اس وقت پہنچا جب حضورؐ اخروی زندگی کے متعلق خطبہ دے رہے تھے۔ خطبہ سننے کے بعد یہ لوگ اسلام کے دائرے میں داخل ہو گئے۔ قبیلہ اُزْد کے سات افراد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ حضورؐ نے ان کی وضع قطع اور گفتار و کردار کو بہت پسند کیا۔

یہ لوگ پہلے سے ایمان لائے تھے۔ حضورؐ نے ان سے ایمان و اخلاق کے متعلق چند سوال کیے۔ انہوں نے درست جواب دیے کیونکہ معلمین اسلام سے وہ سیکھ چکے تھے۔ حضورؐ نے چند مزید باتوں کی نصیحت کی۔

## وفد نصاریٰ بخران

بخران مکے سے سات منزل دور یمن کا ایک بڑا شہر تھا جس کے ساتھ ۷۳ گاؤں بھی ملحق اور تابع تھے۔

عبدالسیح غائب کی قیادت میں بخران کے ۶ نصاریٰ وفد میں شامل تھے، یقیناً شہر کے اشراف و اعیان تھے۔

وفد کی آمد سے قبل شہر کی نماز پڑھی جا چکی تھی۔ وفد کے لوگوں نے بھی اپنے وقت پر نماز پڑھنا چاہی۔ بعض صحابہ کو یہ بات ناپسند ہوئی مگر حضورؐ نے فرمایا کہ انہیں پڑھنے دو۔ انہوں نے مشرق کی طرف منہ کر کے اپنے طریق پر نماز پڑھی۔

وفد کا اہم ترین موضوع بحث حضرت عیسیٰ اور ان کے متعلق نصرانی عقیدہ تھا۔ اس پر طویل گفتگو ہوئی اور حضورؐ نے الوہیت عیسیٰ کی تردید میں پُر زور دلائل دیے۔ وہ لوگ حتیٰ کو پہچان کر بھی قبول حق پر تیار نہ تھے۔ اس مرحلے پر آل عمران کی آیات ۶۰ اور ۶۱ نازل ہوئیں۔ ان آیات میں مباہلہ کا پہلے تھا یہی جب لال و شواہد سے فیصلہ نہ ہوتا ہو تو دونوں فریق

اپنی اپنی آل اولاد کو لے کر میدان میں آجائیں اور دونوں یہ دُعا کریں کہ جو فریق باطل پر ہو اس پر خدا کی لعنت ہو۔ چیلنج کے مطابق حضورؐ اپنی صاحبزادیؑ اور نواسوں اور حضرت علیؑ کو لے کر میدان میں آگئے۔ نصاریٰ پر عربیت طاری ہو گئی۔ حضورؐ سے ملت مانگی کہ شروع کر لیں۔ آپس میں بات کرتے ہوئے وہ یہاں تک کہتے رہے کہ ”خدا کی قسم! یہ اللہ کے رسول ہیں۔ اس لیے ہم کو مباہلہ سے گریز کرنا چاہیے۔“

حضورؐ نے نہ پایا کہ عذاب اہل نجران کے سردوں پر آگیا تھا۔ ان لوگ مباہلہ کرتے تو بندہ اور خنزیر بنا دیے جاتے، اور تمام وادی میں ان پر آگ برستی۔

دوسرے روز ایک معاہدے پایا جس کے رُوسے اہل نجران کی حفاظت کی ذمہ داری مسلم حکومت پر ڈالی گئی اور اس کے جواب میں ذمہ ٹیکس اہل نجران پر عائد ہوا۔ معاہدہ خاصا طویل ہے۔

جب یہ لوگ واپس نجران میں پہنچے تو وہاں پھر ان میں بحث چھڑ گئی کہ یہ نبی اگر سچا موعود نبی ہے تو ہمیں اس پر ایمان لانا چاہیے تھا۔ ایک عیسائی سردار سب سے الگ بھاگ کر مدینے پہنچا اور تحریک پر اسلامی کا علمبردار بن گیا۔ بعد میں ددار سردار بھی آگئے اور وہ بھی اسلام کے نور سے بہرہ مند ہوئے۔

اسل میں نجران کی آبادی کے ۲ حصے تھے۔ ایک غیر عیسائی امیتین کا، دوسرا نصاریٰ کا۔ پہلے گروہ نے شروع ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ دوسرے نے جزیہ پر صلح کی۔

اہ نجران کے نسرانیوں کا ذکر آد پر ہو چکا ہے اب دوسرے غیر عیسائی عنقر کا قصہ سنئے، رسولؐ خدا نے حضرت خالد بن ولید کو بنی حارث کی طرف بھیجا کہ تین روز تک دعوتِ اسلام دیں پھر اگر وہ نہ مانیں تو مقابلہ کریں۔ ہوا یہ کہ بنی حارث نے حضرت خالدؓ کے جاتے ہی اسلام قبول کر لیا۔ پھر حضرت خالدؓ بن ولید نے اس پاس کی آبادیوں میں دعوت پہنچائی۔ ہر طرف کے لوگ بلا تامل اسلام کو قبول کرتے گئے۔

حضورؐ نے تیس بن حصین کو امیر مقرر کیا۔ وفد کے جانے کے بعد عمرو بن حزم کو

## وفد قبیلہ ازو

قبیلہ ازو کے ۱۵ آدمی حاضر ہوئے اور مسلمان ہوئے۔ حضور نے حضرت سرور بن عبداللہ کو ان پر امیر مقرر فرما کر علاقے میں جہاد کرنے کی اجازت دی۔ یعنی یہ چھوٹی موٹی مخالف قوتوں کا دبانے کی ذمہ داری تھی۔ انھوں نے اہل جرش کا محاصرہ کر لیا۔ بعض مراحل سے گزرنے کے بعد فتح پائی۔

## وفد خولان

یمن ہی سے قبیلہ خولان کے دس آدمیوں کا وفد آیا۔ ان لوگوں نے بیان کیا کہ ہم پہلے سے ایمان لائے ہیں، محض حضور کی زیارت کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔ حضور نے فرمایا، ہر قدم پر تمھارے لیے نیکی ہے۔ جو شخص میری زیارت کے لیے مدینے حاضر ہو اور قیامت کے دن میری پناہ اور امان میں ہوگا۔  
حضور نے ان لوگوں کو ضروری تعلیمات دیں، نصائح کیں اور ۱۲ دقیقہ چاندی زاد راہ کے طور پر عنایت فرمائی۔

## وفد غسان

غسان کے تیس آدمی بارگاہ رسالت میں آئے اور مشرف بہ اسلام ہوئے۔ حضور نے انہیں لو بھی زاد سفر دیا۔

(بقرہ حاشیہ از ص ۱۹۹)

تعلیم دین اور وصولی صدقات کے لیے نامور فرمایا اور ایک مفصل تحریر ان کو لکھ کر دی۔ یہ تحریر کتابوں میں محفوظ ہے۔ اس میں زکوٰۃ و صدقات کے احکام بھی بیان کیے گئے ہیں، جزیہ کے بھی، زمینوں کے حقوق کا بھی تذکرہ ہے اور مسلمان حاکم کی ذمہ داریوں کا بیان بھی۔



## ۲۰۱

یمن کی طرت رسول خدا نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو یمن سوا دیسوں کے ساتھ روانہ فرمایا کہ وہاں جا کر پہلے دعوتِ اسلام دینا۔ اگر وہ لوگ اسلام لے آئیں تو کوئی تعرض نہ کرنا۔ ”خدا کی قسم! اگر تیری تبلیغ سے ایک شخص بھی ہدایت پا جائے تو دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے“ حضرت علیؓ نے علاقے میں جا کر کام کیا۔ مگر کسی نے اسلام قبول نہ کیا۔ مجبوراً جنگ کی جس کے نتیجے میں مالِ غنیمت بھی ہاتھ آیا۔

## وفد قبیلہ سلیمان

ماہِ شوال میں قبیلہ سلیمان کا ایک وفد پہنچا جو سات افراد پر مشتمل تھا۔ انہوں نے اسلام قبول کیا۔ بعد میں اپنے علاقے کی قحط سالی کا حال سنایا۔ حضورؐ نے بارانِ رحمت کی دعا کی۔ ان کو بھی زادِ راہ دے کر رخصت کیا۔

## وفد قبیلہ نجیب

یمن کے قبیلہ کندہ کی ایک شاخ قبیلہ نجیب تھی۔ اس قبیلے کے ۱۳ آدمی صدقات کا مال لے کر بارگاہِ رسالت میں پہنچے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اس مال کو وہیں لے جاؤ اور وہیں کے فقرا پر تقسیم کر دو۔ وفد نے بتایا کہ ہم فقرا کو نہ بننے کے بعد بچا ہوا مال لائے ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ شریکِ محفل تھے۔ کہنے لگے ”یا رسول اللہؐ نجیب جیسا وفد آج تک نہیں آیا“

ان لوگوں نے حضورؐ سے بہت سے مسائل دریافت کیے جن کے جوابات لکھوا کر دیے گئے۔ رسولِ پاکؐ نے جناب بلالؓ سے فرمایا کہ ان ہمانوں کی تواضع اچھی طرح کی جائے۔ چند روزہ کر وفد کے لوگوں نے اجازت چاہی اور عرض کیا کہ ہم نے جو فیوض و برکات حاصل کیے ہیں، ان کو اپنی قوم تک پہنچانا چاہتے ہیں۔

حضورؐ نے ان کو کافی زادِ راہ دیا۔

جاتے جاتے اہلِ وفد نے کہا کہ ایک نوجوان حاضری سے رہ گیا ہے جو سامان کی حفاظت پر مامور تھا۔ اسے بلوایا گیا۔ اس نے حضورؐ سے درخواست کی کہ یا رسول اللہ! آپؐ نے میرے قبیلے کی حاجات پوری فرمائیں، میری بھی ایک حاجت ہے۔ دریا نت کرنے پر اس نے کہا کہ میں صرف اس لیے گھر سے نکلا ہوں کہ حضورؐ میرے لیے خدا سے مغفرت کی دعا فرمائیں۔ وہ مجھ پر رحم فرمائے اور میرے دل کو غمی کر دے۔ یہی دعا حضورؐ نے کی۔

بعد میں یہ نوجوان زہد و قناعت کا مجسمہ ثابت ہوا، اور حضورؐ کے دہائیوں کے بعد جب فتنہ ارتداد کا سلسلہ چلا اور یمن والوں میں بھی زلزلہ پیدا ہوا تو اسی نوجوان کے غلط و تلقین سے اہلِ یمن ایمان پر قائم رہے۔

## کاذب مدعیان نبوت کا فتنہ

محسن انسانیت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی کا انتہائی درخشاں اور  
 یکمیلی باب اب ہمارے سامنے آ رہا ہے۔  
 لیکن اس پر بات کرنے سے پہلے ایک تخریبی فتنے کا ذکر جس نے کئی اطراف سے  
 سراٹھایا، مگر بہت جلد اس کا قلع قمع ہو گیا۔ شیاطین جن و انس نے اپنی ساری ذہانتیں  
 جمع کر کے حضور کی تحریک اور ریاست کے خلاف بیچال چلی کہ جعلی نبوتوں کے جھنڈے بلند کر دیے۔  
 حضور کی تیار کردہ قیادت نے حالات کی پیچیدگی کے باوجود بڑے سے مضبوط ہاتھوں سے  
 ان فتنوں کا سرکچلا، اور ارتداد کے اثر سے نکال کر عوام کو اسلام کے نظم میں کس دیا۔  
 میلہ کذاب کا تذکرہ و فود کے سلسلے میں اچکا ہے۔ یہ شخص ادب و شعر سے س رکتا  
 تھا، اس لیے قرآن کی آیات کو سامنے رکھ کر مقفی عبار میں گھڑ لیتا اور اپنے صحرائی عوام کو  
 سنانا۔ اس کا دعویٰ و مطالبہ یہ تھا کہ ادھا علاقہ محمد لے لیں اور اس میں ان کی نبوت  
 چلے، ادھا علاقہ میرے پاس رہے اور اس میں میں نبوت کروں۔ جن لوگوں کی ذہنی وابستگی  
 ابھی جاہلیت سے باقی تھی یا جن میں شراب اور زنا اور قمار کی مخفی دلچسپیاں موجود تھیں،

وہ لوگ اس کے ساتھ ہو لیے۔ کچھ نو مسلم جو ابھی تعلیم و تربیت نہیں پاچکے تھے، اُن کو اس شخص نے رام کر لیا۔ اور ایک طرح کی تحریک اترداد اٹھا دی۔ دورِ سدیقی میں اس کا خاتمہ ہوا۔

پھر ایک عورت مسیلمہ کے علاقے کے پڑوس میں اکھٹی جس کا نام سباج تھا۔ اس نے مساواتِ مرد و زن کے فلسفے سے سرشار ہو کر زنانہ نبوت کا علم پوری تاریخ میں پہلی بار بلند کیا۔ مسیلمہ نے اس سے ملاقات کی۔ تنہائی میں گفتگو ہوئی۔ مسیلمہ نے نیدلانی دھی کے ایسے پارے پیش کیے کہ سباج جنس کی رد میں بہ گئی اور درمیان اپنے دعوئے نبوت کے مسیلمہ کی شخصیت میں ضم ہو گئی۔

اسی طرح یمن سے ایک شخص ذرا بعد میں مدنی نبوت بن کر اٹھا۔ یہ اسود عتسی تھا۔ اس کے اثر و نفوذ کا باعث اس کے جادو منتر وغیرہ کے مشغلے تھے۔ اس ظالم نے اسلامی حکومت کے بعض افسروں اور معلموں کو قتل کر دیا اور بعض کو اپنے علاقے سے نکال دیا۔ اس نے ایک ایرانی النسل مسلمان کو قتل کر کے اس کی خوب رُو بیوی کو جبراً رونق خانہ بنا لیا۔ یہ خاتون ایمان میں اتنی پختہ تھی کہ اسی کی امداد سے اسلامی حکومت اسود عتسی پر قابو پاسکی۔

طلیحہ بن خویلد اسدی کو بھی یہ نمونہ دیکھ کر شوق چڑایا اور اپنے قبیلے بنو غطفان سے اسے کچھ پیروکار مل گئے۔ اس کا خاتمہ بھی دورِ سدیقی میں ہوا۔

عثمان کے لقبی بن مالک ازری کے دماغ میں جھوٹی نبوت کا کیرا کلبلا نے لگا۔ یہ تمام متفشی افراد حیب زکواہ کے اموال کا ایک سیلاب مدینے کی طرف جاتا دیکھتے تو ان کے مُتہ میں پانی بھرتا۔ مگر انھیں صرف یہ بات سمجھ میں نہ آسکی کہ نبوت صرف دعوے کے پٹھے کا نام نہیں ہے بلکہ اس کے لیے ذہن و کردار کی دھات بھی پاکیزہ ہونی چاہیے۔ کسی کھوٹی دھات کے اُد پر اشرفی کا ٹھپہ لگانے سے اشرفی نہیں بنتی۔ یہ پچارے نبوت کی جو اشرفیاں لے کے آئے وہ تاریخ کے بازار میں ٹھیکریاں نکلیں۔

## تقریر ۳۵

## حجۃ الوداع

اب ہمارے سلسلے حجۃ الوداع کا عظیم الشان واقعہ ہے۔

حج اسلام کی پانچ بنیادی فرض عبادتوں میں سے ایک ہے۔ ہر مسلمان کے لیے بشرط استطاعت عمر بھر میں ایک مرتبہ بیت اللہ شریف تک جانا اور ارکان حج ادا کرنا ضروری ہے۔ کعبہ اور اس کے اردگرد کی مسجد اور اس کے پاس پھیلے ہوئے حرم میں بڑی برکات ہیں۔ اس مقدس فضا میں حضرت ابراہیم واسمعیل علیہما السلام کی قربانیوں کی خوشبو پھیلی ہوئی ہے۔ ان کی دعاؤں کی چمک دمک محسوس ہوتی ہے۔ یہاں صفادسردہ کے ٹیلے ہیں جن کے درمیان حضرت ہاجرہ پیاس سے بلکتے بچے کے لیے ادھر سے ادھر دوڑتی رہی تھیں۔ یہاں چاندنمزم ہے جس سے نہ صرف حضرت اسمعیل اور ان کی والدہ سیراب ہوئے بلکہ آج تک لاکھوں انسان اس سے اپنی پیاس بجھاتے چلے آ رہے ہیں۔ پھر اس ماحول میں پیغمبر آخر الزماں کی دعوت کی گونج سنائی دیتی ہے۔ اس میں اذہین علمبرداران اسلام کی عقوبتوں کے نقوش لگی گئی پھیلے ہوئے ہیں۔ مزید یہ کہ جیسے مکہ کو فتح کرنے والی فوج کے دستے مارچ کرتے دکھائی دینے لگتے ہیں۔ جبل نور جس کی چوٹی سارے پہاڑوں سے رنگ اور دھج میں بالکل الگ

سے اس پر وہ غارِ ہراہوں کا توں موجود ہے جس میں حضور پر اڈلیں وحی نازل ہوئی تھی۔ کوہِ صفا ہے جہاں سے آپ نے پہلی بار توں کو پکارا۔ یہیں ام ہانی کا مکان تھا جہاں سے حضور کا سفر معراج شروع ہوا۔ یہیں شعب ابی طالب کا مقام واقع تھا۔ جہاں حضور اور قبیلہ ہاشم کو ۳ سال تک بندر ہنا پڑا۔ پاس ہی غارِ ثور ہے جو سفرِ ہجرت کی منزلِ اول بنا۔ یہاں تنیم ہے جہاں حضرت زید اور حضرت خباب کو مشرکین نے موت کے گھاٹ اتارا۔

یہاں وہ وادی محسر ہے جہاں پیغمبر برحق کی ولادت سے ۳ سال قبل اصحابِ نیل پر عذاب وارد ہوا۔ یہاں وہ قربان گاہ ہے جہاں ایک اشار الہی کے تحت حضرت ابراہیم اپنے بیٹے اسمعیل کو ذبح کرنے کے لیے لے گئے تھے۔

غرض کہ یہاں کا ہر ذرہ ہماری تاریخ کے مقدس ترین ایوان کا ایک ستہ ورق ہے۔ حج سے مقصود جہاں خدا سے کامل وابستگی اور ابراہیمی مرکزِ توحید سے روحانی تعلق کی استواری ہے، وہاں ایک غرض یہ بھی ہے کہ ہمارا حال ہمارے دین کے شاندار باطن سے معائنہ کرے۔

جیسا کہ ذکر کر چکے ہیں کہ ۹۷ھ کے حج میں اعلانِ برائت کیا گیا۔ حضرت علی نے حضور کے ذاتی نمائندہ کی حیثیت سے سورہ برائت کی ابتدائی چالیس آیات پڑھ کر سنائیں۔ ان میں مرکزی اعلان یہ تھا کہ مشرکین جو امن کے معاہدوں میں خلل اندازیاں کرتے رہتے ہیں، ان کے ساتھ معاہدہ تعلق ختم کیا جاتا ہے اور ان کو چار مہینے کی مہلت دی جاتی ہے کہ چاہیں تو اسلام قبول کریں، چاہیں تو وہ عرب کی اسلامی حکومت کی شہریت ترک کر کے باہر چلے جائیں اور چاہیں تو جنگ کریں۔ اس مہلت کے بعد وہ جہاں بھی نظر آئیں گے قتل کر دیے جائیں گے۔

اس حج میں حضور شرکت نہ کر سکے تھے، اور اس کے فوراً بعد حج کو اللہ تعالیٰ نے فرض کر دیا۔

سنہ میں حضور نے حج کا ارادہ فرمایا۔ اس کی خبر پھیلی تو اس پاس کے علاقوں

کے لوگ تیاری کرنے لگے۔

رسول برحق نے مدینہ منورہ سے سفر حج پر نکلنے سے پہلے ایک خصوصی خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس تقریر میں آپ نے صحابہ کو احرام کے قواعد اور حج کے واجبات و سنن کی تعلیم دی۔ اقدام سے پہلے نمازِ ظہر مسجد میں ادا فرمائی، سر میں تیل ڈالا، کنگھی کی اور عصر سے کچھ پہلے روانہ ہوئے۔ ذوالحلیفہ کے مقام پر احرام باندھنے کے لیے پڑاؤ کیا۔ اور عصر کی نماز قصر کر کے پڑھی۔ اُس دن سے مدینے والوں کے لیے یہی مقام میقات قرار پایا۔ دوسرے دن نمازِ ظہر سے فارغ ہو کر عمرہ اور حج کی نیت کر کے احرام باندھا اور قافلہ رفقاء کو روانگی کا حکم دیا۔ تلبیہ یعنی لیلک اللہم لیلیک کہنے کے بعد حضور اپنی اونٹنی قسویٰ پر سوار ہوئے۔ وقفے وقفے سے حضور خود بھی تلبیہ باوازِ بلند پڑھتے اور صحابہ کو بھی اس کا حکم دیتے۔ عجیب سماں ہو گا کہ اس مبارک اجتماعی نغمے سے پہاڑیاں اور وادیاں اور گھاٹیاں گونج رہی ہوں گی۔ راستے میں مختلف قبائل کے لوگ آ کر اس کاروانِ نور میں شامل ہوتے چلے جا رہے تھے جیسے چھوٹی چھوٹی ندیاں کسی بڑے دریا میں ملتی جاتی ہیں۔ یہ ایک لاکھ ۲۴ ہزار انسانوں کا متحرک اجتماع گویا حضور کے سامنے اُس ایمانی داخلاتی فصلی کے ایک بڑے حصے کو نمایاں کر رہا تھا جسے آپ نے مصیبتیں اٹھا اٹھا کر انسانی تلوہ میں بویا تھا، جسے اُنسوؤں اور خون کے قطروں سے سینچا تھا، اور جسے تباہ کرنے والے جنگلی جانوروں اور کیرے کوڑوں سے اور لوہے کے تھپیڑوں اور بجلی کے کڑکوں سے بچانے کے لیے آپ کے رفقاء نے اپنی جانیں قربان کر دیں۔ خود قرآن نے حضور کی دعوتِ حق اور اسے قبول کرنے والوں کے لیے یہی تشبیہ استعمال کی ہے۔ کذریعِ اخرج شطاًء!

سفر کے نویں دن یعنی ۴ ذی الحجہ کو صبح کے وقت حضور مکے کے پاس وادی طویٰ میں ذرا دیر کے لیے رُکے پھر مکے میں داخل ہوئے۔ بنو ہاشم کے لڑکوں اور بچوں کو خبر ہوئی تو خوشی کے مارے دوڑے دوڑے آئے حضور نے ان میں سے کسی کو سواری پر اپنے آگے بٹھایا اور کسی کو پیچھے۔ رسول برحق کی پہلی نظر کعبۃ اللہ پر پڑی تو دعا کی! اے خدا! اس گھر کو اور زیادہ عزت و شرف دے!

پھر کعبہ کا طواف کیا، مقام ابراہیم پر دو گانہ پڑھا۔ پھر حجرِ اسود کی طرف گئے اور اسے بوسہ دیا۔ پھر کوہِ صفا کی طرف پہنچے۔ ہر مقام پر کچھ آیات پڑھیں اور دعائیں کیں۔ پھر سعی کی تکمیل کے بعد سروہ کی بلندی پر کھڑے ہوئے اور ہجوم سے چند مسائل حج و عمرہ پر بات کی۔ یومِ ترویہ یعنی ۸ ذی الحجہ کو متی کا قصد فرمایا۔ رات وہیں قیام رہا۔ اگلے دن سورج بلند ہونے پر وادیِ نمرہ میں خیمہ نصب کرایا جس کے ایک طرف عرفات اور دوسری جانب مزدلفہ ہے۔ یہ قریش کے رواجوں سے مختلف صورت تھی حضورؐ دن دھلنے تک خیمے میں رہے پھر قصویٰ پر سوار ہو کر عرفات تشریف لائے۔ عرفات نامی چھوٹی سی پہاڑی یا ٹیلے پر تشریف لے گئے اور قصویٰ پر سواری کی حالت ہی میں خطبہ دیا۔ اس زمانے کے لوگوں نے بڑے مجموعوں میں آواز پہنچانے کا جو طریقہ نکالا تھا۔ اس کے مطابق آپؐ کے چاروں طرف بکر حضرات کھڑے تھے جو آپؐ کے ہر جملے کو با آواز بلند دہراتے، پھر آگے اور بڑے بکروں کا وسیع تر دائرہ ہوتا اور وہ بات کو آگے پہنچاتے۔

خطبہ حجتہ الوداع ایک ایسی عظیم الشان بین الانسانی دستاویز ہے جو نہ صرف اپنے دور میں آگے یا پیچھے کوئی مثال نہیں رکھتی، بلکہ آج بھی انسانیت کے پاس ایسا عظیم منشورِ حقوق موجود نہیں ہے جسے دینی تقدس کے ساتھ نافذ کرنے کے لیے ایک عالمی جماعت یا امت کام کرنے کے لیے تیار کی گئی۔ اس کے بعض اجزا جدید دور میں دوسروں کی دستاویزات میں بھی ملتے ہیں، مگر ان کا غدی پھولوں میں عمل کی خوشبو کبھی پیدائہ ہو سکی۔ پھر خطبہ حجتہ الوداع کے اساسی عقائد کے علاوہ بعض اہم اجزا ایسے ہیں جن کی قدر و قیمت سے ہماری آج کی روشن دماغ دنیا آشنا ہی نہیں۔

خطبہ حجتہ الوداع نہایت ہی خوبی سے اس حقیقت کو اجاگر کر دیتا ہے کہ اب تک کے دو تین ہزار سالہ دورِ تاریخ میں حضورؐ پیغمبرِ آخر الزماں وہ پہلی مبارک شخصیت ہیں جو ساری انسانیت کے لیے وسیع اور جامع پیغام لے کے آئے اور اس پیغام کو ایک تحریک کی شکل میں جاری کیا، اس پر مبنی ریاست قائم کی۔ اور اسے دنیا کی تمام اقوام تک پہنچانے کے لیے شہداء علی الناس کی ایک جماعت قائم کیا۔



ابہم اس عظیم الشان خطبے کے اہم اجزا کا ذکر کرتے ہیں:  
حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ عرفات کے علاوہ منیٰ میں بھی آپ نے تقریر فرمائی۔  
مختلف خطبوں میں یہ باتیں ارشاد فرمائیں۔

”لوگو! میری بات ثور سے سنو، شاید اس سال کے بعد اس مقام پر میں پھر تم  
سے کبھی نہ مل سکوں۔“

”جاہلیت، یعنی غیر اسلامی زندگی کے تمام دستور میرے پاؤں کے نیچے ہیں“ (یعنی  
ان کو ختم کیا جا رہا ہے۔)

”اے انسانو! تمہارا رب بھی ایک ہے اور تمہارا اب بھی ایک ہے۔“

یعنی انسانیت کا اتحاد وحدت رب اور وحدت اب، یا وحدت اللہ اور وحدت آدم  
کی بنیاد پر قائم ہو سکتا ہے۔

”کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں، نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر، نہ سرخ کو  
سیاہ پر، اور نہ سیاہ کو سرخ پر۔ فضیلت کوئی ہے تو فقط تقویٰ سے ہے۔“  
یعنی نسل و رنگ اور وطن و علاقہ کسی بڑائی کی بنیاد نہیں ہیں، بڑائی کا ذریعہ اگر  
کوئی ہے تو ایمان اور کردار ہے۔

”ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، اور تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔“  
یعنی اسلام ایک نظام اخوت ہے اور مسلمانوں کی بنائے اجتماع اور بنائے اخوت  
سوائے اسلام کے کچھ نہیں۔ ان کو حتی نہیں کہ وہ وطن اور نسل اور قبیلے اور علاقے اور  
رنگ کی بنیاد پر جمع ہونے کے لیے ایک دوسرے کو لپکاریں۔

”لوگو! اس آخری وقت تک جب تم اپنے رب سے جا ملو، تمہارے خون اور  
تمہارے اموال ایک دوسرے پر حرام ہیں (قابلِ تحفظ ہیں) جیسے تمہارے اس دن کی  
حرمت ہے اور جیسے تمہارے اس پہننے کی حرمت ہے اور جیسے تمہارے اس شہر کی  
حرمت ہے۔“

”ہاں تمہارے غلام! تمہارے غلام! جو کچھ خود کھاؤ وہی ان کو کھلاؤ اور جو خود

پہنود ہی ان کو پہناؤ“

یعنی جن لوگوں کو خدمت میں لیا جائے۔ ان کو اپنی طرح یا گھر کے ایک رکن کی طرح رکھنا چاہیے اور مساویانہ قسم کا کھانا اور لباس اُنھیں دینا چاہیے۔  
 ”اور جاہلیت یعنی غیر اسلامی دور کے تمام خون (جن سے سلسلہ انتقام چلتا ہے) کا لعدم کر دیے گئے اور سب سے پہلے میں ربیعہ ابن الحرث کے بیٹے کے خون کو کا لعدم قرار دیتا ہوں۔“

یعنی حضور نے اس قانون کے اجرا کا آغاز اپنے اقربا سے فرمایا۔  
 ”اور دورِ جاہلیت کے تمام سود ختم کیے جاتے ہیں، اور سب سے پہلے میں اپنے ہی خاندان میں سے عباس بن عبد المطلب کا سود ختم کرتا ہوں“ اللہ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ سود نہیں رہے گا۔

یعنی اسلام سے پہلے سود کا جو دور دورہ تھا، اس کے تحت جن لوگوں کی سود کی رقمیں دوسروں کے ذمے ہیں، ان پر خطِ تہنیت کھینچا جاتا ہے۔  
 ”اے انسانو! تم اپنی خواتین پر حق رکھتے ہو، اور خواتین تم پر حق رکھتی ہیں تمہاری طرف سے اُن پر لازم ہے کہ وہ تمہاری خواب گاہوں میں کسی غیر کو نہ آنے دیں۔ جبکہ یہ بات تمہارے لیے ناقابلِ برداشت ہے۔ اور خواتین پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ کسی کھلے کھلے فحش امر کا ارتکاب نہ کریں۔ اور اگر وہ ان غلط چیزوں کا ارتکاب کریں تو تم (تادیباً) اُنھیں اپنی خواب گاہوں سے الگ کر سکتے ہو۔ اور صرف اس حد تک سختی کر سکتے ہو کہ ان کے بدن پر کوئی نشان نہ پڑے۔ پھر اگر وہ غلط روش سے بچیں تو معروف معیار اور طریقے کے مطابق ان کے نان و نفقہ کی ذمہ داری تم پر ہے۔“

”خواتین کے بارے میں میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ ان کے ساتھ بھلائی کا رویہ اختیار کرو، کیونکہ وہ تمہارے زیرِ قیادت رکھی گئی ہیں۔ وہ اپنے لیے از خود کچھ نہیں کر سکتیں۔ اور تم نے اُنھیں اللہ کی امانت کے طور پر حاصل کیا ہے۔ اللہ کے کلمات یا قوانین کے تحت ان سے بدنی وابستگی کا جواز حاصل کیا ہے۔“

یعنی مردوں کا یہ مقام نہیں کہ ان کو بھیڑ بکری سمجھیں، بلکہ سارا معاملہ اللہ کے قوانین کے تحت ہونا چاہیے اور ان سے بھلائی کا برتاؤ کرنا چاہیے۔

”اے لوگو! میرے بعد کوئی نبی نہیں، اور نہ تمہارے بعد کوئی نئی امت نمودار ہونے والی ہے۔ پس اپنے رب کی پرستش کرو، نماز پینچگانہ ادا کرو، ماہِ رمضان کے روزے رکھو، اپنے اموال کی زکوٰۃ پاکیزگیِ دل کے ساتھ ادا کرو، اپنے رب کے گھر کا حج کرو، اور اپنے اربابِ قیادت کی اطاعت کرو۔ تاکہ خدا کی جنت میں تمہارا داخلہ ہو۔“

”اگر نکتا جشتی بھی تم پر امیر ہو اور وہ تم کو خدا کی کتاب کے مطابق لے چلے تو اس کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو۔“

”میں نے تمہارے درمیان وہ چیز چھوڑی ہے جس کا سررشتہ اگر مضبوطی سے تھامے رکھو گے تو تم آخر دم تک کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ وہ ہے خدا کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت۔“ پھر فرمایا: ”اے اللہ میں نے بات پہنچا دی۔ اے اللہ تو گواہ رہ کہ میں نے بات پہنچا دی۔“ لوگوں نے پکار کر کہا: ”ہم شہادت دیتے ہیں آپ نے پیغام پہنچا دیا۔“ پھر فرمایا: ”جو یہاں موجود ہیں وہ ان لوگوں تک یہ باتیں پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں ہیں۔“

خطبے کے بعد نماز ادا کرنا پائی۔ پھر موقوف میں تشریف لاکر جلِ مشائخ کے سامنے قبلہ رو ہوئے اور شدید گمراہی کے ساتھ غروبِ آفتاب تک دعا فرماتے رہے۔

اسی مقام پر مشہور آیت نازل ہوئی: **الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَارْتَمَيْتُمْ عَلَيكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ لَكُمْ اِلٰهَ سَلَامٍ دِينًا**۔ اس آیت کا واضح اشارہ یہ تھا کہ محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کو جس مقصد کے لیے دنیا میں بھیجا گیا تھا، وہ پورا ہو چکا اور جو احکامِ خدا کی طرف سے آنے تھے آپ کے۔

بعد ازاں حضور نے حج کے بقیہ مناسک و مراحل کی تکمیل کی۔ قربانی کے لیے یمن سے حضرت علیؓ رسولِ خدا کے لیے ستواؤنٹ لائے تھے۔ حضور نے ۶۳ اونٹ اپنے

دستِ مبارک سے تحر کیے، یقینہ کو حضرت علیؑ کے سپرد کیا۔  
 ۱۳، اور ۱۴ ذی الحجہ کی درمیانی رات کو پچھلے پہر مکہ تشریف لائے۔ طوائف  
 وداع کیا اور نماز فجر ادا کرنے کے بعد مہاجرین و انصار کے ساتھ مدینے کو مراجعت  
 فرمائی۔

## اللہم الرفیق الاعلیٰ

جنتہ الوداع کے موقع پر خطبے میں حضورؐ کا یہ فرمانا کہ میں شاید اس سال کے بعد اس جگہ تم لوگوں سے دوبارہ نہیں مل سکوں گا۔ اور یہ فرمانا کہ اے اللہ گواہ رہو کہ میں نے بات پہنچا دی۔ نیز یہ وصیت فرمانا کہ تمہارے درمیان کتاب و سنت کو چھوڑے جا رہا ہوں، جیت تک ان کا رشتہ تمہارے رکھو گے، کبھی گمراہ نہ ہو گے اور اس آیت کا نزول کہ الیوم اکملت لکم دینکم اور رحلت سے ۶ ماہ پہلے سورہ نصر کا نازل ہونا، یہ سب ایسے اشارات تھے جن سے ظاہر تھا کہ خدا کا سفیر دین حق کا تقییب ملت اسلامیہ کا پیشوا، تاریخ کا قافلہ سالار، تہذیب کا معمار اور انسانیت کا محسن عنقریب جدا ہونے والا ہے۔ بلکہ حجۃ الوداع سے واپس مدینے آتے ہوئے غدیر خم کے مقام پر صاف فرمایا کہ میں بھی انسان ہوں اور شاید میرے پاس خدا کی طرف سے قاصد جلد آجائے۔

خطبہ غدیر خم میں آپؐ نے یہ بھی فرمایا: ”میں ذمہ داری کے دو پوچھ تمہارے درمیان چھوڑے جا رہا ہوں۔ ایک خدا کی کتاب جس میں ضابطہ ہدایت اور روشنی اور حکمت ہے؛

سو خدا کی کتاب کو تمام لو اور اسی سے رہنمائی حاصل کر دو۔ پھر فرمایا۔ اور دوسرے میرے گھر کے لوگ ہیں۔ اپنے گھر کے لوگوں کے بارے میں میں تمہیں خدا ہی کی یاد دلاتا ہوں۔“

منشا صاف تھا کہ ساری بات حضورؐ اپنے بعد کے دور کے لیے بطور وصیت کر رہے تھے۔ پہلی وصیت کتاب اللہ کو ضابطہ حیات بنانے کی تھی، اور دوسری وصیت یہ کہ میرے گھر کے لوگوں کا خیال رکھنا۔ حضورؐ کے گھر کے لوگوں نے ساری عمر میں فقر و فاقہ میں گزاریں اور حضورؐ کی طرف سے نہ ان کے لیے کوئی جائیداد بنائی گئی، نہ کوئی خزانہ جمع ہوا اور نہ ان کے لیے خصوصی مفاد اور حقوق اور تحفظات مقرر کیے گئے۔ حضورؐ نے خود تو تمام حقوق و مفاد کی قربانی دی تھی، ساتھ ساتھ اہل خاندان کو بھی دولت سیمٹنے اور فائدے اٹھانے سے باز رہنے کی تربیت دی۔ ظاہر ہے کہ حضورؐ نے اپنی جماعت کو یہ توجہ دلانا مناسب سمجھا کہ میرے خاندان اور گھر والوں کا خیال رکھنا بھی تمہاری ذمہ داری ہے کیونکہ حضورؐ کے اہل خاندان آپؐ کی نجی زندگی کے شاہد اور آپؐ کے معمولات کو قریب سے دیکھنے والے اور براہ راست حضورؐ سے تعلیم و تربیت پانے والے تھے، اس لیے وہ اُمت کے لیے تعلیم دین کا ایک قیمتی ذریعہ بھی تھے۔ اُن کا خیال رکھنا اُمت کے لیے اس وجہ سے بھی لازم تھا کہ وہ حضورؐ کے اقربا کو پریشان حالی میں چھوڑ کر ان کے معلمانہ و مرتبانہ فیوض سے محروم نہ ہو جائیں۔

اس خلیفہ کا ایک اور پہلو بھی قابل توجہ ہے۔ حضرت علیؑ کے ساتھ جو صحابہ یمن بھیجے گئے تھے، انہیں تقسیم غنائم کے سلسلے میں حضرت علیؑ سے اختلاف ہو گیا تھا۔ ایسا ہونا بالکل قرین تیاں ہے کہ جب کسی بڑے کام کے لیے مختلف دائروں سے آپؑ کے لوگ اکٹھے ہوتے ہیں تو مزاجوں کے فرق اور رایوں کے اختلاف کے مواقع بار بار پیش آتے ہی رہتے ہیں۔ اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ کبھی کبھار کسی بحث میں تلخی آجاتی ہے اور اختلاف تلکد کا باعث بن جاتا ہے۔ آخر انسانی فطرت اپنے گونا گوں داعیات و محرکات سے خالی ہو کر بالکل سادہ کیسے بن سکتی ہے، اور انسان مشینوں کا روپ کیونکر دھار سکتے ہیں۔ اسی لیے بڑے بڑے کام کرنے والوں کو ناگواریوں کے باوجود ایک دوسرے سے سازگاری کرنی پڑتی ہے۔

صحابہ کرام کی مثال تاریخ میں کہاں ملے گی کہ ان میں باجم کبھی تکدر کا کوئی لمحہ آیا بھی تو انہوں نے فوراً اس پر قابو پالیا۔ اوپر جس واقعے کا اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کے سلسلے میں اختلاف کا اثر اتنا شدید تھا کہ بریدہ سلمی نے رسول خدا سے حضرت علیؑ کے خلاف شکایت کر دی ہو سکتا ہے کہ حضرت علیؑ نے کچھ تذکرہ کیا ہو۔ اس سے حضور کو دلی اذیت ہوئی۔ اور اسی حالت میں لوگوں سے خطاب کیا اور کسی کا نام لیے بغیر کہا کہ:

»جس کا میں رفیق ہوں، علیؑ بھی اس کا رفیق ہے۔ اے اللہ! جو علیؑ کو دوست رکھے تو بھی اس کو دوست رکھ، اور جو علیؑ سے دشمنی رکھے تو بھی اس سے دشمنی رکھ۔«

بات صاف تھی کہ حضرت علیؑ ہم سابقون الاولون میں سے تھے، بے شمار اہم امور انجام دے چکے تھے، کتنے ہی کارنامہ ہائے جہاد ان کے حصے میں آئے، علم اور خصوصاً علم قضا میں مہارت رکھتے تھے، پھر حضورؐ اور حضرت علیؑ ایک ہی دعوت کے داعی اور ایک ہی مشن کے علمبردار تھے۔ ان کا آپس میں رشتہ بھی ایسا تھا کہ حضرت علیؑ کو یا بمنزلہ اولاد تھے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک سے تو محبت رکھی جائے اور دوسرے سے تکدر ہو۔ بلکہ مقدس مقصد کی وحدت کا رشتہ اخوت تمام صحابہ کرام میں ایک دوسرے کے ساتھ ایسا ہی تھا کہ یہ قابل تصور نہ تھا کہ ایک سے وابستگی ہو اور دوسرے سے دوری۔ حضورؐ کو رنج اس بات سے ہوا کہ اسلام کے عظیم نصب العین کے بہترین علمبردار راپوں کے اختلاف کو تکدر تک پہنچانے لگیں تو کام کیسے چلے گا۔ اس کیفیت کے زیر اثر آپؐ نے جماعت کو ڈانٹ دینا مناسب سمجھا۔

غدیر خم کے خطاب میں حضرت علیؑ رضی اللہ عنہ کے لیے جو پیارے الفاظ حضورؐ نے استعمال فرمائے۔ ان پر حضرت عمر فاروق نے حضرت علیؑ کو مبارکباد کی۔ دوسری طرف بریدہ سلمی تھے جنہوں نے بعد کی ساری عمر میں حضرت علیؑ رضی اللہ عنہ سے محبت اور متابعت کا تعلق رکھا۔

بس یہی تھی اصل بات۔ اس موقع پر جانشینی وغیرہ کا کوئی مسئلہ نہیں چھڑا تھا۔

ماہِ صفر ۱۱ھ کے آغاز ہی سے سفرِ آخرت کے لیے حضورِ محسنِ انسانیت کی روحِ پاک نے تباہیاں شروع کر دیں۔ ایک روز اُحد تشریف لے گئے اور شہداء اُحد کے لیے سرجسود ہو کر دُعا کی۔ واپس تشریف لائے تو یہ خطیبہ دیا۔

”لوگو! میں تم سے پہلے رخصت ہونے والا ہوں، اور خدا کے سامنے تمہارے متعلق شہادت دینے والا ہوں۔ میں حوضِ کوثر کو یہاں سے دیکھ رہا ہوں۔ مجھے یہ اندیشہ نہیں کہ تم میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے۔ ڈر یہ ہے کہ دنیوی مفاد کی کشمکش میں نہ پڑ جاؤ۔“

پھر آدھی رات کو گورستانِ بقیع میں جا کر اہل قبور کے لیے دعائے مغفرت فرمائی اور فرمایا کہ ہم بھی تم سے جلد ہی آکر ملنے والے ہیں۔

پھر ایک دن بطورِ خاص اپنے رفیقانِ تحریکِ حتیٰ سے خطاب کیا۔ مخاطبین کے لیے دعاؤں سے آغاز کیا۔ وصیت کی کہ: اللہ کی بیٹیوں میں اس کے بندوں کے درمیان تکبر اور سرکشی کی روش اختیار نہ کرنا۔

گورستانِ بقیع سے واپسی پر ہی ہلکا ہلکا دردِ سر شروع ہو گیا تھا۔ پھر ماہِ صفر کی انیسویں تاریخ کو ایک جنازے کے ساتھ جانے اور آنے کے دوران میں درد میں شدت پیدا ہوئی۔ مرض کے ابتدائی ہلکے حملے کے دوران میں گیارہ روز تک مسجد میں تشریف لا کر خود ہی نماز کی امامت فرماتے رہے۔ شدتِ مرض کی وجہ سے بالکل صاحبِ فراش ہو جانے کی بدلت ایک ہفتہ ہے۔ تکلیف بڑھنے پر ازواجِ مطہرات سے اجازت لے کر حضرت عائشہ ہی کے حجرے میں آگئے۔

حالتِ مرض میں بھی تحریک اور ریاست کے معاملات پر نظر تھی۔ ۲۶ صفر کو غزوہٴ روم کی تیاری کا حکم دیا اور دوسرے دن حضرت اسامہ بن زید کو اس مهم کا افسرِ اعلیٰ مقرر کیا حضرت اسامہ کی کم عمری اور کچھ سماجی مرتبے کی بنا پر یہ چہ میگوئیاں ہوئیں کہ بڑے بڑے انصار و مہاجرین کے ہوتے ہوئے ایک لڑکے کو امیر مقرر کیا گیا ہے۔ حضورؐ نے خطاب فرمایا جس کا زور دار جملہ یہ تھا:



”زید بن حارثہ بھی ہم کو سب سے زیادہ محبوب تھا، اور اُس کے بعد اس کا بیٹا (یعنی اسامہ بن زید) بھی ہمیں سب سے زیادہ محبوب ہے“

وفات سے ۵ یوم پہلے بدن پر سات مشک پانی ڈلوایا۔ اس غسل سے طبیعت ذرا ہلکی ہوئی تو سہارا لے کر مسجد تشریف لے گئے اور وہاں اپنے رفیقوں سے یوں خطاب کیا۔

”تم سے پہلے ایسے لوگ گزرے ہیں جنہوں نے انبیاء و صلحا کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا، تم ایسا نہ کرنا۔ میری قبر کو میرے بعد سجدہ گاہ نہ بنا لینا“

پھر نماز پڑھائی اور نماز کے بعد فرمایا:

”میں تم کو انصار کے حق میں خاص تاکید کرتا ہوں۔ یہ لوگ میرے جسم کے پیر، بن اور میرے لیے زادِ راہ رہے ہیں۔ آنھوں نے اپنے حصے کی ذمہ داریاں پوری کر دیں، اور اب تم پر ان کی ذمہ داریاں باقی ہیں“

پھر فرمایا:

”خدا نے اپنے بندے کو اختیار دیا کہ وہ چاہے تو دنیا و مافیہا کو قبول کرے اور چاہے تو وہ کچھ قبول کرے جو خدا کی بارگاہ میں ہے۔ سو بندے نے وہی کچھ انتخاب کر لیا جو اس کے لیے خدا کی بارگاہ میں ہے“

اس اشارے کو سمجھنے میں حضرت ابو بکر صدیقؓ پیش پیش تھے۔ وہ حضورؐ کا یہ ارشاد سن کر زار و قطار رونے لگے۔

نماز کی جماعت میں شرکت سے حیب معذوری ہو گئی تو حضرت سیدنا صدیقؓ کو اپنی جگہ امامت پر نامور فرما دیا۔ اب مرض کی شدت کے اس حد تک بڑھنے سے جماعت میں اضطراب پھیل گیا۔ لوگ بار بار مسجد کا چکر لگاتے۔ جماعت کو تسکین دلانے کے لیے حضورؐ باہر تشریف لائے۔ آپؐ نے حضرت علیؓ اور حضرت فضلؓ ابن عباس کے کندھوں کا سہارا لیا اور قدم گھسیٹتے ہوئے مسجد میں تشریف لائے۔ حضرت صدیقؓ نماز پڑھا رہے تھے۔ حضورؐ کی آمد کا احساس کر کے پیچھے ہٹنے لگے، مگر حضورؐ نے اشارہ کیا کہ وہ بدستور اپنی جگہ پر رہیں۔ پھر ان کے سامنے ہی بیٹھ کر نماز ادا فرمائی۔ بعد میں منبر کے نچلے زینے پر بیٹھ کر آخری نماز پڑھائی۔

”لوگو! مجھے خبر ملی ہے کہ تم میری موت سے ڈرتے ہو۔ جتنے بھی انبیاء  
مبعوث ہو چکے ہیں، کیا کوئی بھی ان میں سے ہمیشہ زندہ رہا۔ میں خدا سے  
ملنے والا ہوں اور تم بھی خدا سے ملنے والے ہو۔ میں وصیت کرتا ہوں کہ  
انصار کے ساتھ بھلائی کرنا۔ میں وصیت کرتا ہوں کہ مہاجرین آپس میں حسن  
سلوک کریں۔“

پیر کے روز مزاجِ اقدس نے آخری بار سنبھالا لیا۔ مسواک کی پردہ اٹھا کر صحابہ کی  
جماعت کو دیکھا اور مسکرائے۔

اس کے چند ہی لمحوں بعد اٹھا کر ”اللھم الرفیق الاعلیٰ یا فی الرفیق الاعلیٰ“  
تین بار فرمایا۔ سیدہ عائشہ صدیقہ کی آغوش میں سر رکھے رکھے خدائے جنتی و قیوم سے جا ملے۔  
یہ ۱۲ ربیع الاول دو شنبہ کا دن تھا۔ چاشت کا وقت تھا حضور کی عمر مبارک قمری حساب  
سے ۶۳ سال ۶ دن بنتی ہے۔

آج وہ ہستی دنیا سے رخصت ہو رہی تھی جس نے زندگی کے قافلے کو رہزنوں کے  
زرغے سے نکال کر صراطِ مستقیم پر لانے کے لیے خوفناک اذیتیں اور مشقتیں برداشت کیں۔  
یہ کتنا بڑا سانحہ تھا عمر بھر کے اقربا و رفقائے لیے! ان کی نگاہوں میں زمین و  
آسمان گھوم گئے ہوں۔ گئے حضرت عثمانؓ پر سکتہ طاری ہو گیا۔ حضرت علیؓ بے حس و حرکت  
ہو گئے۔ حضرت عبداللہؓ بن ابی سہل کا دل شق ہوا اور صدر سے انتقال فرما گئے۔ حضرت  
عمرؓ چند لمحوں کے لیے عقلی توازن کھو بیٹھے۔

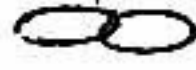
حضورؐ کے جانے سے کتنا بھاری نلکا پیدا ہو گیا تھا۔ حضورؐ کی تیار کردہ جماعت  
نے اپنے اس زمرہ داری اور بے مثل مضبوطی کردار کا ثبوت یوں پیش کیا کہ فوراً قیادت  
کے زلزلہ کو پرہیز کر لیا۔ اور اس نازک مرحلے پر کوئی رسہ کشی اور کنوینینگ نہیں ہوئی۔  
یہ ہے داستان اس ہستی درخشاں کی جس کے پوری انسانیت پر عمومی احسانات

لے تاریخ و ذوات کے سلسلے میں مورخین اور سیرت نگاروں میں اختلاف ہے مگر ہر حال  
مشہور عام یہی تاریخ ہے۔

ہیں، اور ہمارے لیے خصوصی۔ ہم اس آخری پیغمبرِ برحق کی اُمت میں ہیں۔ ہمارے رسولِ مقبول نے ہماری خیر و فلاح کے لیے طرح طرح کے دکھ اٹھائے، بے شمار قربانیاں دیں اور ان کا کوئی صلہ نہ مالی شکل میں وصول کیا نہ اپنے لیے اور اپنی نسل کے لیے تزیجی حقوق کی شکل میں۔

پس ہم حضورؐ کی مہربانیوں اور جانفشانیوں کا کوئی جواب اس کے سوا دینے کے قابل نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کریں کہ وہی اپنے خزانہ ہائے رحمت سے بہت بڑا حصہ حضورؐ کو عطا کرے۔ اسی مقصد سے ہم درود شریف پڑھتے ہیں۔

اللہم صلی علی سیدنا و مولانا محمد و علی آلہ و بارک و سلم!



## کتاب پڑھنے کے بعد!

محترم و عزیز قارئین!

کتاب آپ نے پڑھ لی۔ اب ذرا اپنے ذہنی تاثرات اور قلبی کیفیات کو سمیٹ کر غور فرمائیے کہ آپ نے اس سے کیا اخذ کیا؟

مؤلف اپنی طرف سے یہ عرض کرنا چاہتا ہے کہ میں نے اپنی یہ ناچیز کوشش دنیوی مفاد کو سامنے رکھ انجام نہیں دی، یہ میرے ضمیر کے تقاضوں اور ایمانی ولولوں کا ایک بے ساختہ اظہار ہے۔ یہ کوئی تفریحی کتاب نہیں، اس کا مقصد قاری کی وقت گزاری نہیں بلکہ میں نے نبی اکرم کے متعلق یہ جانا اور مانا کہ جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے درخشاں شخصیت کوئی نہیں، حضور کے کلمہ دعوت سے عظیم تر کوئی دعوت نہیں، آپ کی دی ہوئی خدائی ہدایت سے ہٹ کر کوئی راستہ ہدایت و سلامتی کا نہیں، آپ کی تحریک سے زیادہ انسانیت کیلئے ذریعہ فلاح و سعادت کوئی نہیں، آپ کے تعمیر کردہ نظام سے زیادہ عدل اور امن کا کسی نظام میں امکان نہیں اور آپ کے تیار کردہ انسانوں سے بڑھ کر اصحاب شرف و کرامت

اور آپ کے برپا کردہ معاشرے سے زندہ تر معاشرہ اور کوئی نہیں۔  
 اس روشن شخصیت کو سمجھنے میں مجھے خاصی دیر لگی، عمر کے متعدد سال ایسے گزر گئے کہ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی و ہادی تو مانتا تھا اور سب کی طرح کلمہ پڑھتا تھا، مگر حضورؐ کی حقیقی دعوت، حضورؐ کے کارنامے اور حضورؐ کی بین الانسانی عظمت کا پورا شعور مجھے ایک مدت کے مطالعہ و تفکر کے بعد حاصل ہوا۔

پھر میں نے چاہا کہ جس بڑی حقیقت کو میں نے سمجھا ہے اسے دوسروں تک بھی اس کی صحیح شکل میں پہنچاؤں۔ اس کا بہت پہلے سے کوئی ارادہ میرے اندر نہ تھا۔ یکایک کچھ تحریک ہوئی اور خدا تعالیٰ نے اپنے خاص کرم سے ایک مصروف اور غیر صحت مند انسان سے اپنے پیارے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں یہ کتاب لکھوائی۔ اس میں جو غلطیاں یا کوتاہیاں ہیں ان کا ذمہ دار میں ہوں اور خدا سے عفو کی درخواست کرتا ہوں اور اس میں خیر و خوبی جو کچھ ہے وہ اللہ کی عنایت سے ہے، سو اس کا شکر گزار ہوں اور اس سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اسے قبول فرما کر مجھے اپنی بخشش سے نوازے۔

اب آپ سے میری درخواست یہ ہے، خصوصاً میں نوجوان نسل سے کہنا چاہتا ہوں کہ تمام فلسفوں اور نظریوں کی گرد خیال کے دامنوں سے جھاڑ کر حضورؐ کے دامن دعوت کو تھام لیں۔ چھوٹے چھوٹے مفادات، اور مادی مفاسد کو در کنار رکھ کر اس بڑے کام کے لیے اٹھیں کہ فلاح انسانیت کی ہر تحریک، خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے چلائی تھی اس کا آغاز آپ بھی کریں اور اگر کام پہلے سے ہو رہا ہو تو اس کا ساتھ دیں۔ تمام گمراہ بندوبستوں کو بھول جائیں، علاقوں اور نسلوں کے مفاد کے جھگڑے دوسروں کے لیے چھوڑ دیں، ماحول کی ناساز کاریوں کے درمیان تنہا اٹھ کھڑے ہوں، اکثریت کی مخالفانہ ردش کی پروا نہ کریں، روپے اور دولت اور اسلشوں کا جو موسم بہار ہر طرف چھایا ہو اس کے گل دلالہ کو آپ ان کانٹوں پر قربان کر دیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریکِ امانتِ دین کے صراطِ مستقیم پر پھیلا دیے گئے ہیں، آرٹ اور کلچر کے شعبوں سے مسخور نہ ہوں، مادہ پرست تہذیب کے پردے پگندے کے جالوں کی

ڈوریاں اپنے دلوں تک نہ پہنچنے دیں، سپر پاورز کے شان و شکوہ سے مرعوب نہ ہوں۔ اور ان کی طرف سے مکر و سازش کے جو جھکڑ اٹھ رہے ہیں اور ان کے ظلم و جارحیت کی وجہ سے جا بجا انسانی خون کی جو ہلاکت انگیز برکھا ہو رہی ہے اسے دیکھ کر اپنے اندر کسی خوف اور دہشت اور بالیوسی کو جڑ نہ پکڑنے دیں، بلکہ جو مشن حضورؐ کی میراث میں آپ کو ملا ہے اور جس کی خدمت کر کے ہی آپ آخرت میں حضورؐ کی شفاعت کی امید کر سکتے ہیں۔ اس کے لیے جان و مال، دماغ اور دل، زبان اور قلم کی ساری قوتیں کھادیں۔ خدا کے پیغمبروں (علیہم السلام) پر ایمان لانے کا تقاضا میں اتنا ہی نہیں ہے کہ ان سے محبت و عقیدت کا اظہار کر دیا جائے، یا قلم و نثر میں ان کی شان میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر قصیدے کہے جائیں، نہیں، بلکہ پیغمبروں پر ایمان کا اصل مطالبہ یہ ہے کہ ان کی اطاعت کی جائے۔ اصل اطاعت بھی اتنی محدود نہیں کہ امورِ زنا رگی کے جزئیات میں اپنے نبیؐ کی تعلیمات سے احکام اخذ کیے جائیں، بلکہ بڑی اور مرکزی اطاعت یہ ہے کہ جس عقیدے کو لے کر جس طرح کی تنظیم حضورؐ قائدِ انسانیت نے بنائی، پھر جس طرح کی انقلابی تحریک آپؐ نے چلائی اور بالآخر جس طرح کا نظام حیات آپؐ نے قائم فرمایا، اس ساری وسیع سنت کی اطاعت کی جائے۔ افسوس یہ ہے کہ ہم مسلمانوں میں اطاعت کرنے والوں کی بھی زیادہ تعداد ایسی ہے جو چھوٹی سے چھوٹی سنت پر زور دینے کے باوجود اُس بڑی سنت سے غافل ہے جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔

میں اپنی کتاب کے خواندگان — اور ان میں خصوصاً نوجوانوں — سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ وہ حضورؐ کی دعوت، حضورؐ کے کردار، حضورؐ کی تنظیم، حضورؐ کے رفقاء، حضورؐ کی تحریک اور اس کے جملہ مراحل و مسائل کا نہ صرف اس کتاب کے ذریعے بلکہ دوسری بے شمار کتب تفسیر و حدیث و سیرت کی مدد سے گہرا شعور حاصل کریں، اور پھر حضورؐ کے بتائے ہوئے بھاری کام کو کرنے کے لیے جذبہ جہاد کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوں۔

آج سب سے بڑی سعادت یہ ہے کہ موجودہ دور پر پوری طرح مسلط طاغوتی

تہذیب اور اس کے صنم خانوں کے دیوتاؤں کی خدائی کو چیلنج کیا جائے اور انسانیت کو اس کی گرفت سے نکالا جائے۔ دوسرے تمام مذاہب کے علمبردار طاغوتی تہذیب اور اس کے دیوتاؤں کے سامنے ہتھیار ڈال کر اس کے لونڈی غلام بن چکے ہیں۔ اب ساری امیدوں کا مرکز صرف مسلم قوت رہ گئی ہے۔

کیا آپ وہ مسلم قوت بنیں گے جو انسانی فلاح کے لیے اس دجالی دور کو چیلنج کرنے کے لیے میدان میں آئے؟

اگر آپ کا جواب اثبات میں ہو تو اس کتاب کے لکھنے کا مقصد پورا ہوا۔ ورنہ میری نگاہ میں ایسا ایک فرد بھاری قدر و قیمت رکھتا ہے جو سرکار رسالتماہ کے مرد آفگن "مشن" کا سچا وارث بن کے اُٹھے۔

میری ساری محبت، اور میری ساری دلی دعائیں اور فرشتوں کی مسترئیں اور انبیاء کی بشارتیں اس کے ساتھ ہیں! ﷺ

نعیم صدیقی

۱۱ شوال ۱۴۰۲ھ

یکم اگست ۱۹۸۲ء

مجموعہ رسالہ درسیات

اسلامی تاریخ کے ایک اہم دور میں حق  
داستان نظر ثانی شدہ نیا ایڈیشن : صفحہ ۲۲۴  
کتاب کی قیمت

نور کی ندیاں رواں

پہلا نعتیہ مجموعہ انقلابی لے کے ساتھ : صفحات ۱۶۰  
قیمت

المودودی

مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی شخصیت کا نہایت قریب سے گہرا مطالعہ اور  
بعض اہم حالات و واقعات پر ایک نظر مصنف  
کے منفرد ادبی اسلوب میں : صفحات ۴۰۰  
قیمت

نیکی کے سپاہی

بچوں کیلئے اسلامی تاریخ کی دس سبق آموز اور دلچسپ حکایتیں۔ زبان  
آسان اور اسلوب دلکش :  
صفحات ۸۰  
قیمت

پھول ستارے

اس کتاب میں ایسے عظیم فرزندان اسلام کے حالات زندگی بیان کئے گئے ہیں  
جنہوں نے دنیا کو پھولوں کی طرح سجایا اور ستاروں کی طرح چمکایا۔  
صفحات ۸۸  
قیمت

ناشران و تاجران کتب  
اردو بازار لاہور